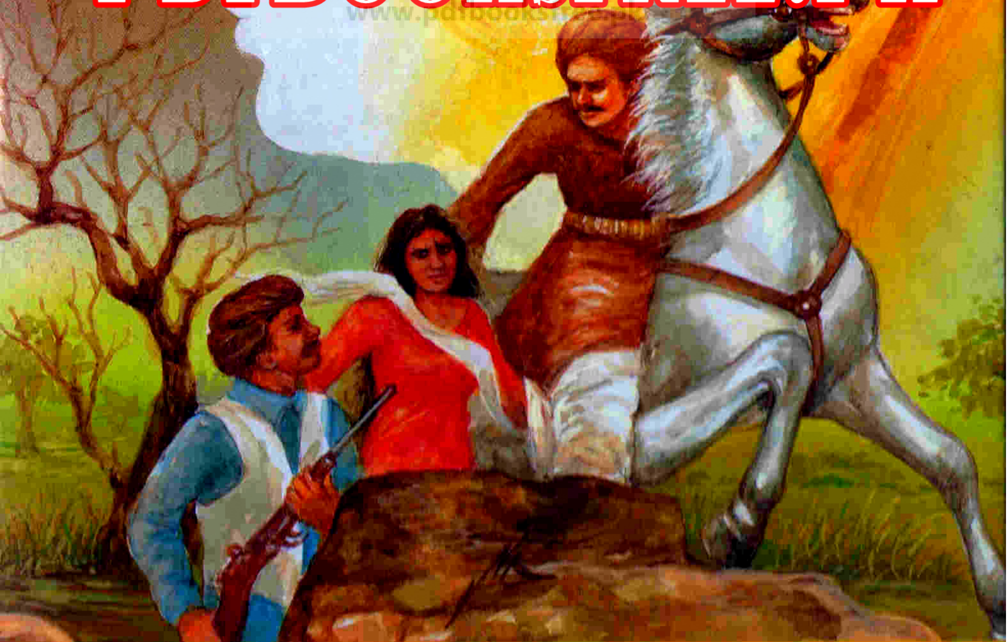
غیرت کا معاملہ

PDFBOOKSFREE.PK



ملک صفدر حیات (ریٹائرڈ ڈی ایس پی)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فہرست

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غیرت کا معاملہ

ایک روز میں تھانے پہنچا' تو پتا چلا کہ کسی عارف نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر چونکا دینے والی ہونے کا علاوہ خاصی واہیات بھی تھی۔ میں نے آج تک کسی عورت کا نام عارف نہیں سنا تھا' لہٰذا اطلاع لے کر آنے والے کو میں نے اپنے کمرے میں بلا لیا۔

اس شخص کا نام یوسف حلوائی تھا۔ عمر لگ بھگ چالیس سال' قد صرف پانچ فٹ' اس پست قامتی پر اس نے اپنے وزن کو بڑی فراخ دلی سے بڑھا رکھا تھا' شاید یہ اس کے پیشے کے اثرات تھے۔ حلوائی چاہے خود مٹھائی کھائے یا نہ کھائے' وہ اس نعمتِ شیریں کو سونگھ سونگھ کر ہی فربہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ میں نے بہت کم مٹھائی فروشوں کو دبلا پتلا دیکھا ہے۔ یوسف حلوائی پر نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن میں کسی کنگ سائز فٹ بال کا تصور ابھرا تھا ..... وہ کچھ ایسا ہی گول مٹول اور مضحکہ خیز تھا۔

میں نے اسے ایک چوبی بنچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''یوسف! کیا تم یہ بتانے آئے ہو کہ عارف نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔''

''ج ..... جی ہاں .....'' وہ ہچکچاہٹ آمیز انداز میں بولا۔

میں نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ ''اور عارف کے شوہر کا نام کیا ہے؟''

''شاہدہ!'' وہ سادگی سے بولا۔

''لگتا ہے بدن کے ساتھ ساتھ تمہاری عقل بھی موٹی ہو گئی ہے..... بلکہ تمہاری عقل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی توند بھی نکل آئی ہے۔‘‘ میں نے یوسف حلوائی کو تیز نظروں سے گھورا۔ ’’او بے وقوف! کیا کوئی عورت کسی مرد کا شوہر ہو سکتی ہے' یا کوئی مرد کسی عورت کی بیوی ہو سکتا ہے؟‘‘

’’جی......ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔‘‘ وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ’’لیکن ان میاں بیوی کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔‘‘

اس کے جواب نے مجھے مزید الجھا دیا۔ میں نے اپنی الجھن دور کرنے کے لیے نہایت ہی آسان الفاظ میں یوسف حلوائی سے استفسار کیا۔ ’’یعنی تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ بیوی نے مردوں والا نام عارف اور شوہر نے عورتوں والا نام شاہدہ رکھا ہوا ہے؟‘‘

’’بالکل نہیں جناب!‘‘ وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ’’عارف ایک مرد ہے اور شاہدہ ایک عورت' لیکن عارف' شاہدہ کی بیوی بن کر زندگی گزار رہا تھا' اس میں شوہروں والا رعب داب اور سختی نظر نہیں آتی' جب کہ شاہدہ بڑی دھانسو قسم کی عورت تھی' بالکل شوہروں کی طرح' اس نے عارف کو دبا رکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ شاہدہ اسے اپنے اشاروں پر نچاتی تھی......‘‘ وہ لمحے بھر کے لیے رکا' اور پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ’’ان میاں بیوی کی انہی حرکتوں کو دیکھ کر لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ عارف' شاہدہ کی بیوی بن کر زندگی گزار رہا ہے' اور شاہدہ اس پر شوہروں کی طرح حکمرانی کرتی ہے۔ یہ بات اور تاثر اتنا عام ہے کہ بے ساختہ میں نے بھی کہہ دیا' عارف نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔‘‘

میں نے پوری توجہ سے یوسف حلوائی کی وضاحت سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ’’اب بات آئی ہے سمجھ میں...... مجھے نہیں معلوم تھا' یہاں ان میاں بیوی کی شہرت کیسی ہے۔‘‘

’’آپ کو یہ بات اس لیے بھی عجیب اور نئی لگی' کہ آپ اس علاقے میں نئے آئے ہیں۔‘‘ یوسف نے قدرے مضبوط لہجے میں کہا۔

اور اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ مجھے اس قصبے میں تعینات ہوئے چند دن ہی ہوئے تھے۔ بخت پور نامی وہ قصبہ ضلع جھنگ میں واقع تھا۔ وہ ایک بھرا پرا قصبہ تھا' جہاں میرے محتاج اندازے کے مطابق دو سو سوا دو سو گھر آباد تھے۔

میں نے آگے بڑھنے سے پہلے یوسف حلوائی سے پوچھا۔ ’’تو اب صورتِ حال یہ ہے کہ عارف نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے' اور تم قتل کی اس واردات کی اطلاع لے کر میرے پاس آئے ہو؟‘‘

’’جی...... جی ہاں۔‘‘ اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ’’بالکل یہی بات ہے۔‘‘

میں نے جائے وقوعہ کی جانب روانہ ہونے سے پہلے یوسف حلوائی سے چند اہم سوالات کیے' تاکہ اندازہ قائم کر سکوں کہ یوسف اور عارف کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ اور اسے کیسے پتا چلا کہ عارف نے اپنی بیوی شاہدہ کو قتل کر دیا ہے۔ میرے ان سوالات کے جواب میں اس نے جو معلومات فراہم کیں' اس کا خلاصہ یہ ہے۔

یوسف حلوائی کی دکان قصبہ بخت پور کے مین بازار میں تھی' اور اس کی دکان کے ساتھ ہی عارف کی دکان تھی۔ عارف اپنی دکان میں تکے کباب وغیرہ فروخت کرتا تھا۔ کاروبار کے لحاظ سے دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے' لہٰذا ان میں اچھی خاصی بے تکلفی پائی جاتی تھی۔ یوسف کو ہمدرد اور مخلص دوست سمجھتے ہوئے عارف اس سے اپنے دکھ بیان کرتا رہتا تھا۔ یوسف کو عارف کی بے بسی' بے چارگی اور کسمپرسی کا پورا احساس تھا' لیکن وہ اس کی مشکلات کو دور کرنے' یا کم کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یوسف خود بھی شادی شدہ تھا' اور اس بات کا اسے بہ خوبی احساس تھا' کہ میاں بیوی کا معاملہ بہت ہی نازک ہوتا ہے' اور اس معاملے میں کسی تیسرے آدمی کی براہِ راست مداخلت ہمیشہ خطرناک نتائج ہی لاتی ہے۔ اس کی یہ سوچ بڑی ہی معقول تھی۔

جس حد تک ممکن تھا' یوسف اسے مشورے دیتا رہا' لیکن اس کی بتائی ہوئی ہر ترکیب ناکام رہی۔ عارف نے شاہدہ کو قابو کرنے کی جتنی کوشش کی' وہ اتنی ہی بے قابو ہوتی چلی گئی۔ جب اس کی خودسری' سرکشی اور من مانی حد سے تجاوز کر گئی' تو عارف کو اس کے کردار پر شبہ ہونے لگا۔ اپنے اس درد کو اس نے یوسف حلوائی سے بھی شیئر کیا۔ یوسف بھی یہ سن کر گہری تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے فکر مند لہجے میں کہا۔

’’یار! تم شاہدہ کی حرکتوں اور زیادتیوں سے پہلے ہی بہت پریشان تھا' اور اب یہ ایک نئی ہولناک خبر سنا رہے ہو۔‘‘

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یار! سمجھ میں نہیں آ رہا' میں کیا کروں!" عارف نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں صرف شک ہے یا......؟" یوسف نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

عارف ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "پہلے میں سمجھا کہ شاید مجھے وہم ہوا ہے' لیکن چند روز تک جب میں نے اس جانب خصوصی توجہ دی' تو میرا وہم پہلے شک میں بدلا' اور اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ شاہدہ غلط راہ پر چل رہی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں یوسف!"

"یہ بات ہے ہی پریشانی کی ہے۔" یوسف نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "میرا مشورہ مانو......تم اس موضوع پر تنہائی میں شاہدہ سے بات کرو' اور اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔"

"میں ایسی ایک کوشش کر چکا ہوں۔"

"پھر کیا نتیجہ برآمد ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" یوسف نے الجھن زدہ انداز میں سوال کیا۔

عارف نے بے بسی سے جواب دیا۔ "نتیجہ تو اس وقت برآمد ہوتا ہے' جب سامنے والا کوئی بات سننے کو تیار ہو۔ میں نے بڑی نرمی سے بات کی' لیکن شاہدہ بھڑک اٹھی۔ الٹا اس نے مجھے ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کہنے لگی کہ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے' جو میرے بارے میں ایسا سوچ رہے ہو۔ تمہیں یہ سب کہتے ہوئے شرم نہیں آئی......بے شرم کہیں کے؟"

"اوہ......!" عارف کی بات سن کر یوسف نے ایک تشویش بھری سانس خارج کی۔ "یہ تو کام ہی خراب ہو گیا۔"

ان کے درمیان چند لمحات تک گمبھیر خاموشی چھائی رہی' پھر یوسف نے پوچھا۔

"ان حالات میں تم نے کیا سوچا ہے عارف؟"

"میری تو سوچ اور سمجھ کام ہی نہیں کر رہی۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھامتے ہوئے بولا۔

"تو پھر میرا ایک مشورہ مانو۔" یوسف نے بردباری سے کہا۔ "تمہاری شادی کو لگ

بھگ چار سال ہو گئے ہیں' اور ابھی تک کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی۔ انسان اولاد کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے شریکِ حیات کی زیادتی' اور ظلم برداشت کرتا رہتا ہے۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری یا مسئلہ نہیں ہے......تو پھر گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ اس شے سے نجات حاصل کر لی جائے' جس نے زندگی میں زہر بھر دیا ہو۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں یوسف!" عارف نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ "یار! یہ بات میرے ذہن میں آئی تھی کہ شاہدہ کو طلاق دے کر اپنی زندگی کی اذیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں' لیکن یہ بتاؤ......گزرے ہوئے چار سالوں کا حساب کون دے گا؟"

"چار سال کا حساب؟" یوسف حلوائی نے چونک کر عارف کبابیہ کی طرف دیکھا۔

عارف نے معنی خیز انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی' اور پراسرار انداز میں بولا۔ "ان چار سالوں میں' میں ہر رات مرا ہوں' اور ہر صبح مجھے دوبارہ زندہ ہونا پڑا ہے۔ میں نے شاہدہ کا ہر ظلم' زیادتی اور بے ہودگی برداشت کی۔ میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ لوگوں کو ہمارے لڑائی جھگڑے کی خبر نہ ہو۔ مجھے اپنی خالہ کی باتیں بھی یاد آ جاتی تھیں۔ تم جانتے ہو نا یوسف! شاہدہ میری خالہ کی بیٹی ہے۔"

یوسف حلوائی نے اثبات میں گردن ہلائی' عارف سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کنیز خالہ نے مرتے وقت مجھ سے کہا تھا۔ میری ایک ہی بیٹی ہے' اور یہ میں تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔ تم ہر طرح سے اس کا خیال رکھنا۔ خالہ' امی کی چھوٹی اور بڑی لاڈلی بہن تھی۔ اب تو یہ دونوں بہنیں اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ ابھی پچھلے سال ہی امی کا انتقال ہوا ہے۔ میں محض کنیز خالہ کی وجہ سے شاہدہ کو......اور اس کی ہر بے ہودگی کو برداشت کر رہا تھا' لیکن اب میری برداشت کی حد ختم ہو گئی ہے۔ میں جس خالہ کی وجہ سے یہ اذیت اور تکلیف جھیل رہا تھا' وہ قبر میں اتر گئی۔ اب اگر میں......!" وہ ڈرامائی انداز میں رکا' پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔ "اب اگر میں شاہدہ کو طلاق دے کر اپنی زندگی سے نکال دوں تو وہ تو آزاد ہو جائے گی' لیکن میں نے پچھلے چار سالوں میں پل پل جو زہر پیا ہے' اس کا حساب کون دے گا......میں شاہدہ کو اتنی آسانی سے آزاد نہیں کر سکتا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یوسف نے محسوس کیا کہ عارف کا لہجہ یک دم سنگین ہو گیا تھا۔ اس نے تشویش ناک لہجے میں دریافت کیا۔ ''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟''

''میں شاہدہ کو نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا۔

''اچھا...... یعنی اسی اذیت ناک صورتِ حال میں جیتے رہو گے؟''

''ہاں!'' عارف نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''کچھ دنوں تک تو اسی کیفیت میں جینا ہو گا۔''

یوسف نے عارف کی باتوں کی قطعیت سے یہ تو محسوس کر لیا تھا' کہ وہ اپنے طور پر شاہدہ کے حوالے سے کوئی حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔ فیصلہ کیا تھا......؟ بس یہ جاننا باقی تھا۔ عارف نے اس کے استفسار کے جواب میں کہا۔

''یار یوسف! میں تم سے ہر قسم کی بات کر لیتا ہوں' اس لیے یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ میں نے شاہدہ کے بارے میں کیا سوچا ہے۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے اس نے بتایا۔ ''میں نے شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا' تو اسے ختم کر دوں گا...... نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری!''

یوسف نے تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''یعنی' تمہارا مطلب ہے...... قتل؟''

''ہاں! میرا یہی مطلب ہے۔'' وہ بے رحمی سے بولا۔

یوسف نے پوچھا۔ ''جانتے ہو' تمہاری اس حرکت کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا؟''

''مجھے کسی نتیجے کی فکر نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔

یوسف نے حق دوستی نبھاتے ہوئے کہا۔ ''عارف! اگر تم نے شاہدہ کو قتل کر دیا تو تمہاری باقی زندگی جیل میں گزرے گی۔''

''تو کیا تمہارے خیال میں' میں پچھلے چار سال سے جنت میں رہ رہا ہوں۔'' عارف نے تلخی سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے جیل کی زندگی میری موجودہ زندگی سے کہیں بہتر ہو گی۔''

یوسف نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''یار! میں تمہاری اس خطرناک سوچ کی

حمایت نہیں کروں گا۔ گھریلو پریشانیوں نے تمہارے دماغ پر بڑا منفی اثر ڈالا ہے۔''

''میں تم سے حمایت کی درخواست کر بھی نہیں رہا۔'' عارف جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ ''اور یہ تم نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے کہ میرے دماغ پر بڑے منفی اثرات ہوئے ہیں......'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''یار یوسف! تپش وہیں محسوس ہوتی ہے' جہاں آگ جل رہی ہو۔ میں اپنے حالات کو بہتر طور پر سمجھتا ہوں...... تم صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ مجھے یقین ہے' میری جگہ اگر تم ہوتے تو تمہارا فیصلہ بھی کچھ اسی نوعیت کا ہوتا۔''

یوسف کو واضح طور پر نظر آنے لگا کہ عارف اپنی ضد سے باز نہیں آئے گا۔ اس کے انداز و اطوار سے جنونی کیفیت جھلکتی تھی۔ بہرحال اس نے اپنا فرض نبھاتے ہوئے اتمام حجت ضروری جانا' اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''عارف! ابھی تم نے اپنے جن خوفناک عزائم کا اظہار کیا ہے' وہ مشروط ہیں......''

''مشروط ہیں...... کیا مطلب؟'' عارف نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

یوسف وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''تم نے بڑے واضح الفاظ میں کہا ہے' کہ اگر تم نے شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تو اسے جان سے مار دو گے۔ فرض کرو......!'' یوسف نے ذرا رک کر ایک گہری سانس خارج کی' اور اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''فرض کرو! تم شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوتے' تو پھر تم کیا کرو گے؟''

''اول تو اس بات کی بالکل امید نہیں ہے کہ میں کامیاب نہ ہوں۔'' عارف نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اور اگر ایسا ہوا تو بعد کی بعد میں سوچوں گا۔''

یوسف خاموشی سے اسے دیکھتا چلا گیا۔ عارف صحت اور جثے کے اعتبار سے ایسا نظر نہیں آتا تھا کہ وہ غیرت کے نام پر کوئی بڑا ''کارنامہ'' انجام دے سکے۔ اگر اس میں مردوں اور شوہروں والی روایتی خوبی ہوتی' تو لوگ اسے شاہدہ کی بیوی مشہور کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ایک کمزور اور دبو قسم کا شوہر تھا' لہٰذا یوسف نے اس کی خطرناک انتقامی باتوں کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔ یوسف خود بھی اسی قصبے میں رہتا تھا' لیکن شاہدہ کے کردار کے متعلق اس نے اس سے پہلے کسی کے منہ سے ایسا کچھ نہیں سنا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ شاہدہ تیز، بدمزاج اور سرکش قسم کی بیوی تھی، لیکن اس کے بے وفائی کا مرتکب ہونے کی اطلاع یوسف کے لیے حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین تھی۔

آئندہ چند روز تک ان کے درمیان شاہدہ کے حوالے سے کوئی بات نہیں ہوئی، بلکہ عارف نے اپنی گھریلو پریشانیوں کا تذکرہ موقوف کر دیا تھا۔ یوسف کو عارف کی اس پراسرار خاموشی پر حیرت بھی ہوئی، لیکن اس نے اسے کریدنا یا ٹٹولنا مناسب نہ سمجھا۔

اور اب یوسف حلوائی میرے سامنے بیٹھا تھا۔

***

جائے وقوعہ یعنی عارف کا گھر میرے تھانے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ میں نے ضروری تیاری کے بعد حوالدار نصیر شاہ کو اپنے ساتھ لیا، اور جائے واردات کی جانب روانہ ہوگیا۔ اطلاع کنندہ یوسف حلوائی کو بھی میں نے اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔

راستے میں، میں نے اس سے سوال کیا۔ ''تم دونوں کے درمیان شاہدہ کے حوالے سے وہ خطرناک گفتگو کتنا عرصہ پہلے ہوئی تھی؟''

''یہی کوئی بارہ پندرہ دن پہلے۔'' اس نے سوچ کر جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''شاہدہ کا قتل تو یہی ظاہر کرتا ہے کہ عارف نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا؟''

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے جناب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''یوسف!'' میں نے گمبھیر انداز میں سوال کیا۔ ''تمہیں یہ کس طرح پتا چلا کہ عارف نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے۔ کیا تم اس کے پڑوس میں رہتے ہو؟''

''وہ میرے گھر سے کئی گلیاں دور رہتا ہے۔'' اس نے سادہ سے لہجے میں بتایا۔

''اس کا مطلب ہے، آج تم صبح اس کے گھر گئے تھے۔ ہیں نا؟''

''جی ہاں!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''مجھے ایک ضروری کام سے اس کے گھر جانا پڑا تھا۔''

''اور وہ ضروری کام کیا تھا؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ لمحاتی خاموشی کے بعد گویا ہوا۔ ''کچھ عرصہ پہلے عارف نے مجھ سے تین سو روپے

ادھار لیے تھے۔ کل میں نے اس سے اپنی رقم واپس مانگی۔ مجھے اچانک ان روپوں کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ عارف نے کہا۔ اس وقت تو میرے پاس رقم نہیں ہے۔ تم ایسا کرو، کل صبح میرے گھر آ جاؤ۔ میں تمہیں تین سو روپے دے دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تاکید کی کہ میں صبح ذرا جلدی اس کے پاس آؤں، کیونکہ اسے کہیں جانا ہے......'' وہ سانس لینے کے لیے رکا پھر بولا۔

''چنانچہ...... میں آج صبح اس کے گھر پہنچ گیا۔ مجھے امید تھی کہ عارف اس وقت تک جاگ چکا ہوگا۔ میں نے اس کے دروازے پر دستک دی، اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب تھوڑی دیر تک دروازہ نہیں کھلا، تو میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس مرتبہ بھی اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ مجھے تشویش ہوئی کہ عارف دروازہ کیوں نہیں کھول رہا۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ کہیں وہ گھر سے چلا تو نہیں گیا؟

تیسری بار میں نے ذرا زور کی دستک کی، اور اس کے ساتھ ہی گھر کے بیرونی دروازے پر زور ڈالا، اور اسی لمحے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ دروازہ بند نہیں تھا۔ میرے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔ میں نے عارف کو پکارتے ہوئے بے ساختہ گھر کے اندر قدم رکھا، لیکن یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے اس گھر میں کوئی بھی موجود نہ ہو۔ اس صورتِ حال نے میرے اندر تجسس جگایا کہ مجھے آگے بڑھ کر دیکھنا چاہیے، عارف کے گھر میں آج یہ کیسی ویرانی چھائی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ مجھے بلا اجازت یوں کسی کے گھر میں نہیں گھسنا چاہیے تھا، لیکن پتا نہیں کیوں، مجھے اس وقت خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر ایک کمرے میں......''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر جھرجھری لی، اور خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ایک کمرے میں، میں نے شاہدہ کو مردہ حالت میں پڑے دیکھا۔ اس کی گردن کٹی ہوئی تھی اور......''

وہ ایک مرتبہ پھر جملہ نامکمل چھوڑ کر خاموش ہوگیا۔ میں گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ یوسف حلوائی ان لمحات میں خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں چند لمحات تک بغور اس کی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا، پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ''شاہدہ کو مردہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حالت میں دیکھ کر تم نے سمجھا کہ عارف نے اسے قتل کر دیا ہے......اور تم اس واقعے کی اطلاع دینے تھانے پہنچ گئے۔ یہی بات ہے نا؟''

''جج......جی ہاں......یہی بات ہے!'' وہ جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''تمہیں گھر میں عارف بھی کہیں دکھائی دیا؟''

''نہیں جناب!'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''عارف مجھے وہاں نظر نہیں آیا۔''

''تم نے وہاں کتنا وقت گزارا؟'' میں نے سوال کیا۔

''دو چار منٹ......'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''شاہدہ کی لاش دیکھ کر میں فوراً گھر سے نکل آیا پھر تھانے کی جانب چل پڑا۔''

''ہوں!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔ ''کیا عارف کے گھر سے نکلنے کے بعد' تم نے کسی اور کو شاہدہ کے قتل کے بارے میں بتایا تھا' یا سیدھے اِدھر آ گئے تھے؟''

اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ''جب میں گھبرایا ہوا عارف کے گھر سے باہر نکلا' تو ظہور حسین اپنے دروازے میں کھڑا تھا۔ ظہور حسین' عارف کا پڑوسی ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ کیا بات ہے یوسف! تم اتنے خوف زدہ کیوں ہو......اور یہ صبح ہی صبح اِدھر؟ میں نے ظہور کو بتایا' میں ایک ضروری کام سے یہاں آیا تھا۔ عارف نے مجھے اسی وقت بلایا تھا' لیکن پتا نہیں' وہ خود کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اندر اس کی بیوی شاہدہ کی لاش پڑی ہے......میں اس واقعے کی اطلاع دینے تھانے جا رہا ہوں۔''

تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم عارف کے گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ وہاں لگ بھگ ایک درجن افراد جمع تھے۔ چھوٹی سی داڑھی والے ایک ادھیڑ عمر شخص نے عارف کے دروازے کو اس طرح کور کر رکھا تھا' جیسے وہاں پہرا دے رہا ہو۔ یوسف نے مجھے بتایا کہ وہی ظہور حسین ہے' وہ غالباً وہاں موجود لوگوں کو عارف کے گھر کے اندر داخل ہونے سے روک رہا تھا۔ ہم پر نگاہ پڑی تو ظہور نے اطمینان کی سانس لی' اور قدرے بلند آواز میں بولا۔ ''لو جی......پولیس بھی آ گئی۔''

ہمیں دیکھ کر لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ ظہور نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا' اور ایک سکون بھری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''تھانے دار صاحب! اچھا ہوا' آپ تشریف لے آئے۔ میں نے بڑی مشکل سے ان لوگوں کو روک رکھا تھا۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا' اور عارف کے گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ اپنے پیچھے میں نے صرف حوالدار نصیر شاہ' یوسف حلوائی اور ظہور کو آنے کی اجازت دی۔ دروازے کے باہر جو لوگ اکٹھا تھے' ان میں سے ایک کی میں نے وہیں ڈیوٹی لگا دی کہ وہ کسی کو اندر داخل نہ ہونے دے۔ رفیق نامی ایک ہٹا کٹا شخص تھا۔ مجھے یقین تھا' وہ باہر کی صورتِ حال کو بہ آسانی کنٹرول کر لے گا۔

وہ ماہِ اکتوبر کے ابتدائی ایام تھے۔ گلابی جاڑا اپنی پوری آب و تاب سے ماحول میں سرایت کر چکا تھا۔ دن خاصا معتدل گزرتا' لیکن شام اور خصوصاً رات میں اچھی خاصی ٹھنڈک ہو جاتی تھی۔ لوگوں نے کمروں کے اندر بستر لگا لیے تھے' اور رات میں کھیس یا ہلکے کمبل اوڑھنے پڑتے تھے۔ ہم صحن سے گزر کر اس کمرے میں پہنچ گئے' جہاں یوسف حلوائی نے شاہدہ کی لاش دیکھی تھی۔

عارف کا گھر تین کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ دو کمرے پہلو بہ پہلو گھر کے پچھلے حصے میں واقع تھے۔ ان کے آگے آٹھ فٹ چوڑا ایک برآمدہ تھا' پھر چھوٹا سا صحن آ جاتا تھا۔ گھر کا تیسرا کمرہ وہ بیٹھک تھی' جو بیرونی دروازے کے قریب گھر کے سامنے والے حصے میں ایک کونے میں بنی ہوئی تھی۔ باورچی خانہ' غسل خانہ وغیرہ بیٹھک کی مخالف سمت میں ترتیب وار دیوار کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ شاہدہ کی لاش جس کمرے میں پائی گئی' وہ عقبی دو کمروں میں سے ایک تھا۔

شاہدہ مردہ حالت میں بستر پر بڑی بے ترتیب پڑی تھی۔ اس کی گردن شہ رگ کے مقام سے کٹی ہوئی تھی' بہنے والے بے تحاشا خون نے بستر کو بری طرح آلودہ کر دیا تھا۔ بستر کی کیفیت سے بہ خوبی اندازہ ہوتا تھا' کہ موت کو گلے لگانے سے پہلے شاہدہ کتنا تڑپی ہو گی۔ میں نے بستر کے مختلف خون آلود حصوں کا بغور جائزہ لیا' اور مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ شاہدہ کی موت واقع ہوئے زیادہ وقت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں گزرا تھا۔ اسے رات کے آخری پہر یا فجر کے وقت گردن کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اسے نیند کی حالت میں قتل کیا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں افراتفری کے آثار موجود نہیں تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق' شاہدہ کو کسی تیز دھار چھری یا خنجر سے گردن کاٹ کر موت کے منہ میں دھکیلا گیا تھا۔

شاہدہ کی عمر پچیس چھبیس سال سے زیادہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کے چہرے کی دلکشی اور بدن کی شادابی کو مردہ حالت میں بھی بہ آسانی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک خوب صورت عورت تھی۔ مجھے اس کی موت کا دلی افسوس ہوا' اور اسی افسردہ دلی کے ساتھ میں موقع کی ضروری کارروائی میں مصروف ہو گیا۔

آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد میں آلۂ قتل برآمد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ گوشت کاٹنے والی بڑے سائز کی ایک چھری تھی' جس کے پھل پر لگے ہوئے خون نے مجھے بتا دیا کہ اسی کی مدد سے شاہدہ کی گردن کاٹی گئی تھی۔ مذکورہ چھری مجھے باورچی خانے میں' برتنوں کی دوچھتی پر' برتنوں کے پیچھے پڑی ملی تھی۔ یہ ایک اہم تفتیشی پیش رفت تھی۔

میں نے موقع کی ضروری کارروائی کو نمٹا کر' مشیرنامہ تیار کیا' اور شاہدہ کی لاش کو آلۂ قتل سمیت پوسٹ مارٹم کے لیے ضلعی سرکاری اسپتال بھجوا دیا۔ ظہور حسین نے دبی زبان سے مجھ سے کہا بھی کہ میں لاش کو اسپتال روانہ کرنے سے پہلے عارف کی واپسی کا انتظار کرلوں' لیکن اس کی یہ فرمائش مجھے غیر اہم اور فضول سی لگی۔

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم جانتے ہو' عارف کہاں گیا ہے؟''

''نہیں جی...... مجھے تو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ وہ کب تک واپس آئے گا؟''

''جناب! جب مجھے یہ ہی پتا نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے' تو میں اس کی واپسی کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری اسپتال بھجوانا بہت ضروری تھا' اس لیے میں اس سلسلے میں کوئی تاخیر برداشت نہیں کرسکتا۔ عارف جب واپس آئے گا' تو اس سے بھی نمٹ لیا جائے گا' ویسے مجھے امید نہیں کہ وہ واپس آئے۔ مجھے اس کی تلاش

میں اپنے بندوں کو بھیجنا پڑے گا۔'' میرے لہجے کی معنی خیزی کو محسوس کر کے اس نے چپ سادھ لی۔

میں نے وہاں موجود افراد کے بیانات لینے کا سلسلہ شروع کیا۔ یوسف حلوائی نے اضطراری انداز میں کہا۔ ''تھانے دار صاحب! سب سے پہلے آپ میرا بیان لے لیں۔ دوپہر ہونے والی ہے' اور مجھے دکان بھی کھولنی ہے۔''

تھانے سے لے کر یہاں تک میں نے یوسف سے متعدد سوالات پوچھے تھے' جن کے جوابات میں اس نے مجھے شاہدہ اور عارف کے بارے بیش بہا معلومات فراہم کی تھیں۔ ایک طرح سے میں اسی کے بیان کی بنیاد پر تفتیش کو آگے بڑھا رہا تھا۔ میرے خیال میں اس سے فوری طور پر پوچھنے کے لیے کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ اگر آگے چل کر کوئی اہم بات سامنے آتی' تو اسے تھانے بلا کر پوچھ گچھ کی جا سکتی تھی' چنانچہ میں نے اسے جائے واردات پر مزید روکنا مناسب نہ سمجھا۔

''ٹھیک ہے' یوسف!'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''مجھے احساس ہے تم صبح سے خوار ہو رہے ہو' مجھے مزید جو کچھ پوچھنا ہو گا' میں دکان پر آ کر تم سے پوچھ لوں گا' اب تم جا سکتے ہو۔''

وہ مجھے سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ میں نے موقع پر موجود افراد میں سے تین چار کے بیانات لیے' جن میں ظہور حسین اور صداقت علی بھی شامل تھے۔ صداقت علی کے علاوہ سبھی نے عام اور رسمی سی معلومات فراہم کیں' مثلاً یہ کہ عارف اپنی بیوی سے بہت ڈرتا تھا۔ شاہدہ کے سامنے اس کی سٹی گم ہو جاتی تھی۔ شاہدہ حاکمانہ مزاج کی مالک ایک دھانسو قسم کی عورت تھی۔ اس نے شروع دن ہی سے عارف کو اس طرح دبایا تھا' کہ وہ اس کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ بلا چون و چرا وہ اپنی بیوی کے اشاروں پر ناچتا رہتا تھا' اسی لیے پورے قصبے میں مشہور تھا کہ عارف' شاہدہ کی بیوی ہے' اور شاہدہ' عارف کا شوہر۔

میں نے بڑے محتاط انداز میں شاہدہ کی بے وفائی کے بارے میں بھی سوالات کیے' لیکن صداقت علی کے سوا کوئی مقتول کی زندگی کے اس زاویے سے آگاہ نہیں تھا۔ صداقت

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی حیثیت بھی کسی چشم دید گواہ کی نہیں تھی‘ تاہم اسے یہ پختہ شک تھا‘ کہ شاہدہ کوئی بڑی گڑبڑ کر رہی ہے۔ ویسے بھی صداقت علی کی باتوں سے میں نے محسوس کیا‘ کہ دونوں کا ایک دوسرے کے گھر میں آنا جانا بھی تھا‘ لہٰذا میں اسے اسی کی بیٹھک میں لے کر بیٹھ گیا۔ مجھے امید تھی‘ صداقت سے کوئی ایسی بات ضرور معلوم ہو جائے گی‘ جو اس کیس کی گتھی کو سلجھانے میں معاون ثابت ہو۔

صداقت علی کے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے میں نے عارف کے گھر کو بند کر کے اس کے داخلی دروازے پر سرکاری تالا لگا دیا تھا۔ آس پڑوس والوں کو میں نے سختی سے ہدایت کر دی کہ جس کو بھی عارف دکھائی دے‘ وہ اسے سیدھا تھانے میں میرے پاس بھیج دے۔

صداقت علی نے میرے ”نہ نہ“ کرنے کے باوجود بھی‘ خاطر تواضع کے لیے اپنی گھر والی کلثوم کو احکام صادر کر دیئے۔ جب ہم بیٹھک میں ایک دوسرے کے رو برو بیٹھے‘ تو میں نے سنجیدہ لہجے میں اس سے پوچھا۔ ”صداقت علی! مجھے اس قصبے میں تعینات ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ میں نے تمہارے پڑوسی جوڑے کے بارے میں بڑی عجیب اور واہیات باتیں سنی ہیں۔ کیا عارف واقعی شاہدہ کے سامنے ایک زرخرید غلام بن جاتا تھا۔ لوگ اسے شاہدہ کی بیوی کیوں سمجھتے تھے۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی راز تو ضرور چھپا ہو گا؟“

صداقت علی نے ایک بوجھل سانس خارج کی‘ اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

”ملک صاحب! آپ سمجھ دار اور تجربہ کار آدمی ہیں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیوں کے مانند ہوتے ہیں‘ جو زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھانے میں قدم قدم پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں‘ مگر ان دونوں میں میاں بیوی والا اعتدال اور توازن نہیں تھا۔ ان کے رہن سہن اور باہمی برتاؤ کو دیکھ کر واقعی ایسا لگتا تھا‘ جیسے عارف‘ شاہدہ کی گھر والی ہو۔ میں نے زن مرید مرد بھی دیکھے ہیں‘ لیکن ان دونوں کا معاملہ تو حد سے بڑھا ہوا تھا۔ انتہائی بے ہودہ اور شرمناک۔“

”میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں صداقت علی!“ اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔

”ایسی کیا بات تھی‘ جو شاہدہ‘ عارف سے شوہروں والا سلوک کرتی تھی۔ عارف کی کس کمزوری نے اسے اپنی بیوی کی نظر میں چوہا بنا دیا تھا؟“

”میرے خیال میں جب کوئی شوہر اپنی بیوی کے سامنے چوہا بن جاتا ہے‘ تو اس کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔“ صداقت علی نے معنی خیز انداز میں کہا‘ اور خاموش نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

”ہوں۔“ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی‘ اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا......تو یہ معاملہ تھا؟“

”دیکھیں ملک صاحب!“ وہ بے حد سنجیدہ ہو گیا۔ ”مجھے اپنی قبر میں جانا ہے‘ اس لیے میں دعوے یا وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ کسی بھی انسان کی زندگی کا بہت نازک اور حساس پہلو ہوتا ہے‘ لیکن جب میاں بیوی کی عمروں میں آدھے سے زیادہ کا فرق ہو تو پھر لامحالہ اس نازک پہلو کی طرف دھیان جاتا ہے۔“

میں نے تھوڑی دیر پہلے شاہدہ کو مردہ حالت میں دیکھا تھا‘ اور اس کی عمر کا اندازہ پچیس چھبیس کے قریب لگایا تھا‘ اور آج سے چار سال پہلے یعنی شادی کے وقت وہ اکیس بائیس کی ہو گی۔ یہ تو اس تصویر کا ایک رخ تھا۔ دوسرا رخ یعنی عارف ابھی تک میری نگاہ میں نہیں آیا تھا۔ صداقت علی نے عمروں میں آدھے سے زیادہ فرق کی بات کی‘ تو میں چونک کر اس سے یہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ”عارف کی کیا عمر ہو گی؟“

”کم از کم پچپن سال۔“ اس نے تلخی سے بتایا۔

”اوہ......“ میں بے ساختہ ایک بوجھل سانس خارج کر کے رہ گیا۔

صداقت علی نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ملک صاحب! مجھے دیکھیں اس وقت میری عمر پچاس سال ہو چکی ہے‘ لیکن ابھی بھی ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہوں۔ انسان اگر اپنی صحت پر توجہ دے تو وہ جلدی بوڑھا نہیں ہوتا۔ عارف ہے تو پچپن سال کا‘ لیکن اپنی ”شان دار“ صحت کی بنا پر وہ پینسٹھ ستر کا دکھائی دیتا ہے‘ اور اگر شاہدہ سے اس کا موازنہ کیا جائے تو...... بڑی معذرت کے ساتھ کہوں گا‘ تھانے دار صاحب‘ ایک ساتھ چلتے ہوئے دونوں باپ بیٹی نظر آتے تھے۔“

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"صداقت علی! جیسا کہ تم نے بتایا ہے' شاہدہ کا تمہارے گھر میں' اور تمہاری بیوی کلثوم کا اس کے گھر میں آنا جانا تھا۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو گے کہ عورتوں کی گفتگو کا نوے فیصد حصہ دوسری عورتوں کے شوہروں کی ذات سے متعلق باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔"

"ملک صاحب! یہ بات تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "یہ اللہ کی بندیاں ایسا ہی کرتی ہیں۔"

"اگر یہ اللہ کی بندیاں ایسا ہی کرتی ہیں تو......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "پھر یقیناً کلثوم نے شاہدہ سے اس کے بوڑھے شوہر کے بارے میں بہت کچھ پوچھا ہوگا' اور مجھے لگ رہا ہے' شاہدہ نے کلثوم کے پوچھنے سے کچھ بڑھ کر ہی بتایا ہوگا' چونکہ ان دونوں کی شادی بے جوڑ تھی' اور لوگ دونوں کے خلافِ معمول رویوں کی بنا پر ان کے حوالے سے مختلف عجیب اور واہیات باتیں بھی کرتے تھے' لہٰذا میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شاہدہ نے عارف کی ذات سے متعلق بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز انکشافات کیے ہوں گے اور...... یہ ممکن نہیں کہ کلثوم نے وہ ساری باتیں تمہیں نہ بتائی ہوں؟"

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "جی ملک صاحب! گاہے بہ گاہے کچھ اس قسم کی باتیں مجھ تک پہنچتی رہتی تھیں' جن سے پتا چلتا تھا' شاہدہ اپنے شوہر سے خوش نہیں۔"

اسی لمحے میری خاطر مدارت کا سامان بیٹھک میں پہنچ گیا' چنانچہ چند منٹ کے لیے ہم اصل موضوع سے ہٹ کر کھانے پینے کی باتیں کرنے لگے۔ صداقت علی پیشے کے اعتبار سے ایک متوسط زمیں دار تھا۔ اس کے گھر' رہن سہن اور کھانے کے برتنوں سے ظاہر ہوتا تھا' وہ ایک مطمئن اور آسودہ شخص ہے۔ بات چیت اور سوچ وفکر کے لحاظ سے وہ ایک معقول آدمی ثابت ہو رہا تھا۔

چند منٹ کے توقف کے بعد ہم ایک مرتبہ پھر مقتول شاہدہ' اور اس کے بیوی نما شوہر عارف کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"صداقت! تم بتا رہے ہو' عارف پچپن کے پیٹے میں ہے۔ مجھے یہ بھی پتا چلا ہے

شاہدہ سے اس کی شادی صرف چار سال پہلے ہوئی تھی۔ کیا تمہیں معلوم ہے' اس نے اتنی تاخیر سے شادی کیوں کی' اور وہ بھی خود سے آدھی عمر کی ایک لڑکی سے۔"

"سب معلوم ہے ملک صاحب!" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ "سال ہا سال سے ہم ایک دوسرے کے پڑوس میں رہ رہے ہیں جناب۔ آپ نے جو سوال کیا ہے' اس کے دو حصے ہیں۔ میں ترتیب وار اس کا جواب دیتا ہوں۔ پہلے میں اس کی شادی میں تاخیر کا سبب بتاتا ہوں۔ جب عارف کی شادی کی عمر تھی' تو وہ اور اس کے ماں باپ لڑکیوں کو مسترد کرتے رہے۔ کوئی لڑکی اگر عارف کو پسند آ جاتی' تو اس کی ماں سلمٰی لڑکی میں کوئی نہ کوئی عیب تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی' اور اگر سلمٰی کی نظر کسی لڑکی پر ٹک جاتی تو عارف کسی حیلے بہانے سے اسے ناپسند کر دیتا۔ اس طرح عارف کی عمر آگے بڑھتی رہی۔ ان ماں بیٹے کا یہ وتیرہ دیکھ کر لوگ بھی محتاط ہو گئے' اور کنواری لڑکیوں کے والدین نے ایک طرح سے انہیں بلیک لسٹ قرار دے دیا' چنانچہ سلمٰی جہاں بھی عارف کے رشتے کی بات چلاتی' پہلے ہی قدم پر اسے منع کر دیا جاتا۔ اس عمل سے گزر کر عارف جوان سے ادھیڑ عمر ہو گیا۔ پھر جیسے ہی وہ پچاس اکیاون کا ہوا' سمجھیں کہ اس کی لاٹری کھل گئی......!" وہ لمحہ بھر کو سانس لینے کے لیے رکا' پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"یہ جو میں لاٹری والی بات بتا رہا ہوں نا' یہی آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا جواب ہے۔ اُدھر ملتان میں عارف کی ایک خالہ کنیز رہتی تھی' اور اس اللہ کی بندی کی بھی ایک ہی بیٹی تھی یعنی شاہدہ۔ جب کنیز کا وقتِ آخر قریب آ گیا' تو اس نے سلمٰی سے کہا۔ تمہارا بیٹا عارف ابھی تک کنوارا ہے' اور میں پتا نہیں' کس پل اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں' اگر میں مر گئی' تو شاہدہ دنیا میں اکیلی رہ جائے گی۔ کیوں نہ اس کی شادی عارف سے کر دی جائے۔ اس طرح میں بھی آرام سے مر سکوں گی...... یوں شاہدہ کی عارف سے شادی ہو گئی۔"

"ایک بات سمجھ نہیں آئی صداقت علی!" اس کے خاموش ہونے پر میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ "جب کنیز اپنے بھانجے سے اتنی ہی محبت کرتی تھی' تو بیٹی سے اس کی شادی کا خیال پہلے اس کے ذہن میں کیوں نہیں آیا؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''اس کی بھی دو وجوہات ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ایک وجہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں' اور وہ یہ کہ جب عارف اپنی جوانی کے عروج پر تھا..... تو اس وقت شاہدہ بے چاری پیدا ہوئی ہو گی۔ جب شاہدہ شادی کے قابل ہوئی تو عارف کا بڑھاپا شروع ہو گیا۔ یہ تو ہے ایک وجہ..... دوسری وجہ یہ ہے کہ عارف کی شادی سے کچھ عرصہ پہلے تک دونوں بہنوں یعنی کنیز اور سلمٰی میں شدید ترین اختلافات رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ سلمٰی یہاں یعنی ضلع جھنگ کے اس قصبے بخت پور میں اپنے بیٹے عارف کے ساتھ رہتی تھی' اور کنیز اُدھر ضلع ملتان کے ایک نواحی گاؤں حسین آباد میں اپنی بیٹی شاہدہ کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی' پھر جب کنیز شدید بیمار پڑی' اور اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی' تو اس نے اپنی موت کو یقینی دیکھتے ہوئے اپنی بہن سے رنجش کو ختم کر دیا۔ سلمٰی نے بھی کنیز کو معاف کر دیا۔ اس طرح دونوں ناراض بہنوں کی رنجش ختم ہوئی' جس کے نتیجے میں عارف کی شاہدہ سے شادی ہو گئی۔''

''بہت خوب!'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''یہ تو واقعی عارف کی لاٹری نکلی تھی۔''

''لاٹری تو تھی جناب!'' صداقت نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس لاٹری نے بعد میں عارف کا باجا بجا کے رکھ دیا۔ اسی باجے کی گونج میں وہ شاہدہ کی بیوی مشہور ہو گیا تھا۔''

میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ''اگر عارف دم خم والا شوہر ہوتا' تو یہی لاٹری اس کی شان و شوکت کے گراف کو کوہِ ہمالیہ سے بھی اوپر لے جاتی۔''

''یہ تو آپ بالکل درست فرما رہے ہیں ملک صاحب!'' صداقت علی تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''شاہدہ ایسی ہی زوردار اور ٹھسے والی عورت تھی' کہ جس کی بھی بیوی ہوتی' اس کا سر فخر سے بلند ہو جاتا۔''

میں نے کہا۔ ''صداقت علی! شاہدہ کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوائی جا چکی ہے' اور عارف کا ابھی تک کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں غائب ہے۔ یوسف حلوائی کے مطابق' اسے آج کہیں جانا تھا..... کہاں جانا تھا؟ یہ یوسف کو پتا ہے اور نہ ہی اور کوئی شخص

یہ بات جانتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عارف نے یوسف سے غلط بیانی کی ہو' اور وہ اپنے منصوبے کو مکمل کرنے کے بعد کہیں فرار ہو گیا ہو؟''

''کون سا منصوبہ ملک صاحب؟'' صداقت نے متذبذب انداز میں پوچھا۔

اس کے استفسار کے جواب میں' میں نے اسے ان معلومات سے آگاہ کر دیا' جو یوسف حلوائی نے مجھے فراہم کی تھیں۔ صداقت نے پوری توجہ اور انہماک سے میری بات سنی' اور میرے خاموش ہونے پر بولا۔

''ملک صاحب! یہ بات تو طے ہے' اور آپ بھی جانتے ہیں کہ شاہدہ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔ اگر یوسف نے عارف کے بیان کے حوالے سے کوئی جھوٹ نہیں بولا' تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عارف اپنی بیوی کو قتل کر کے خاموشی سے کہیں غائب ہو گیا ہے' اور ہمیں..... اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔''

''وہ واپس آئے یا نہ آئے۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''لیکن اگر وہ شاہدہ کو موت کے گھاٹ اتار کر فرار ہوا ہے' تو میں اسے پاتال سے بھی کھینچ کے لے آؤں گا' مگر اس سے پہلے ایک بات کا فیصلہ کرنا بہت ضروری ہے۔''

اس نے چونک کر میری جانب دیکھا اور پوچھا۔ ''کون سی بات ملک صاحب؟''

''یہ بات کہ آیا شاہدہ بے وفائی کا مرتکب ہو رہی تھی یا نہیں!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر ہم یوسف کی باتوں کو بنیاد بنا کر عارف کو شاہدہ کا قاتل گردانتے ہیں' تو پھر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شاہدہ چپکے چپکے اپنے شوہر کو دھوکا دے رہی تھی' اور عارف نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا..... مگر کس کے ساتھ پکڑ لیا تھا؟ یہ ایک سنگین سوال ہے۔'' میں نے لمحے بھر کو توقف کیا' اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس رنگین و سنگین سوال کے جواب تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تم میری مدد کرو گے' صداقت علی کیونکہ..... تمہیں بھی شاہدہ کی ذات کے حوالے سے کچھ اسی قسم کا شک تھا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟''

''آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں ملک صاحب!'' وہ بڑے رسان سے بولا۔

میں نے اضطراری انداز میں کہا۔ ''پھر حقیقت کیا ہے وہ بھی بتا دو؟''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! ایک بات کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ میری عادت دوسرے لوگوں سے بہت مختلف ہے۔ میں اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہوں۔ دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرنا مجھے بالکل پسند نہیں' اور ایسا ہی میں اپنے معاملات کے لیے دوسروں سے بھی چاہتا ہوں۔''

''یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا تو میں نے کہا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے عارف اور شاہدہ کے بارے میں بہت کچھ سنا' لیکن میں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ یوں سمجھیں کہ ایک کان سے سنا اور دوسرے سے نکال باہر کیا' مگر جو کچھ میرے دیکھنے میں آیا' میں اسے نظر انداز نہ کر سکا۔'' یہاں تک بتانے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی' اور سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

''ملک صاحب! بننا سنورنا عورت کا حق ہے' اور شادی شدہ عورت ظاہر ہے' اپنے شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کرتی' لیکن میرے پڑوس میں یعنی عارف کے گھر میں مجھے اس کے برعکس دیکھنے کو ملتا رہا ہے۔ شاہدہ' عارف کو تو اپنا شوہر ہی نہیں سمجھتی تھی' اس کی دل بستگی کے لیے آرائش و زیبائش تو بہت دور کی بات ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے کئی مرتبہ دیکھا کہ جب عارف گھر میں نہیں ہوتا تھا' تو شاہدہ خود کو سنوارنے کے لیے خصوصی اہتمام کرتی تھی' حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ شاہدہ کو قدرت نے ماشاء اللہ جو حسن و خوب صورتی عطا کر رکھی تھی' اس کے ہوتے ہوئے کسی سجاوٹ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ نے تو اسے مردہ حالت میں دیکھا ہے' اگر زندہ حالت میں اس کی ایک جھلک دیکھ لیتے' تو میری بات کو بہ خوبی سمجھ سکتے تھے۔''

''میں شاہدہ کی لاش کو ایک نظر دیکھ کر سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ اس کے لیے کسی وضاحت یا تفصیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے تھا' تو میں نے کہا۔ ''میں نے اپنے پیشہ وارانہ کیرئیر میں بہت سے زندہ لوگوں کو مردوں میں بدلتے ہوئے دیکھا ہے' اور بڑی اچھی طرح جانتا ہوں کہ...... موت زندگی پر حاوی ہونے کے بعد اس کی کون کون سی رونقیں چھین لیتی ہے بہرحال......'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد

صداقت علی کو اصل موضوع کی طرف لاتے ہوئے کہا۔ ''صداقت علی! بات کہیں سے کہیں چلی گئی۔ تم مجھے شاہدہ کی بے وفائی کے حوالے سے کچھ بتانے والے تھے؟''

''جناب! میں اسی طرف تو آ رہا تھا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''میں نے محسوس کیا تھا کہ شاہدہ کا بننا سنورنا عارف کے لیے ہرگز نہیں تھا۔ عارف کا کام ایسا تھا کہ اسے دکان دوپہر کے وقت کھولنی پڑتی تھی۔ آپ جانتے ہیں' تکے کباب کی دکان داری دوپہر سے شروع ہو کر رات گئے تک چلتی ہے' اور اس میں بھی شام کے بعد کا وقت بے حد مصروف ہوتا ہے' اور عموماً انہی اوقات میں شاہدہ کو بے وفائی کا موقع ملتا تھا۔''

''صداقت علی! تم میرے سوال کے جواب میں کچھ زیادہ ہی احتیاط سے کام لے رہے ہو۔ اس لیے اگر تم نے اپنی آنکھوں سے شاہدہ کی بے وفائی کا کوئی منظر دیکھا ہے' تو مجھے بتاؤ تا کہ میں اس کے قتل کے سلسلے میں اپنی تفتیش کو آگے بڑھا سکوں؟''

''جناب! میں نے اپنی آنکھوں سے تو کبھی کچھ نہیں دیکھا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ ''لیکن عارف کی غیر موجودگی میں اس کا خصوصاً بناؤ سنگھار اور نامحرم لوگوں کا اس کے گھر میں آنا...... بہت کچھ سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ جناب! ایک اور بات...... کئی بار یہ دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ جب عارف گھر میں نہیں ہوتا تھا' تو گاہے بگاہے دو افراد کا وہاں آنا جانا رہتا تھا۔ میں اس آمدورفت کو اچھا نہیں سمجھتا تھا' لیکن کبھی میں نے عارف کے گھریلو معاملات میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی...... اگر شاہدہ کے قتل جیسا سنگین واقعہ نہ ہوا ہوتا' اور ایک تھانہ انچارج کی حیثیت سے آپ مجھ سے تعاون کی بات نہ کرتے' تو شاید میں اب بھی زبان بند ہی رکھتا۔''

میں نے محسوس کیا کہ صداقت علی بنیادی طور پر ایک شریف النفس انسان تھا' اس لیے دوسروں کے معاملات میں بولتے ہوئے وہ کچھ زیادہ ہی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ میں نے اس کی تشفی کے لیے واضح الفاظ میں کہا۔

''میں تمہارے جذبات اور احساسات کو سمجھ رہا ہوں صداقت علی۔ مجھے بتاؤ' وہ دو نامحرم افراد کون ہیں' جو عارف کی غیر موجودگی میں اس کے گھر شاہدہ سے ملنے آیا کرتے تھے۔''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ان میں سے ایک تو یہی موٹا یوسف ہے' جو ابھی ابھی آپ سے اجازت لے کر گیا ہے۔" اس نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ "اور دوسرے شخص کا نام ہے...... داؤد!"

صداقت علی ایک کے بعد ایک چونکا دینے والا انکشاف کر رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر میں نے اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔ "تم یوسف حلوائی کی بات کر رہے ہو نا؟"

"جی ہاں...... بالکل!" وہ قطعیت سے بولا۔ "یہ یوسف حلوائی' عارف کا سوتیلا بھائی بھی ہے...... اور وہ جو دوسرا آدمی داؤد ہے نا...... وہ کوئی اچھا انسان نہیں۔ آپ اسے آوارہ' اوباش شخص سمجھ لیں۔"

میں حیرت اور الجھن کے ملے جلے تاثرات سے صداقت علی کو تکنے لگا۔ یوسف حلوائی کے حوالے سے اس نے ایک نئی بات کر دی تھی۔ اب تک یوسف سے میری ڈھیروں باتیں ہوئی تھیں' لیکن کسی بھی مرحلے پر اس نے یہ نہیں بتایا تھا' کہ وہ عارف کا سوتیلا بھائی ہے۔ اس کی تمام تر گفتگو سے یہی تاثر ابھرتا تھا' کہ ان دونوں میں اچھے اور خوش گوار دوستانہ تعلقات ہیں۔ رشتے داری کی طرف تو بھولے سے بھی دھیان نہیں گیا تھا۔

"کیا عارف اور یوسف واقعی سوتیلے بھائی ہیں؟" میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

وہ شاکی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "جناب! میں آپ سے غلط بیانی کیوں کروں گا۔ اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو آپ یوسف حلوائی سے خود پوچھ لیں۔"

"وہ تو جب بھی نظر آئے گا' میں اس سے پوچھ ہی لوں گا۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ یوسف نے کیوں نہیں بتایا مجھے کہ وہ عارف کو سوتیلا بھائی ہے؟"

"ممکن ہے' وہ اس ناخوش گوار موضوع کو زیر بحث نہ لانا چاہ رہا ہو۔"

"ناخوش گوار موضوع؟" میں نے الجھن زدہ نظر سے صداقت علی کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بتانے لگا۔ "جناب! بات دراصل یہ ہے کہ ماضی بعید میں

عارف کے باپ قاسم علی نے عارف کی ماں کو طلاق دے دی تھی۔ اس وقت عارف کی عمر یہی کوئی دس بارہ سال رہی ہوگی۔ سلمیٰ اور قاسم علی کے درمیان ایک بہت بڑے جھگڑے نے جنم لیا' اور اس جھگڑے کے نتیجے میں قاسم علی' سلمیٰ کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد قاسم علی نے فریدہ نامی ایک عورت سے شادی کر لی۔ یہ یوسف حلوائی اسی فریدہ کا بیٹا ہے۔ یوسف کی عمر چھ سات سال تھی' تو قاسم علی نے زلیخا نامی ایک خوب صورت عورت سے تیسری شادی کر لی۔ اس بات اس نے فریدہ (دوسری بیوی) کو اپنی زندگی سے خارج نہیں کیا تھا۔ کچھ عرصے تک تو فریدہ اپنی سوتن زلیخا کو برداشت کرتی رہی' اس کے بعد لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک نہ چل سکا' اور بالآخر فریدہ اپنے بیٹے کو لے کر قاسم سے علیحدہ ہو گئی۔ قاسم علی نے فریدہ کو طلاق نہیں دی تھی' اور نہ ہی فریدہ نے ایسا کوئی مطالبہ کیا تھا۔ ان تمام کرداروں میں سے اب کوئی بھی زندہ نہیں ہے' بس عارف اور یوسف بچے ہیں' جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے' کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں داخل ہو چکے ہیں۔"

"اوہ......!" میں نے ایک گہری سانس خارج کی' اور آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "خاصی دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی ہے...... کیا زلیخا نامی اس عورت سے بھی قاسم علی کی کوئی اولاد پیدا ہوئی تھی؟"

"نہیں۔" صداقت علی نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔

میں نے دوسرے مشکوک بندے کے بارے میں اس سے پوچھا۔ "اور یہ داؤد کون ہے؟"

"داؤد بھی اسی قصبے ہی میں رہتا ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے ملک صاحب! داؤد ایک آوارہ شخص ہے۔ کوئی خاص کام دھندا نہیں کرتا۔ آپ اسے ایک سڑک چھاپ غنڈا سمجھ لیں۔ اپنے سے کمزور لوگوں پر رعب ڈال کر غنڈا ٹیکس وصول کرتا ہے۔ مار پیٹ اور چوری چکاری کے کاموں میں بھی ملوث رہتا ہے۔ ایک آدھ بار مختصر مدت کے لیے جیل بھی جا چکا ہے۔"

میں گہری سوچ میں پڑ گیا' پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یوسف کے لیے تو اس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حوالے سے تھوڑی بہت رعایت نکالی جا سکتی ہے کہ وہ عارف کا سوتیلا بھائی ہے۔ عارف کی موجودگی میں وہ اگر اس کے گھر میں آتا جاتا نظر آیا ہے' تو یہ کوئی اتنی معیوب بات نہیں' لیکن داؤد جیسے ایک مستند غنڈے کی وہاں آمدورفت قابلِ غور ہے۔ میں موجودہ حالات میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عارف نے اپنی بیوی کے حوالے سے یوسف حلوائی کو جو کچھ بتایا تھا' وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ شاہدہ کا قتل اور عارف کی روپوشی بھی' اسی جانب اشارہ کر رہی ہے۔''

''آپ کا کہنا برحق ملک صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''شاہدہ کے طور طریقے بڑے خطرناک تھے' خاص طور پر عارف کی غیر موجودگی میں اس کا انداز ہی بدل جاتا تھا' اس پر داؤد کا گھر میں آنا' واقعی ان حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے' جن کا تھوڑی دیر پہلے آپ نے ذکر کیا ہے' لیکن میرے خیال میں یوسف حلوائی کو بھی کوئی رعایت نہیں ملنی چاہیے۔ بہرحال' وہ بھی تو شاہدہ کے لیے نامحرم ہی ہے نا' عارف کی غیر موجودگی میں' چوری چھپے شاہدہ سے ملنے کے لیے اس کا آنا جانا نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''میں نے یوسف کو نظر انداز کرنے کی بات نہیں کی صداقت علی!'' میں نے جلدی سے کہا۔

''اس سے تو میں بڑی سخت پوچھ گچھ کروں گا۔ تم فکر نہ کرو' انصاف کے تقاضے پورے کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔''

وہ گہری فکرمندی سے بولا۔ ''ملک صاحب! حالات و واقعات تو یہی بتاتے ہیں کہ عارف' شاہدہ کو قتل کر کے کہیں فرار ہو گیا ہے۔ آپ اسے کیسے تلاش کریں گے؟''

''میں سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہوں گا کہ وہ بخت پور سے باہر اور کہاں کہاں جا سکتا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''اس کے رشتے دار یا دوست یار کن کن علاقوں میں رہتے ہیں؟''

''میری معلومات کے مطابق' عارف کی صرف ایک ہی رشتے دار باقی بچی تھی' یعنی شاہدہ! اب وہ بھی زندہ نہیں رہی۔ یہی احوال اس کے یار دوستوں کا بھی ہے۔ میں نے

اسے کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا' اور نہ ہی ان کے گھر میں مہمانوں وغیرہ کی آمدورفت ہوتی تھی' لہٰذا اس سلسلے میں' میں تو آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا جناب!'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے رکا' پھر معتدل لہجے میں بولا۔ ''اس سلسلے میں ہو سکتا ہے' یوسف حلوائی آپ کی کوئی مدد کر دے۔''

''میں اسے ضرور چیک کروں گا۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ ''لاش پوسٹ مارٹم کے بعد کل واپس آ جائے گی۔ شاہدہ کا وارث تو عارف ہی تھا' لیکن وہ منظر سے غائب ہو گیا ہے۔ یوسف کے مطابق' اگر واقعی وہ کسی کام سے کہیں گیا ہے تو شام تک اسے واپس آ جانا چاہیے۔ اگر وہ واپس آ جاتا ہے' تو اچھی بات ہے' میں شاہدہ کی لاش اس کے حوالے کر دوں گا' بہ شرطیکہ وہ شاہدہ کے قتل میں ملوث نہ پایا گیا...... لیکن اگر اس کی واپسی نہیں ہوتی' تو ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا!''

''دیکھیں جناب!''

وہ بڑے رسان سے بولا۔

''اگر تو عارف' شاہدہ کو قتل کر کے فرار ہوا ہے' تو اس کی واپسی کی امید نہ رکھیں...... بس سمجھیں' وہ گیا ہاتھ سے۔''

''وہ ہاتھ سے تو نہیں جاتا صداقت علی!''

میں نے ٹھوس لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے' اُدھر ملتان میں شاہدہ کے دیگر رشتے دار بھی ہیں؟ اگر آج شام تک عارف واپس نہیں آتا' تو کل صبح کسی بندے کو ملتان بھیج کر شاہدہ کے رشتے داروں کو اس اندوہ ناک واقعے کی خبر تو دینی ہوگی نا۔''

وہ شکست خوردہ انداز میں گردن کو دائیں بائیں حرکت دیتے ہوئے بولا۔ ''نہیں جناب! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''یہ سوال مجھے یوسف حلوائی ہی سے پوچھنا پڑے گا۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

صداقت علی خاموش نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں مزید دو چار سوالات کے بعد اس کے گھر سے باہر نکل آیا۔ واپسی کے سفر میں‘ میں اکیلا ہی تھانے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میرے ساتھ جائے وقوعہ کی طرف آنے والوں میں سے حوالدار نصیر شاہ کو میں نے شاہدہ کی لاش کے ہمراہ سرکاری اسپتال بھجوا دیا تھا‘ اور یوسف حلوائی بھی مجھ سے اجازت لے کر رخصت ہو گیا تھا۔ جب یوسف‘ عارف کے گھر سے جا رہا تھا‘ تو میرا اندازہ یہی تھا کہ اس سے مزید کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں‘ لیکن حالات میں اچانک ایک بہت بڑی تبدیلی آ گئی تھی‘ اور میرے خیال میں‘ اب یوسف سے پوچھنے کے لیے بہت کچھ جمع ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے داؤد کو تھانے بلا کر اس کا شاندار ’’انٹرویو‘‘ بھی کرنا تھا۔

میں اسی لائحۂ عمل کو ترتیب دیتے ہوئے تھانے پہنچ گیا۔



جیسا کہ میں نے بتایا ہے ضلع جھنگ کے نواح میں واقع بخت پور نامی یہ قصبہ خاصا گنجان آباد تھا‘ اور مجھے اس تھانے میں تعینات ہوئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے‘ یہی وجہ تھی کہ میں قصبے کے معاملات اور تمام لوگوں سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکا تھا‘ چنانچہ نئی نئی باتیں سامنے آ رہی تھیں۔ بہرحال‘ کوئی بھی بات ہمیشہ نئی نہیں رہتی‘ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پرانی ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں کو میرے لیے اور مجھے ان کے لیے پرانا ہو جانا تھا۔ یہی حقیقت ہے اور دستورِ زمانہ بھی۔

دوپہر کے بعد میں نے حیدر علی نامی کانسٹیبل کو اپنے پاس بلایا‘ اور اس سے داؤد کے بارے میں مختلف سوالات کیے۔ حیدر علی اسی قصبے کا رہنے والا تھا‘ اور میں نے اسے خاصا ہوشیار قسم کا بندہ پایا تھا۔ اس نے میرے سوالات کے جوابات میں ان باتوں کی تصدیق کر دی‘ جو صداقت علی نے مجھے داؤد کے حوالے سے بتائی تھیں‘ تاہم حیدر علی اس بات سے واقف نہیں تھا کہ داؤد کا عارف کے گھر میں آنا جانا تھا۔ میں نے خصوصی ہدایات کے ساتھ حیدر علی کو داؤد کی جانب روانہ کر دیا۔ اسے داؤد کو بڑے طریقے سلیقے سے گھیر کر اپنے ساتھ تھانے لانا تھا۔ ساتھ ہی یوسف حلوائی کو بھی یہ پیغام دینا تھا‘ کہ مجھ سے تھانے آ کر ملے۔

وہ احکام کی تعمیل کا یقین دلا کر میرے کمرے سے رخصت ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد حوالدار نصیر شاہ اسپتال سے واپس آ گیا‘ پھر ہمارے درمیان تازہ ترین حالات پر گفتگو ہونے لگی۔ نصیر شاہ ایک سمجھدار اور تجربہ کار حوالدار تھا۔ میں نے اسے ان باتوں سے آگاہ کیا‘ جو صداقت علی نے مجھے بتائی تھیں۔ داؤد کے بارے میں‘

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نصیر شاہ کی رائے بھی اچھی نہیں تھی۔ وہ اس کی بدمعاشیوں اور بدقماشیوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''شاہ جی! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی' آپ داؤد کے کالے کرتوت سے اچھی طرح آ گاہ ہیں' اور ابھی تک اس کے خلاف سخت قسم کی کارروائی کیوں نہیں کی گئی۔''

''اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو چکی ہے جناب!'' حوالدار نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ ''وہ جیل بھی کاٹ چکا ہے۔''

''میں اس کی جیل یاترا کے بارے میں سن چکا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس قسم کی چھوٹی موٹی سزاؤں سے داؤد جیسے لوگوں کا ''بھلا'' نہیں ہوتا۔ انہیں یا تو کہیں لمبا ہی فٹ کرنا پڑتا ہے' یا پھر گاہے بہ گاہے' خاطر مدارت کے لیے تھانے بلاتے رہنا چاہیے۔''

''کہتے تو آپ بالکل ٹھیک ہیں جناب!'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن داؤد جیسے غنڈوں کے معاملے میں ایک مسئلہ ہمیشہ رہتا ہے۔''

''کیسا مسئلہ؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ملک صاحب! یہ جو داؤد ہے نا...... یہ بہت سوچ سمجھ کر کارروائی کرتا ہے۔ اپنے برابر کے یا زیادہ طاقت ور لوگوں پر اس نے کبھی ہاتھ نہیں ڈالا' ہمیشہ کمزور افراد کو نشانہ بناتا ہے...... کمزور آدمی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ظلم و زیادتی برداشت کرنے کا بڑا حوصلہ ہوتا ہے' لہٰذا وہ ظالم کی شکایت لے کر کسی صاحب اختیار آدمی کے پاس نہیں پہنچتا' اور...... آپ جانتے ہیں ملک صاحب! جب تک کسی شخص کے خلاف ہمارے پاس کوئی رپورٹ نہ آئے' ہم کارروائی نہ کرنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔''

''یہ مجبوری اپنی جگہ......'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''لیکن داؤد جیسے غنڈوں سے نمٹنے کے لیے پولیس کے پاس' اور بھی کئی راستے ہوتے ہیں۔ اگر ایک تھانہ انچارج داؤد جیسے لوگوں کے سامنے بے بس ہو جائے' تو پھر ہو گئی تھانے داری......؟''

میں نے حوالدار نصیر شاہ کو یہ بتا دیا تھا کہ داؤد کو یہاں بلانے کے لیے کانسٹیبل حیدر

علی روانہ ہو چکا ہے۔ ہمارے درمیان اس موضوع پر گفتگو آگے بڑھی' تو حوالدار نے کہا۔

''ملک صاحب! اگر یوسف حلوائی کا بیان درست نکلا' تو ہمارے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی۔''

میں نے اس کی بات سمجھنے کے باوجود بھی پوچھا۔ ''کس قسم کی مشکل شاہ جی؟''

''دیکھیں جناب!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اگر عارف کی یوسف سے کہی ہوئی یہ بات سچ نکلتی ہے کہ شاہدہ بے وفائی کی مرتکب ہو رہی تھی' تو اس امر کے قوی امکانات ہیں' عارف ہی نے شاہدہ کو قتل کیا ہو گا۔ اس صورت میں عارف کی واپسی مشکوک ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں شاہدہ کی لاش کا کیا ہو گا' کس کے حوالے کریں گے لاش کو ہم' یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی؟''

میں نے نصیر شاہ کو صداقت علی سے ہونے والی بات چیت کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ اس میں شاہدہ کی بے وفائی کے حوالے سے داؤد اور یوسف حلوائی کا خصوصاً ذکر کیا' اور آخر میں ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یوسف حلوائی' صداقت علی اور شاہ جی...... آپ سمیت' سب کا یہی خیال ہے کہ اگر عارف نے شاہدہ کو قتل کیا ہے' تو وہ پلٹ کر بخت پور میں قدم نہیں رکھے گا۔ ٹھیک ہے' حالات و واقعات کی روشنی میں اس بات کے امکانات تو ہیں کہ عارف نے شاہدہ کی بے وفائی پر اسے قتل کر دیا ہو' لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے' حقیقت اس کے برعکس ہو۔ عارف کا شاہدہ کے قتل سے کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ واقعی کسی کام سے کہیں گیا ہو۔ ہمیں اس واقعے کے اس زاویے کو یکسر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔''

''اللہ کرے! ایسا ہی ہو ملک صاحب!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''شاہ جی! شاہدہ قتل ہو گئی' اور اس کا شوہر متوقع قاتل عارف منظر سے غائب ہے۔ ان دونوں کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں رہتا تھا' اس لیے میں نے اس گھر پر سرکاری تالا لگوا دیا ہے' لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ جب تک اس کیس کا اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ جاتا' عارف کے گھر کی نگرانی بہت ضروری ہے' خصوصاً رات کے وقت۔ اس قسم کے بند گھر چوروں اور ڈکیتوں کی دلچسپی کا خصوصی مرکز بن جاتے ہیں۔ اس گھر پر جو

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قیامت ٹوٹی ہے' سو ٹوٹی ہے...... کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا ہی کوئی مہم جُو چور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں صفایا ہی نہ کر دے' لہٰذا کسی چالاک قسم کے کانسٹیبل کی وہاں ڈیوٹی لازمی ہے۔''

''ہمارے تھانے میں ایک ایسا کانسٹیبل ہے جناب' جو راتوں کو جاگنے کا بڑا ماہر ہے۔'' نصیر شاہ نے بتایا۔ ''عارف کے گھر پر اسی کی ڈیوٹی لگا دیتے ہیں!''

''ٹھیک ہے بلائیں اس کانسٹیبل کو۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد کانسٹیبل وسیم میرے سامنے حاضر تھا۔ میں نے سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک صحت مند اور چاق چوبند شخص تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سنا ہے' تم راتوں کو جاگنے کے بہت ماہر ہو؟''

''بس جی! اپنی اپنی عادت کی بات ہوتی ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''کچھ لوگ رات کو جلدی سو جاتے ہیں' اور کچھ لوگوں کو دیر سے نیند آتی ہے۔ میں کبھی بھی آدھی رات سے پہلے نہیں سویا' اور اگر کوئی دلچسپی مصروفیت ہو تو پوری رات جاگ کر بھی گزار سکتا ہوں۔''

''پھر اگلے روز تمہیں نیند آتی ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں جناب!'' اس نے جواب دیا۔ ''بس دن میں ایک دو گھنٹے آرام کے لیے مل جائیں تو گزارہ ہو جاتا ہے۔''

''بس تو ٹھیک ہے!'' میں نے نہایت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں اسے عارف کے گھر کی خفیہ نگرانی کے بارے میں بتایا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی' اور آخر میں کہا۔ ''ٹھیک ہے ملک صاحب! میں ابھی اُدھر روانہ ہو جاتا ہوں۔'' وہ فرماں برداری سے بولا۔ ''انشاء اللہ! آپ کو میرے کام سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''وسیم!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس نگرانی کے دوران اگر تمہیں کوئی بھی غیر معمولی بات نظر آئے' تو فوراً ایکشن میں آ جانا' اور اس واقعے کی اطلاع دینے میں کسی قسم کی تاخیر سے کام نہیں لینا۔'' میں نے لمحے بھر کو توقف کیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور اگر تمہیں کسی بھی وقت' کہیں بھی عارف کی شکل نظر آئے' تو اسے پہلی فرصت میں پکڑ

کر میرے پاس لے آنا۔''

''آپ فکر نہ کریں جناب!'' وہ یقین دہانی کروانے والے انداز میں بولا۔ ''میں سمجھ گیا ہوں' مجھے وہاں کس نوعیت کی ڈیوٹی کرنی ہوگی۔''

وسیم کے جانے کے بعد' میں دوبارہ حوالدار نصیر شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا' اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''شاہ جی! آپ ذرا یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اُدھر ملتان میں شاہدہ کا کوئی والی وارث ہے یا نہیں۔ میں نے یہاں کے لوگوں سے اب تک جو بھی پوچھ تاچھ کی ہے' اس کے مطابق تو عارف اور شاہدہ کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں۔''

''معلومات تو میری بھی یہی ہیں ملک صاحب!'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''لیکن پھر بھی میں ٹرائی کر کے دیکھتا ہوں۔''

اسی وقت کانسٹیبل حیدر علی واپس آ گیا۔ وہ ''خالی ہاتھ'' لوٹا تھا۔

''کیا بات ہے حیدر علی! تم جن لوگوں کو لینے گئے تھے وہ کہاں ہیں؟''

شاید میں ایک بات کا ذکر کرنا بھول گیا۔ جب میں نے حیدر علی کو داؤد کو لانے کے لیے روانہ کیا تھا تو ساتھ یہ بھی کہہ دیا تھا' اُدھر مین بازار میں یوسف حلوائی سے بھی کہتا جائے کہ وہ فوراً تھانے آ کر مجھ سے ملے۔ ''لوگوں'' سے میری مراد یہی داؤد اور یوسف حلوائی ہی تھے۔

حیدر علی نے بڑی رسانیت سے جواب دیا۔ ''ملک صاحب! میں آپ کی ہدایت کے مطابق پہلے مین بازار میں یوسف کے پاس ہی گیا تھا' اور اسے آپ کا حکم سنا دیا تھا۔''

''پھر اس نے کیا کہا؟'' میں نے حیدر علی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔

''وہ کہہ رہا تھا' بس میں ابھی پانچ منٹ میں تھانے پہنچتا ہوں۔''

''اس کے یہ پانچ منٹ کتنے لمبے ہیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اب تو اس بات کو پون گھنٹہ ہونے کو آ رہا ہے' اور وہ یہاں نہیں پہنچا۔''

''جناب! اگر آپ کا حکم ہو تو میں دوبارہ اس کی طرف جاتا ہوں' اور اسے کان سے پکڑ کر لاتا ہوں۔'' حیدر علی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہاں! اس کے ساتھ تو یہی سلوک کرنا پڑے گا۔" میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ "اور...... اس داؤد کی کیا رپورٹ ہے؟"

"داؤد اس وقت بخت پور میں موجود نہیں جناب!" وہ حتمی انداز میں بولا۔

"بخت پور میں موجود نہیں تو کہاں چلا گیا؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

حیدر علی نے بتایا۔ "میں نے اس کے بارے میں مختلف لوگوں سے پوچھا ہے' اس کے گھر والوں سے بھی بات کی ہے۔ پتا چلا ہے' وہ آج صبح چک عمر گیا ہے' اور اس کی واپسی کل کسی وقت ہو گی۔"

چک عمر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا' اور بخت پور کے مغرب میں تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس داؤد کم بخت کو بھی آج ہی چک عمر جانا تھا۔ میرے ذہن میں فوری طور پر یہی سوال اُبھرا کہ کہیں داؤد کسی خاص پلاننگ کے تحت تو بخت پور سے غائب نہیں ہوا۔ اس کا غائب ہونا' موجودہ صورتِ حال میں اس جانب اشارہ کرتا تھا' کہ شاہدہ کے قتل سے اس کا کوئی نہ کوئی تعلق ہو سکتا ہے...... بلاواسطہ یا بالواسطہ۔ اس کے "انٹرویو" کے لیے مجھے کل تک انتظار کرنا تھا' یا پھر فوری طور پر چک عمر جا کر اس کی گردن پکڑنی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے یوسف حلوائی کو چیک کر لوں۔ اس کے بعد داؤد کی طرف رخ کروں گا۔

میں نے حیدر علی سے کہا۔ "تم جاؤ...... اور یوسف حلوائی کو کان سے پکڑ کر لے آؤ!"

وہ "اچھا جناب!" کہتے ہوئے رخصت ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد حوالدار نصیر شاہ نے کہا۔ "ملک صاحب! شاہدہ کی لاش کو تو یوسف حلوائی کے سپرد بھی کیا جا سکتا ہے۔ وہ عارف کا سوتیلا بھائی ہے۔ اس حوالے سے وہ شاہدہ کا بھی رشتے دار ہی ہوا۔"

"یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے میں یوسف حلوائی کو کاسٹک سوڈے سے دھونا چاہتا ہوں۔"

"آپ اس کی صفائی دھلائی ضرور کریں جناب! حیدر علی ابھی اسے کان سے پکڑ کر لانے والا ہے۔" حوالدار نے کہا۔ "میں بھی اس کام میں مصروف ہو جاتا ہوں' جو آپ نے مجھے سونپا ہے۔"

"بالکل...... بالکل۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "نیک کام میں تاخیر اچھی نہیں ہوتی۔"

حوالدار نصیر شاہ کو میرے کمرے سے رخصت ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی ہوئے تھے کہ حیدر علی' یوسف حلوائی کے ساتھ حاضر ہو گیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا' تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ملک صاحب! یوسف مجھے راستے ہی میں مل گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ اِدھر ہی آ رہا تھا' تو میں اسے کان سے پکڑے بغیر ہی سیدھا آپ کے پاس لے آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' حیدر علی! تم جاؤ۔" میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

میرے اشارے پر یوسف حلوائی چوبی بنچ پر بیٹھ گیا' اور الجھن زدہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"یوسف! تم تو صرف پانچ منٹ میں میرے پاس آنے والے تھے' اور اب ایک گھنٹے سے بھی زیادہ گزر گیا ہے۔ کیا تمہارے پانچ منٹ اتنے طویل ہوتے ہیں۔"

منت آمیز لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے اس نے بتایا۔ "وہ بس جناب! نکلتے نکلتے دیر ہو گئی۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔"

"دیر سے آنے کی معافی تو تمہیں مل جائے گی' یوسف لیکن......" میں نے معنی خیز انداز میں جملہ نامکمل چھوڑا تو اس نے جلدی سے پوچھا۔

"لل...... لیکن تھانے دار صاحب۔"

"لیکن یہ کہ تم نے جو غلط بیانی کی ہے...... بلکہ جس طرح حقیقت کو چھپایا ہے' اس جرم کی معافی ملنی آسان نہیں!"

"جناب...... میں نے کس حقیقت کو چھپایا ہے؟" وہ متذبذب انداز میں بولا۔

میں نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔ "یوسف! کیا تم عارف کے سوتیلے بھائی ہو؟"

"نن...... ہاں......" وہ گڑبڑا گیا۔ "جی ہاں...... بالکل بالکل......"

اس کے تاثرات اور فوری ردِ عمل سے یہی ظاہر ہوتا تھا' کہ اسے مجھ سے اس سوال

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کی توقع نہیں تھی۔ میں نے اس کی بوکھلاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے استفسار کیا۔ ''یہ حقیقت تم نے مجھ سے کیوں چھپائی؟...... جانتے ہو' کسی اہم بات کو چھپانا بھی غلط بیانی ہی کے زمرے میں آتا ہے؟''

''وہ تو ٹھیک ہے جناب!'' وہ گھبراہٹ آمیز انداز میں بولا۔ ''مجھے کیا پتا تھا' آپ کو یہ بات معلوم نہیں۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ آپ یہاں کے تھانے دار ہیں۔ آپ سب کے بارے میں تفصیل سے جانتے ہوں گے۔''

''سب کی تفصیل تو میں بعد میں جمع کروں گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''ابھی تو مجھے صرف تمہارے بارے میں کچھ خطرناک نوعیت کی خبریں ملی ہیں' پہلے ان کی پوچھ پڑتال کرلوں' باقی کو بعد میں دیکھیں گے۔''

''جناب......!'' اس کے چہرے پر خوف و ہراس کے تاثرات ابھر آئے' سرسراتی ہوئی آواز میں اس نے استفسار کیا۔ ''مم...... میں نے کیا کیا ہے......؟''

میں فوری طور پر اندازہ قائم نہ کرسکا کہ اس کا خوف اور گھبراہٹ مصنوعی تھے' یا واقعی وہ یہ بات سن کر ڈر گیا تھا' بہرحال وہ ڈرا سہا ہوا نظر آرہا تھا۔ میں نے بدستور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں یاد ہے نا...... عارف نے اپنی بیوی شاہدہ کے حوالے سے چند روز پہلے تم سے کیا کہا تھا؟''

''جی ہاں...... جی ہاں۔'' وہ بڑی سرعت سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ وہی شاہدہ کی بے وفائی والی بات کررہے ہیں نا؟''

''ہاں! میرا اشارہ اسی طرف ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تمہارے مطابق' عارف کا کہنا یہ تھا کہ اس نے جیسے ہی شاہدہ کی ''چوری'' پکڑ لی' وہ اسے قتل کردے گا اور پھر...... جب شاہدہ قتل کردی گئی' تو تم نے یہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ شاید عارف نے شاہدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہے۔ تبھی وہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد غائب ہوگیا ہے۔'' میں نے لمحے بھر کو توقف کرکے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے صبح جب تم سے پوچھا کہ وہ شخص کون ہو سکتا ہے' جس نے بے وفائی میں شاہدہ کا ساتھ دیا تو تم کوئی جواب دینے سے قاصر رہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟''

''جج...... جی...... بالکل!'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''واقعی' مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں جناب! آپ کہیں گے تو میں بڑی سے بڑی قسم بھی اٹھالوں گا۔''

''تمہیں چھوٹی یا بڑی قسم اٹھانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں یوسف!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''کیونکہ میں نے ایسے دو افراد کا سراغ لگا لیا ہے' جو عارف کی غیر موجودگی میں چوری چھپے شاہدہ سے ملنے اس کے گھر جایا کرتے تھے۔''

''اچھا جی!'' اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ''وہ دونوں کون ہیں جناب؟''

''ایک کا نام تو داؤد ہے۔'' میں نے بتایا۔

''اور دوسرا......!'' وہ متذبذب انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ ''اور دوسرا کون ہے جناب؟''

''دوسرا بندہ اس وقت میرے سامنے بیٹھا ہے۔'' میں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

''مم...... میں......؟'' وہ ہراساں نظروں سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں! تم' یوسف!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے پتا چلا ہے' تم بھی عارف کی غیر موجودگی میں شاہدہ سے ملنے جایا کرتے تھے۔''

''یہ بالکل غلط ہے جناب!'' وہ قدرے احتجاجی انداز میں بولا۔ ''آپ کو میرے بارے میں ایسی اطلاع کس نے دی ہے؟''

''تم اطلاع کنندہ کی کھوج میں نہ پڑو۔'' میں نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتاؤ! تم عارف کے غیاب میں شاہدہ سے ملنے جاتے تھے یا نہیں؟''

وہ قدرے سنبھلے ہوئے انداز میں بولا۔ ''جناب! عارف کے بھیجنے پر ایک آدھ بار گیا ہوں' لیکن ابھی ہم جس حوالے سے بات کررہے ہیں' اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عارف میرا سوتیلا بھائی ہونے کے علاوہ میرا گہرا دوست بھی ہے۔ میں اس کے گھر پر بُری نظر کیسے ڈال سکتا ہوں۔ یقیناً کسی نے میرے بارے میں آپ سے غلط بیانی کی ہے۔ بتائیں جناب! وہ شخص کون ہے جس نے میرا نام لیا ہے؟''

میں نے یوسف کے سوال کو نظر انداز کردیا اور پوچھا۔ ''یہ بتاؤ! عارف نے ایک

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آدھ بار تمہیں اپنی غیر موجودگی میں گھر کیوں بھیجا تھا؟''

''وہ جناب! بات دراصل یہ ہے کہ......'' وہ میرے سوال کے جواب میں بولا۔

''دو چار مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مجھے کسی کام سے اپنے گھر جانا پڑا۔ جب میں دکان عارف کے حوالے کر کے جانے لگا' تو اس نے پوچھا۔ آج کون سا تازہ آئٹم بنایا ہے۔ میں اسے تازہ بننے والی مٹھائی کا نام بتا دیتا اور وہ کہتا۔ تم گھر تو جا ہی رہے ہو' ذرا میرے گھر تک بھی ہو آنا' اور جو تازہ مٹھائی بنی ہے' ایک سیر شاہدہ کو دے آنا۔ تمہاری بھابی کو مٹھائی بہت پسند ہے۔ میں بلا جھجک اس کی فرمائش پوری کر دیتا۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''بس! اتنی ہی بات ہے جناب! میں دو چار مرتبہ مٹھائی دینے عارف کی غیر موجودگی میں' مگر اس کے کہنے پر وہاں گیا ہوں۔ تھوڑی دیر گھر میں بیٹھا ہوں گا' اور پھر واپس آ گیا......داؤد تو ایک لچا لفنگا شخص ہے۔ اس سے کسی بھی برائی کی توقع کی جا سکتی ہے' لیکن جس کسی نے بھی مجھے اس معاملے میں ملوث کرنے کی کوشش کی ہے' وہ مجھ سے دشمنی کر رہا ہے جناب! میں بیوی بچوں والا ہوں۔ ایسی نازیبا حرکت کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا...... میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس شخص کا نام بتا دیں' جس نے آپ کو میرے خلاف بھڑکایا ہے؟''

بات ختم کرتے کرتے اس کا لہجہ خاصا جذباتی بلکہ جارحانہ ہو گیا تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''یوسف! تمہاری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔ تم عارف کی بیوی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' اور کسی غلط مقصد سے کبھی اس کے گھر نہیں گئے' تمہارے لیے بس یہی کافی ہونا چاہیے۔ تم اس فکر میں خود کو دبلا نہ کرو کہ مجھے تمہارے بارے میں کس نے بتایا۔''

''پھر بھی ملک صاحب! پتا تو چلے' وہ میرا چھپا ہوا دشمن آخر ہے کون؟'' اس کے انداز میں اچھا خاصا اصرار پایا جاتا تھا۔

میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔

''وقت آنے پر میں اس شخص کا نام ظاہر کر دوں گا۔'' پھر شاکی نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''یوسف! تم سے ایک بڑی سنگین غلطی ہوئی ہے' اگر

تم نے وہ غلطی نہیں کی ہوتی تو مجھے یقین ہے' شاہدہ یوں قتل نہیں کی جاتی۔ میں حالات کو بڑی خوب صورتی سے کنٹرول کر سکتا تھا۔''

''میں نے کون سی غلطی کی ہے ملک صاحب؟'' وہ حیرانی سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جب عارف نے تم سے شاہدہ کے قتل کے حوالے سے وہ خطرناک گفتگو کی تھی' تمہیں اسی وقت آ کر مجھے بتانا چاہیے تھا' کہ اپنی بیوی کے حوالے سے عارف کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں؟''

''جناب! سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے عارف کی بات کا یقین ہی نہیں آیا تھا۔''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''میں یہی سمجھا کہ وہ غصے میں ایسا کہہ رہا ہے۔ اس کا شاہدہ پر کتنا کنٹرول تھا' یہ تو پورا قصبہ جانتا تھا۔ عارف سے ایسی کسی سنگین جرأت اور بہادری کی کسی کو توقع نہیں تھی' لیکن شاہدہ کے قتل کے بعد تو یہی لگتا ہے کہ اس نے زندگی میں ایک بار ہمت کا مظاہرہ کر کے دکھا ہی دیا۔ بہرحال......''

وہ قدرے شرمندگی سے بولا۔

''اب مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے ملک صاحب......کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے عارف کے عزائم کو اتنی غیر سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے تھا۔ اگر میں اسی وقت آپ کو اس کے خطرناک ارادے سے آگاہ کر دیتا' تو آج یقیناً صورتِ حال مختلف ہوتی!''

یوسف حلوائی کی سنجیدگی اور جذباتیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس واردات میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ صداقت علی نے مقتول کے گھر میں اس کے آنے جانے کی بنا پر اسے بھی داؤد کے برابر لا کھڑا کیا تھا۔ میں نے گفتگو کے زاویے کو تبدیل کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''یوسف! کل اسپتال سے شاہدہ کی لاش آ جائے گی۔ اگر اس وقت تک عارف کا کچھ پتا نہیں چلا' تو شاہدہ کی لاش کو کس کے حوالے کیا جائے؟ مجھے پتا چلا ہے' ان دونوں کا اس دنیا میں کوئی عزیز رشتے دار باقی نہیں......سوائے تمہارے۔''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"آپ کو بالکل ٹھیک بتایا گیا ہے تھانے دار صاحب!" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "بہرحال، میں عارف کا سوتیلا بھائی ہی سہی، مگر مجھ سے جو کچھ ہو سکا، وہ میں ضرور کروں گا۔ شاہدہ میری بھابی تھی۔ میں اس کے کفن دفن کو اپنے ذمے لیتا ہوں۔ آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔"

میں نے مزید چند منٹ تک یوسف حلوائی سے بات کر کے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

وہ میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔

✺✺✺

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اگلی صبح میں تیار ہو کر حسبِ معمول اپنے کمرے میں پہنچا، اور حوالدار نصیر شاہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ ان دنوں میری رہائش تھانے کی حدود ہی میں واقع سرکاری کوارٹر میں تھی، جو تھانے کے پچھواڑے میں تھا۔ گزشتہ روز جب تک میں اپنی کرسی پر موجود رہا، عارف کی واپسی کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ صداقت علی سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنا پر پہلے تو میں نے ازخود چک عمر جانے کا فیصلہ کیا، تاکہ داؤد نامی اس غنڈے کو گردن سے پکڑ کر واپس لاؤں، جس کی شاہدہ کے گھر میں مشکوک آمدورفت کا سلسلہ سننے میں آیا تھا، لیکن عصر کے بعد تھانے میں اچانک ہنگامی صورتِ حال پیش آ گئی، جس کے سبب میں کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہا۔

میں نے حوالدار کو اپنے پاس بلایا۔ "میں نے آپ کو اپنے پاس اس لیے بلایا تھا، کیا داؤد چک عمر سے واپس آ گیا؟"

"نہیں جناب! ابھی تک اس کی واپسی نہیں ہوئی!"

"اور عارف کی کوئی خیر خبر ہے؟"

"وہ بھی کسی کو نظر نہیں آیا!"

"ہوں......!" میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر پوچھا۔ "اور وسیم کی کیا رپورٹ ہے؟"

"وہ نگرانی کے کام پر ڈٹا ہوا ہے۔" حوالدار نے بتایا۔ "ابھی تک وہاں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، جس کی رپورٹ کے لیے وسیم کو تھانے کا رخ کرنا پڑے۔"

میں نے کہا۔ "شاہ جی! آپ ایک کام کریں۔"

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کیا۔ ''آپ اسی وقت چک عمر روانہ ہو جائیں۔ چک عمر پینتیس' چالیس گھروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں ہو گا۔ یہ معلوم کرنا ذرا مشکل نہیں ہو گا' کہ داؤد وہاں کس سے ملنے گیا ہے۔ آپ اسے اپنے ساتھ تھانے لے آئیں۔ اُدھر جانے کا پروگرام تو میرا تھا' لیکن اب تھانے میں موجود رہنا ضروری ہے۔ پتا نہیں' سرکاری اسپتال سے کس وقت شاہدہ کی لاش آ جائے۔ اسے یہاں سے گئے ہوئے چوبیس گھنٹے ہو گئے ہیں۔''

''جو آپ کا حکم ملک صاحب!'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔''

ایک فوری خیال کے تحت میں نے اس سے پوچھا۔ ''چک عمر آنے جانے کا راستہ تو ایک ہی ہے نا؟''

''جی ہاں! بالکل ایک ہی راستہ ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''ہوسکتا ہے چک عمر پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی اس سے ملاقات ہو جائے۔ داؤد کے گھر والوں کے مطابق اسے آج واپس آنا ہے۔''

حوالدار نصیر شاہ مجھے سلام کر کے کمرے سے نکل گیا۔

ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ واپس آ گیا۔ میں نے تعجب خیز نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''شاہ جی! اتنی جلدی آپ چک عمر سے ہو بھی آئے؟''

''جناب! تھانے سے نکلنے کے بعد مجھے ایک اہم بات یاد آ گئی' اس لیے چک عمر کی طرف جانے سے پہلے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔'' اس نے اضطراری لہجے میں بتایا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

کچھ کہنے کے بجائے اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا' اور ٹٹولتے ہوئے انداز میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ اگلے ہی لمحے سگریٹ کا ایک پیکٹ نظر آیا۔ وہ مذکورہ پیکٹ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ دیکھیں جناب!''

میں نے پیکٹ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ وہ ہتھوڑا مار کا (فوکس اون) سگریٹ

کا پیکٹ تھا۔ میں نے پیکٹ کھول کر اندر جھانکا۔ اس میں تین سگریٹ بھی موجود تھے۔ وہ دس سگریٹ والا پیکٹ تھا' یعنی اس کے سات سگریٹ استعمال کیے جا چکے تھے۔ ہتھوڑا مار کا سگریٹ کے پیکٹ پر ایک محنت کش لوہار کو ہتھوڑے کی مدد سے لوہا کوٹتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ وزنی آہنی ہتھوڑے کی ضرب لگاتے وقت اس لوہار کے بازوؤں کی مچھلیاں بہت نمایاں ہو گئی تھیں۔ یہ اس زمانے کے مزدوروں اور محنت کشوں کا پسندیدہ سگریٹ برانڈ تھا' جو معیاری ہونے کے علاوہ خاصا سستا بھی تھا۔

حوالدار نصیر شاہ نے فوکس اون کا پیکٹ کس مقصد سے مجھے دیا تھا' یہ میں نہیں جانتا تھا' لہٰذا میں نے تیکھے انداز میں اس سے دریافت کیا۔ ''شاہ جی! آپ کو تو معلوم ہے' میں سگریٹ نوشی نہیں کرتا' پھر یہ سب کیا ہے؟''

''جناب! میں بھی سگریٹ نہیں پیتا ہوں!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اسی لیے یہ اہم بات سامنے بھی آ گئی' ورنہ میں تو سگریٹ کے اس پیکٹ کو جیب میں رکھ کر بھول ہی گیا تھا۔ وہ تو میری گھر والی نے جب کان کھینچے تو مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔''

بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ نصیر شاہ جوش جذبات میں سب کچھ ٹھیک طرح بتا نہیں پا رہا تھا' جو اس کے ذہن میں تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شاہ جی! آپ اطمینان اور سکون سے بتائیں' سگریٹ کے اس پیکٹ کا کیا قصہ ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں' اس کے بعد کوئی نہایت ہی دلچسپ کہانی جڑی ہوئی ہے' کوئی اہم واقعہ۔''

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے جناب کہ سگریٹ کا یہ پیکٹ مجھے کل جائے وقوعہ پر ملا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا کہ آپ کو دکھاؤں گا۔ آپ اس وقت لاش والے کمرے میں قانونی کارروائی میں مصروف تھے۔ سگریٹ کا یہ پیکٹ مجھے برابر والے کمرے سے ملا تھا۔ یہ پیکٹ میرے ذہن سے نکل گیا' اور میرے ساتھ گھر پہنچ گیا۔ میں نے آج صبح یونیفارم دھونے کے لیے اپنی گھر والی کو دیا' تو ظاہر ہے' پانی میں ڈالنے سے پہلے اس نے جیبوں کی تلاشی لی' تاکہ کوئی اہم کاغذ کپڑوں کے ساتھ دھل کر صاف نہ ہو جائے۔ جب ایک جیب سے یہ پیکٹ برآمد ہوا' تو وہ مجھ پر چڑھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوڑی۔ جناب! میں تھانے میں حوالدار ضرور ہوں' لیکن گھر میں میری بیوی کسی تھانیدار سے کم نہیں۔ میں اپنی گھروالی سے بہت ڈرتا ہوں جناب!''

''ہر شریف شوہر اور بچوں کا باپ اپنی بیوی سے ڈرتا ہے شاہ جی!'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔'' خیر آپ بتائیں کہ آگے کیا ہوا؟''

''جناب! میری گھروالی کو شک ہوا کہ مٰیں نے سگریٹ پینا شروع کر دی ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنی پوزیشن صاف کی ہے۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اب آپ دیکھ لیں کہ سگریٹ کے اس پیکٹ کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے' موجودہ کیس میں ممکن ہے اس کی مدد سے ہم قاتل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔''

میں نے اس کمرے میں بھی استعمال شدہ سگریٹ کے چند ٹوٹے پڑے دیکھے تھے جہاں شاہدہ کی لاش پائی گئی تھی' لیکن مجھے یاد نہیں کہ وہ ٹکڑے ہتھوڑا مارکا سگریٹ ہی کے تھے یا کسی اور برانڈ کے۔ بہرحال' یہ اس صورت میں ایک اہم اشارہ تھا' اگر عارف سگریٹ نوشی نہ کرتا ہو...... یا کم از کم وہ ہتھوڑا مارکا کا سگریٹ نہ پیتا ہو۔ تو یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اس گھر میں کوئی ایسا شخص آیا تھا' جو ہتھوڑا مارکا سگریٹ پینے کا عادی تھا' اور اس نے وہاں کچھ وقت بھی گزارا تھا۔

''ٹھیک ہے شاہ جی!'' میں نے فوکس اون کے پیکٹ کو اپنی میز کی دراز میں رکھتے ہوئے کہا۔'' میں اس پر ریسرچ کرتا ہوں۔ آپ فوراً چک عمر روانہ ہو جائیں۔''

وہ منت آمیز لہجے میں بولا۔'' ملک صاحب! میں نے اپنے تئیں گھروالی کو یہ یقین دلانے کی کوشش تو کی ہے کہ میں سگریٹ نوشی نہیں کرتا' لیکن اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ اس امر کی تصدیق آپ سے بھی کرے گی' اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اگر وہ میری غیر موجودگی میں اِدھر آئے' تو آپ اس کی اچھی طرح تسلی کر دیں۔''

''آپ بےفکر ہو جاؤ شاہ جی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔'' میں آپ کی گھریلو تھانیدار کو اچھی طرح سمجھا دوں گا۔''

وہ میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔

میں مزید ایک گھنٹے تک تھانے میں موجود رہ کر روزمرہ کے اہم اُمور نمٹاتا رہا' پھر ایک ضروری سوچ کے تحت تھانے سے نکل آیا۔ میری منزل عارف کا گھر تھی۔ کانسٹیبل وسیم کو نگرانی کرتے ہوئے میں نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ جب میں نے عارف کے دروازے پر لگے ہوئے سرکاری تالے میں چابی گھمائی' تو وسیم میرے قریب آ گیا۔ ہم دونوں ایک ساتھ گھر کے اندر داخل ہوئے۔

میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔'' وسیم! سب خیریت تو ہے نا؟''

''جی ملک صاحب! ابھی تک تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ کسی شخص نے اِدھر آنے یا غیر قانونی طور پر گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی' اور نہ ہی عارف کی واپسی ہوئی ہے۔''

''شاباش!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔''بس ایک دن کی ڈیوٹی اور ہے۔ میں کل صبح تمہیں واپس بلالوں گا۔ مجھے امید ہے' جب تک اس کیس کی نیا کنارے لگ جائے گی۔''

میں نے کانسٹیبل سے باتیں کرنے کے دوران گھر کے پچھلے حصے میں بنے ہوئے دونوں کمروں کا جائزہ بھی لے لیا۔ لاش والے کمرے میں میری تمام تر توجہ استعمال شدہ سگریٹ کے ٹکڑوں پر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میں نے خاصی تقویت محسوس کی کہ وہ تمام تر ٹکڑے فوکس اون المعروف بہ ہتھوڑا مارکا سگریٹ ہی کے تھے۔ گزشتہ روز میں ساتھ والے کمرے کا تفصیلی معائنہ نہیں کر سکا تھا۔ اب میں نے اس کا بھی جائزہ لیا۔ مذکورہ کمرہ اسٹور روم کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

ایک جانب دیوار کے ساتھ لکڑی کے ایک بڑے تخت پر نیچے سے اوپر تک بستر رکھے تھے۔ وہ کم از کم نصف درجن افراد کے استعمال کے لیے لحاف اور گدے تھے' اتنی ہی تعداد میں تکیے اور چادریں بھی تھیں' میری سمجھ میں نہ آیا کہ دو افراد کی اس مختصر سی فیملی کو اتنے اوڑھنے اور بچھونے کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال' دوسری دیوار کے ساتھ تین ڈرم پہلو بہ پہلو رکھے ہوئے تھے۔ ساڑھے تین' چار فٹ اونچے نیلے رنگ کے دو پلاسٹک کے ڈرم دراصل کسی ٹیکنائل کیمیکل کے لیے استعمال ہوتے تھے لیکن بعدازاں لوگ انہیں دھو مانجھ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر گھریلو استعمال میں لے آتے تھے' اور عموماً ان میں اناج اسٹور کیا جاتا تھا۔ میں نے ایسے ڈرم کئی گھروں میں رکھے دیکھے تھے۔

میں نے مذکورہ ڈرمز میں سے ایک کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔ اس کے اندر مجھے گندم بھری ہوئی نظر آئی۔ میں سمجھ گیا باقی دو ڈرمز میں آٹا اور چاول کا ذخیرہ ہوگا۔ میں ڈرمز کو چھوڑ کر دیگر اشیاء کی جانب متوجہ ہوگیا' لیکن وہاں پر کوئی بھی ایسی چیز دکھائی نہ دی' جو اس کیس میں کسی طور معاون ثابت ہوتی۔

میں نے دونوں کمروں کو دوبارہ لاک کیا' اور گھر کے صحن میں آ گیا۔ اس دوران وسیم مسلسل میرے ساتھ رہا تھا' لیکن اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ میں اسے چندنئی ہدایات دینے کے بعد واپس آ گیا۔

اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی سوال گونج رہا تھا' اور وہ یہ کہ آیا عارف سگریٹ نوشی کا عادی تھا یا نہیں' اور اگر وہ سگریٹ پیتا تھا تو کون سی برانڈ؟

اس سوال کا تسلی بخش جواب یا تو شاہدہ دے سکتی تھی' اور یا پھر یوسف حلوائی۔ شاہدہ کسی سوال و جواب کے قابل نہیں رہی تھی' لہٰذا میرے قدم بے اختیار مجھے یوسف حلوائی کی دکان لے گئے۔

یوسف نے ابھی ابھی دکان کھولی تھی' اور شوکیس میں مٹھائی کے تھال سیٹ کر رہا تھا۔ اس وقت وہ تہ بند اور بنیان میں ملبوس تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ استقبالیہ انداز میں آگے بڑھا۔ ''آئیں جی...... آئیں جی......سو بسم اللہ!''

اس کے ساتھ ہی اس نے جھاڑن نما ایک کپڑے سے اسٹول کو صاف کر کے میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھیں جناب!''

میں نے یوسف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کوئی تکلف نہ کرو۔ میں یہاں تشریف رکھنے نہیں آیا۔ اِدھر سے گزر رہا تھا' سوچا تمہاری دکان ہی دیکھ لوں۔ کیا پتا کبھی مٹھائی لینے کے لیے آنا پڑ جائے۔''

''جناب! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔'' وہ چور نظروں سے دکان کے اندرونی حصے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو زحمت کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ آپ اشارہ

کر دیں مٹھائی تھانے میں آپ کی میز پر پہنچ جائے گی۔'' وہ لمحے بھر کے لیے رکا' پھر رازدارانہ انداز میں بولا۔ ''آج میں تازہ تازہ میسو پاک بنانے والا ہوں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو سیر' دو سیر بھجوا دیتا ہوں۔''

میں جب اس کی دکان پر پہنچا تھا' تو مجھے ویلکم کہنے سے پہلے بھی اس نے کن انکھیوں سے دکان کے اندر جھانکا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے یہی حرکت کی' تو میں کھٹک گیا تاہم معقول لہجے میں اس کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں سیر' دو سیر مٹھائی اٹھا کر تھانے لانے کی ضرورت نہیں یوسف۔ مجھے جب ضرورت ہوگی' تو میں خود ہی تمہاری دکان سے منگوالوں گا۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے میں نے بے ساختہ اس سے پوچھ لیا۔ ''یہ تم بار بار چور نظروں سے دکان کے اندر کیا دیکھ رہے ہو؟''

وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ ''وہ جی بات دراصل یہ ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے میں سگریٹ پی رہا تھا۔ کیا کروں' جب تک ایک آدھ سگریٹ نہ پھونک لوں دماغ کام ہی نہیں کرتا۔ آپ کو دیکھ کر میں نے ادھ جلا سگریٹ اندر رکھ دیا تھا۔ اب بار بار اِدھر دھیان جاتا ہے کہ کسی شے میں آگ نہ لگ جائے!''

''تم فوراً وہ سگریٹ اٹھا لاؤ۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''باقی باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔''

اس نے پلک جھپکتے میں میرے حکم کی تعمیل کر دی۔ وہ واپس آیا تو اس کی انگلیوں میں ادھ جلا سگریٹ دیکھ کر میں نے پوچھا۔ ''تم کون سا سگریٹ پیتے ہو؟''

اس نے سگریٹ کے ٹوٹے کو زمین پر پھینکا اور پھر جوتے کے نیچے مسلتے ہوئے سادگی سے بولا۔ ''کم خرچ بالا نشین!''

''کیا یہ کوئی نیا سگریٹ آیا ہے؟'' میں نے آنکھیں سکیڑ کے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اونئیں جناب!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں ''ہتھوڑا مارکا'' سگریٹ کی بات کر رہا ہوں۔''

ہتھوڑا مارکا کے الفاظ نے میری سوچ پر ایک ضرب سی لگائی۔ میں نے گمبھیر لہجے میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس سے پوچھا۔ ''یوسف! تم کتنے عرصے سے سگریٹ پی رہے ہو؟''

''اس شے سے دوستی کیے تو جناب آٹھ دس سال ہو گئے ہیں۔''

وہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس دوران میں کئی ''مارکا'' ٹیسٹ کیے ہیں مثلاً بگلا مارکا' تارا مارکا' لالٹین مارکا' قینچی مارکا......کون سا مارکا ہے جو میں نے ٹرائی نہ کیا ہو۔ آخرکار ہتھوڑا مارکا پر آ کر رک گیا ہوں۔ پچھلے دو سال سے میں یہی سگریٹ پی رہا ہوں......اور میں نے غلط نہیں کہا جناب! یہ سگریٹ واقعی کم خرچ بالانشین ہے۔''

یہ پچاس ساٹھ سال پہلے استعمال ہونے والے عوامی سگریٹ برانڈ ہیں' اور آج کل ان میں سے کوئی کہیں نظر نہیں آتا' اس لیے سگریٹ کے اس تذکرے کو کہانی کی ضرورت سمجھا جائے۔ میں سگریٹ بنانے والی کسی کمپنی کے لیے اشتہار بازی ہرگز نہیں کر رہا ہوں۔

میں نے یوسف سے پوچھا۔ ''تم روزانہ کتنے سگریٹ پی لیتے ہو؟''

''بس جی! ایک ڈبی ختم کر لیتا ہوں۔''

''ایک ڈبی......یعنی دس سگریٹ!'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا' پھر اس کی دکان کے برابر واقع تکے کباب کی بند دکان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اور یہ تمہارا سوتیلا بھگوڑا بھائی کتنے سگریٹ پھونک لیتا ہے؟''

وہ فوراً سے پیش تر سمجھ گیا کہ میرا اشارہ شاہدہ کے شوہر عارف کی جانب تھا۔ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے بتایا۔

''یہ عارف تو سگریٹ نوشی کے سخت خلاف ہے۔ ہر وقت مجھے بھی نصیحتیں کرتا رہتا ہے کہ میں سگریٹ پینا چھوڑ دوں' ورنہ مجھے ٹی بی ہو جائے گی' لیکن میں اس کی باتیں سن کر ہنستا ہوں۔ وہ سگریٹ نوشی سے شدید نفرت کرتا ہے' لیکن اس کے باوجود بھی اس کی صحت ''ماشاء اللہ'' ہے۔ وہ چہرے ہی سے صدیوں کا بیمار نظر آتا ہے' اور میں......دیکھ لیں جناب! آپ کے سامنے ہوں......ہٹا کٹا اور صحت مند!''

اس زمانے میں دل کی بیماریوں کا ذکر بہت کم سننے میں آتا تھا' اور کینسر کا نام تو شاید ہی کسی نے سنا ہو' چنانچہ سگریٹ پینے والوں کو ٹی بی اور کھانسی ہی سے ڈرایا جاتا تھا' تاہم

آج کا چلن بالکل مختلف ہے۔ وہ سادہ' منافقت سے پاک زمانے گزر گئے۔ آج کل سب سے زیادہ رنگین اور سنگین اشتہار بازی سگریٹ کی ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ آپ ان اشتہاروں کو ''توبہ شکن'' کہیں تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ وزارت صحت صرف یہ کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتی ہے...... ''سگریٹ نوشی مضر صحت ہے۔ یہ کینسر اور دل کی بیماریوں کا باعث ہے!'' اللہ اللہ خیر صلا!

میں نے یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا واقعی عارف سگریٹ نہیں پیتا؟''

''میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں ملک صاحب!''

وہ چوکنا نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''اچھا...... مجھے تو لگا تھا' وہ سگریٹ نوشی کرتا ہے!''

''آپ کو کس بات سے ایسا لگا؟''

اس کا چوکنا تشویش میں بدل گیا۔

''یہ بات آپ کو کس نے بتائی ہے؟''

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خیال انگیز لہجے میں کہا۔

''بتائی تو کسی نے نہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ تیز آواز میں بولا۔ ''آپ نے کب اور کہاں عارف کو سگریٹ پیتے دیکھا ہے؟''

''میں نے اسے سگریٹ پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بلکہ کل اس کے گھر میں مجھے سگریٹ کے چند ٹوٹے پڑے نظر آئے تھے۔ اگر عارف واقعی سگریٹ سے نفرت کرتا ہے' تو پھر مجھے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس کے گھر میں وہ سگریٹ کس نے پیے تھے۔ مجھے یقین ہے' اس طرح میں شاہدہ کے قاتل تک پہنچ جاؤں گا۔''

میں نے یوسف حلوائی کے چہرے کی رنگت کو بدلتے ہوئے فوراً محسوس کر لیا۔ تاثرات کی اس تبدیلی میں خوف اور تشویش کا عنصر نمایاں تھا اور...... اس بات نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ یہ نقطہ غور و فکر کی دعوت دیتا تھا' کہ عارف کے گھر میں پائے جانے

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

والے سگریٹ کے ٹکڑوں نے یوسف حلوائی کو اتنا زیادہ بے چین کیوں کر دیا تھا۔ میری چھٹی حِس نے اسی لمحے کسی بڑی گڑبڑ کی نشاندہی کر دی' لیکن حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے میں نے اپنی سوچ اور محسوسات کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا' اور تجربہ کار کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے یک ٹک گھورتا چلا گیا۔

اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''ملک صاحب! آپ نے عارف کے گھر میں سگریٹ کے جو ٹکڑے پڑے دیکھے ہیں' وہ کس برانڈ کے تھے؟''

یہ سوال کہیں اس کے بہت اندر سے آیا تھا' جیسے سگریٹ کے برانڈ کے بارے میں جاننا اس کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہو۔ میں نے سگریٹ والے معاملے میں اس کی تشویش آمیز دلچسپی دیکھی' تو عام سے لہجے میں کہا۔

''او جی! لعنت بھیجو سگریٹ کے برانڈ پر۔ یہ کوئی اتنی خاص بات نہیں ہے۔ یہ تو تمہاری سگریٹ نوشی سے عارف کا تذکرہ نکل آیا' اور میں تم سے پوچھتا چلا گیا۔ اس کے گھر میں کوئی سے بھی سگریٹ پڑے ہوں' ہمیں اس سے کیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے......!''
میں نے رازدارانہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا اور اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کہ عارف تمہارے سامنے سگریٹ کی برائی کرتا ہو' اور گھر میں چھپ چھپ کر سگریٹ پیتا ہو۔ انسان کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے یوسف۔''

''ہاں...... یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ وہ ظاہر یہی کر رہا تھا' جیسے میری وضاحت سے مطمئن ہو گیا ہو' لیکن مجھے بہ خوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اندر سے بری طرح بے چین ہے' یوسف کی بے چینی' بے قراری اور انتشار مجھے انتہا تک سوچنے پر مجبور کر رہی تھی' اور اس صورتِ حال میں عارف کے پڑوسی صداقت علی کے یہ الفاظ میری سماعت میں گونج رہے تھے...... تھانیدار صاحب! یوسف بھی شاہدہ کے لیے ایک نامحرم رہی ہے۔ عارف کی غیر موجودگی میں چوری چھپے شاہدہ سے اس کی ملاقاتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ یوسف حلوائی کو چیک کرنے کے لیے میں نفسیاتی طریقۂ کار اختیار کروں گا۔ اگر وہ کسی بھی زاویے سے شاہدہ والے معاملے میں ملوث ہے'

تو میرے نفسیاتی جال سے بچ نہیں سکے گا۔ میں نے اسے مطمئن اور بے خبر رکھنے کے لیے سرسری انداز میں کہا۔

''یوسف! عارف کی سگریٹ...... بلکہ خفیہ سگریٹ نوشی سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کل صبح تمہارے ساتھ اس کے گھر جاؤں گا' پھر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا' وہ چھپ چھپ کر کون سے برانڈ کے سگریٹ پیا کرتا تھا۔''

وہ تجویز دینے والے انداز میں بولا۔

''میں اس وقت فارغ ہوں۔ اگر آپ کہیں تو ہم ابھی عارف کے گھر جا کر دیکھ لیتے ہیں۔''

اس کی حد سے زیادہ بڑھتی ہوئی دلچسپی میرے شک کو یقین میں بدلنے کا باعث بن رہی تھی۔ میں نے اپنے چہرے کے تاثرات کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تم فارغ ہو گے' لیکن میں ہرگز نہیں ہوں...... آج ایک اہم معاملے میں سارا دن تھانے میں میری موجودگی بہت ضروری ہے۔''

وہ قدرے مطمئن ہوا کہ میں آج کا پورا دن تھانے میں گزارنے والا ہوں' پوچھنے لگا۔

''تھانے دار صاحب! شاہدہ کی لاش کب تک اسپتال سے واپس آئے گی۔ عارف کا تو ابھی تک کچھ پتا نہیں۔ اس کے کفن دفن کا بندوبست مجھے ہی کرنا ہو گا' اس لیے پوچھ رہا ہوں۔''

میں نے اسے بے خبر رکھنے کے لیے دانستہ جھوٹ بولا۔

''میرے خیال میں شاہدہ کی لاش کل صبح ہی یہاں پہنچے گی۔ اس کے بعد تمہاری مرضی پر منحصر ہو گا کہ تم اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست اس کے گھر پر کرتے ہو یا اپنے گھر پر۔''

وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔ ''لاش اسپتال سے آ جائے' تو پھر ہی کوئی بہتر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔''

''لاش کے حوالے سے کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں فوری طور پر اپنی دکان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بند کرنے کا فیصلہ کرنا چاہیے یوسف!''

میں نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

''عارف سوتیلا ہی سہی' لیکن شاہدہ پھر بھی تمہاری بھابی تھی۔ کم از کم اس کے سوئم تک تو تمہیں دکان نہیں کھولنی چاہیے۔''

وہ قدرے شرمندہ ہوا' پھر خجالت آمیز لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے جناب! میں ان بنی ہوئی مٹھائیوں کو کسی ٹھکانے لگا کر دکان کو تالا لگاتا ہوں۔ مٹھائیوں کے یہ تھال اسی طرح اگر تین چار دن تک دکان میں بند رہے' تو سب کا ستیاناس ہو جائے گا۔''

میں اس کی دکان سے نکل کر تھانے کی طرف چل پڑا۔

***

شام سے تھوڑی دیر پہلے حوالدار نصیر شاہ لوٹ آیا' اور آ کر اس نے یہ خبر سنائی۔

''ملک صاحب! داؤد وہاں چک عمر میں الیاس گھمن نامی ایک شخص سے ملنے گیا تھا' لیکن جب میں وہاں پہنچا تو وہ دونوں گاؤں سے نکل چکے تھے۔''

''گاؤں سے نکل کر وہ کہاں گئے؟'' میں نے پوچھا۔ ''اگر وہ بخت پور کی طرف آ رہے ہوتے تو یقیناً راستے میں ان سے ملاقات ہو جاتی۔''

''جناب! مجھے پتا چلا ہے' وہ ''بدری دال'' کی طرف گئے ہیں۔'' نصیر شاہ نے بتایا۔

میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''بدری دال' چک عمر اور داؤد کو فی الحال ذہن سے نکال دیں۔ آپ کو کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں بخت پور میں بڑا دلچسپ اور سنسنی خیز ڈراما ہونے والا ہے!''

''سنسنی خیز ڈراما؟'' وہ الجھن اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے نصیر شاہ کو یوسف حلوائی کے رویے اور اپنے عزائم کے بارے میں تفصیلاً آگاہ کیا۔ پوری بات توجہ سے سننے کے بعد اس نے کہا۔ ''ملک صاحب! اس کام کے لیے رات کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ابھی اسے پکڑ کر لے آتا ہوں۔ تھوڑی چھترول ہو گی' تو خود ہی سب کچھ بک دے گا۔''

''یہ خیال میرے ذہن میں بھی آیا تھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لیکن رنگے ہاتھوں پکڑنے کا تو مزا اور ہی ہے۔''

''کیا ضروری ہے کہ وہ رات ہی کو عارف کے گھر میں داخل ہو۔'' نصیر شاہ نے ایک اعتراض اٹھایا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

’’اگر وہ سگریٹ کے ٹکڑے اس کے لیے جان کا عذاب بن سکتے ہیں‘ تو وہ دن میں کسی وقت بھی وہاں جا سکتا ہے۔‘‘

’’میرے پیشہ ورانہ تجربے کے مطابق‘ اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔‘‘ میں نے پُر اعتماد انداز میں کہا۔’’میں نے بڑی اچھی طرح اسے یقین دلایا ہے کہ میں کل صبح سے پہلے عارف کے گھر کا رخ نہیں کروں گا‘ لہٰذا وہ رات کی تاریکی میں ہی کوئی کارروائی کرے گا۔ ہم پہلے سے گھر کے اندر موجود ہوں گے‘ لہٰذا وہ رنگے ہاتھوں گرفت میں آ جائے گا۔ اگر وہ حماقت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے دن دہاڑے عارف کے گھر میں داخل ہوتا ہے‘ تو وسیم کی نظر سے نہیں بچ سکے گا۔ وسیم کی اطلاع پر‘ اس صورت میں بھی ہم اسے قابو کر لیں گے۔ پھر ایک بات اور بھی ہے...... جب تک شاہدہ کی لاش کے حوالے سے اسپتال کی جانب سے کوئی اطلاع نہیں آ جاتی‘ مجھے تھانے ہی میں رہنا ہو گا۔‘‘

’’ملک صاحب!‘‘ وہ ندامت آمیز انداز میں اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولا۔ ’’باتوں باتوں میں‘ میں آپ کو یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ چک عمر سے واپسی پر میں اسپتال سے بھی ہوتے ہوئے آ رہا ہوں۔ وہاں کی پکی اطلاع یہ ہے کہ کل صبح پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ کے ساتھ لاش یہاں آ جائے گی۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے‘ آج کی رات ہم بے فکری سے یوسف حلوائی کو اپنے جال میں پھانس سکتے ہیں۔‘‘ میں نے پُر سوچ انداز میں کہا‘ پھر اس کے ساتھ ہی یہ اضافہ بھی کر دیا۔’’شاہ جی! آپ کسی طرح یوسف تک یہ خبر پہنچا دیں کہ لاش کل صبح آ جائے گی‘ تاکہ وہ اطمینان سے رات ہی کو ہمارے پھیلائے ہوئے جال میں قدم رکھے۔‘‘

’’ٹھیک ہے جناب! یہ میں کر لوں گا!‘‘ وہ پُر یقین لہجے میں بولا۔

دن کا باقی حصہ میں نے یوسف حلوائی کے بارے میں سوچ بچار‘ اور اسے گرفت میں لانے کی پلاننگ کرتے ہوئے گزارا اور رات کو ’’پوری تیاری‘‘ کے ساتھ عارف کے گھر پہنچ گیا۔ میرے ساتھ اس مشن میں نصیر شاہ بھی شامل تھا۔ وسیم کو میں نے وہاں سے ہٹا دیا تھا‘ کیونکہ گھر کے اندر ہماری موجودگی کے بعد بیرونی نگرانی کی ضرورت باقی نہیں رہی

تھی۔

منصوبے کے مطابق‘ میں اس کمرے میں چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے شاہدہ کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ یوسف کی آمد کے زیادہ امکانات اسی کمرے میں تھے۔ حوالدار نصیر شاہ کو میں نے دوسرے کمرے یعنی اسٹور روم میں چھپا کر بٹھا دیا۔ ان دنوں موسم کچھ اس نوعیت کا تھا کہ سرِ شام ہی فضا میں خنکی اتر آتی تھی‘ لہٰذا کمروں کے اندر چھپ کر بیٹھنا ہمارے لیے چنداں دشوار ثابت نہیں ہوا۔

رات دس بجے کا وقت ہو گا‘ جب میں نے گھر کے صحن میں کسی شخص کے کودنے کی مخصوص آواز سنی۔ گویا میرے اندازوں کو صد فیصد درست ثابت کرنے کے لیے یوسف حلوائی نے عارف کے گھر میں انٹری ڈال دی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے کمرے کے دروازے کے ساتھ کھسر پھسر کا احساس ہوا‘ اور اگلے ہی لمحے دروازہ دھیرے سے کھلا۔ میں ایسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ باہر سے آنے والا مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا‘ جبکہ میں بہ آسانی اس کا جائزہ لے سکتا تھا اور...... میں نے کھلے ہوئے دروازے میں اندھیرے کے باوجود بھی مخصوص قد کاٹھ اور جسامت کی بنا پر یوسف حلوائی کو فوراً پہچان لیا۔

وہ محتاط قدموں سے کمرے کے اندر داخل ہوا‘ جیب سے ایک موم بتی نکال کر جلائی اور اس کی روشنی میں کمرے کے فرش پر کچھ تلاش کرنے لگا۔ میں اوٹ میں چھپا بڑی خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھتا رہا۔ اس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر ہتھوڑا مارکا سگریٹ کے ٹکڑے جمع کیے‘ انہیں احتیاط سے جیب میں رکھا اور جلتی ہوئی موم بتی کو ہاتھ میں تھامے تھامے کمرے سے باہر نکل گیا۔ یہ اچھا ہوا کہ کمرے سے نکلتے وقت اس نے دروازے کو کنڈی نہیں لگائی تھی‘ ورنہ میرا کمرے سے باہر آنا مشکل ہو جاتا۔ اب اس کا رخ دوسرے کمرے کی طرف تھا۔ میں نے ٹارچ کو ہاتھ میں لیا‘ اور باہر نکل آیا۔ جب میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں پہنچا‘ تو وہ اسٹور روم میں داخل ہو چکا تھا۔ میں تیزی سے اس سمت لپک گیا۔

اسی لمحے اسٹور روم کے اندر سے ایسی آوازیں ابھریں جیسے دو افراد میں مڈبھیڑ ہو گئی ہو۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یوسف حلوائی کا حوالدار نصیر شاہ سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فوراً کمرے کے دروازے پر پہنچا' اور ٹارچ کو روشن کر کے اس کی روشنی کمرے کے اندر پھینکی۔

روشنی کے مخصوص دائرے میں مجھے وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا نظر آئے۔ حوالدار نے مجھے پکارتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔ ''ملک صاحب! یہ کیس حل ہو گیا۔ میں نے عارف کی لاش دریافت کر لی ہے۔''

''عارف کی لاش؟'' میرے لہجے میں حد درجے حیرت سمٹ آئی۔ ''مگر وہ تو......!''

''میں نے اس موٹے خبیث کو قابو کر لیا ہے۔'' نصیر شاہ پُر جوش لہجے میں بولا۔ ''اس کو ہتھکڑی لگائیں' پھر میں آپ کو عارف کی لاش کے بارے میں بتاتا ہوں۔''

نصیر شاہ نے ''گمشدہ'' عارف کے حوالے سے اتنا بڑا انکشاف کیا تھا' کہ میرے ہاتھ پاؤں کسی تیز رفتار مشین کے مانند حرکت میں آ گئے۔ حوالدار نے یوسف کو قابو کرنے کا دعویٰ تو کیا تھا' لیکن میں نے دیکھا کہ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں نہیں تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر یوسف حلوائی کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ میرے خوف ناک ٹھڈوں اور زناٹے دار طمانچوں نے ایک دو منٹ میں ہی اسے ''سیدھا'' کر دیا۔ حوالدار نے میرے اشارے پر اسے الٹی ہتھ کڑی لگا دی۔

میں نے کہا۔ ''شاہ جی! اس بد بخت کا ''انٹرویو'' تھانے لے جا کر ہی کریں گے۔ آپ عارف کی لاش کے بارے میں بتائیں؟''

''وہ بے چارہ......میرا مطلب ہے' اس کی لاش اِدھر ڈرم کے اندر پڑی ہے۔'' حوالدار نے ایک دیوار کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھے تین ڈرموں کی جانب اشارہ کیا۔

یہ وہی پلاسٹک کے ڈرمز تھے' جو میں نے بھی دیکھے تھے' بلکہ ان میں سے ایک کا ڈھکنا اٹھا کر میں اس کے اندر جھانک بھی چکا تھا' اور مجھے اس ڈرم میں گندم بھری ہوئی نظر آئی تھی۔ میں نے دوسرے ڈرموں کا جائزہ لیے بغیر ہی یہ فرض کر لیا تھا' کہ ان میں چاول اور آٹے کا ذخیرہ ہوگا۔

میں بڑی سرعت سے مذکورہ ڈرموں کی طرف بڑھا' تو عقب میں نصیر شاہ کی آواز

ابھری۔ وہ اپنی کارروائی کی رپورٹ پیش کر رہا تھا۔

''ملک صاحب! اسٹور روم میں چھپ کر بیٹھنے کے دوران میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ میں ٹارچ جلا کر ایک مرتبہ پھر اس کمرے کا جائزہ لوں۔ یوسف کی آمد سے قبل میرے پاس جو بھی وقت ہے' میں اسے استعمال میں لانا چاہتا تھا۔ اسی جائزے کے دوران' جب میں اناج والے ڈرموں کے پاس پہنچا تو دل میں خواہش پیدا ہوئی' مجھے ان ڈرموں کے اندر جھانک کر دیکھنا چاہیے۔ میں نے پہلے ڈرم کا ڈھکنا اٹھا کر اندر ٹارچ کی روشنی پھینکی ہی تھی کہ عارف کی لاش کو وہاں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ میں آپ کو اس بارے میں بتانے کے لیے کمرے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ یوسف سے ٹکرا گیا......پھر آپ آ گئے۔ اس کے بعد یہاں جو کچھ بھی ہوا' وہ آپ کے سامنے ہے۔''

اِدھر نصیر شاہ کی وضاحت ختم ہوئی' اُدھر میں نے اس ڈرم کا ڈھکنا اٹھا لیا' جس کی جانب اس نے اشارہ کیا تھا اور پھر......میں عارف کی لاش کے دیدار سے محروم نہیں رہا۔ میں نے اس سے پہلے عارف کو کبھی نہیں دیکھا تھا' لیکن میری تسلی کے لیے حوالدار کی گواہی کافی تھی کہ وہ عارف ہی کی لاش تھی۔

اس شور شرابے کے باعث آس پاس کے لوگ بیدار ہو گئے تھے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کوئی نصف درجن افراد وہاں جمع ہو گئے' جن میں عارف کے دونوں پڑوسی صداقت علی اور ظہور حسین پیش پیش تھے۔ جب انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا' تو وہ نفرت انگیز نظروں سے ہتھکڑی لگے یوسف حلوائی کو گھورنے لگے۔

میں نے لالٹینوں اور ٹارچوں کی محدود روشنی میں موقع کی کارروائی مکمل کی' اور اسی وقت ہنگامی بندوبست کر کے عارف کی لاش کو ڈرم سمیت پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوا دیا۔ اس کے بعد یوسف حلوائی کو تفتیش کے لیے اپنے ساتھ تھانے لے آیا۔ وہ جس انداز میں جائے وقوعہ سے گرفتار ہوا تھا' اور جس حالت میں عارف کی لاش دریافت ہوئی تھی' اس کی روشنی میں یوسف کو کڑی تفتیش سے گزارنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

تھانے پہنچ کر میں نے یوسف سے کہا۔ ''میں تمہیں صرف دس منٹ دوں گا' سوچنے کے لیے۔ اس کے بعد تمہارا بیان قلم بند کروں گا۔ یہ آخری موقع ہوگا سچ بولنے کا۔ اگر تم

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے کسی چکر بازی میں پڑ کر یہ سنہری موقع گنوا دیا' تو پھر تمہیں تفتیش کے کڑے مراحل سے گزرنا پڑے گا' جہاں تمہاری زبان تو خاموش رہے گی البتہ بدن کا ایک ایک عضو حلفیہ سچ بولنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''جناب! آپ مجھے سوچنے کے لیے دس منٹ بھی نہ دیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے بے خوف لہجے میں بولا۔ ''میں بغیر سوچے سمجھے اپنا بیان ریکارڈ کرانے کو تیار ہوں' کیونکہ سچ بولنے کے لیے سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

اس کے اعتماد اور ڈائیلاگ نے مجھے متاثر کیا۔ میں نے گہری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا' اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے' شروع ہو جاؤ۔''

اور وہ شروع ہو گیا۔ ''تھانے دار صاحب! میں نے شروع میں آپ سے تھوڑا جھوٹ بولا تھا' اس خوف سے کہ کہیں آپ مجھے اس کیس میں ملوث نہ کر دیں' اور اب...... جب کہ ایسا ہو ہی چکا ہے تو میں ذرا سی بھی غلط بیانی نہیں کروں گا۔ آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا پھر سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''وقوعہ کے روز صبح جب میں عارف کے گھر تین سو روپے لینے کے لیے پہنچا' تو دروازہ خود عارف ہی نے کھولا تھا۔ وہ یہ کہتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ اسٹور روم میں لے گیا...... میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا یوسف۔ اچھا ہوا' تم آ گئے۔ میں نے کہا۔ تم نے بلایا تھا' تو مجھے آنا ہی تھا۔ وہ بولا۔ یوسف! تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں نے تمہیں تین سو روپے دینے کے لیے بلایا ہے! میں نے کہا۔ ہاں! میں تو رقم لینے کے لیے ہی آیا ہوں۔ وہ بولا۔ رقم کو فی الحال بھول جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔ میں حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ غیر جذباتی لہجے میں بولا' یوسف! میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں بہت جلد اس شخص کا سراغ لگا لوں گا' جو اس بے وفائی کے کھیل میں شاہدہ کا ساتھ دے رہا ہے؟ میں نے جواب دیا' ہاں! تم نے ایسا کہا تھا۔ وہ خطرناک لہجے میں بولا۔ میں نے سراغ لگا لیا ہے۔ بدقسمتی سے وہ کوئی ایک شخص نہیں بلکہ دو افراد ہیں' جو مختلف اوقات میں شاہدہ سے

ملنے میرے گھر میں آتے رہتے ہیں۔ میں نے سادگی سے کہا' عارف! اگر اپنی مرغی اچھی ہو تو وہ پرائے گھر میں انڈا نہیں دیتی' اس نے نفرت آمیز نظروں سے مجھے گھورا اور بولا' مرغی کو تو میں نے ذبح کر ڈالا ہے۔ اب وہ کسی پرائے گھر تو کیا' اپنے گھر میں بھی انڈا دینے کے قابل نہیں رہی۔ اب ان دو مرغوں کے ذبح ہونے کی باری ہے' جو بے وفائی کے کھیل میں اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا' وہ دونوں افراد ہیں کون؟ اس نے سنسناتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ایک شخص کا نام ہے داؤد۔ اس کی باری آخر میں آئے گی۔ شاہدہ کے بعد دوسرے شخص کو حلال ہونا ہے' اور وہ اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے......یعنی' یوسف تم! میں نے گھبرا کر کہا' عارف! تمہیں کوئی شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے ڈرم کے اوپر رکھی بڑی سی چھری اٹھالی اور بڑے وحشیانہ انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس موقع پر اگر میں پھرتی کا مظاہرہ نہ کرتا تو شاید میں بیان دینے کے لیے آج زندہ نہ ہوتا۔''

اس نے لمحاتی توقف کیا' ایک جھرجھری لی اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے بڑی ہوشیاری سے اس کا وار خالی کر دیا' اور اسکے ساتھ ہی اسے ایک زوردار دھکا بھی مارا۔ وہ مرد ناتواں میرے دھکے کی تاب نہ لاتے ہوئے سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا اور اگلے ہی لمحے کسی مردہ چھپکلی کی طرح زمین بوس ہو گیا۔ جب کئی منٹ گزر جانے کے بعد بھی اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی تو میں نے قریب جا کر اس کا جائزہ لیا اور اس لمحے یہ خوف ناک انکشاف ہوا کہ وہ زندہ نہیں۔ اس کی سانس رک گئی تھی۔ جب کچھ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا' تو میں نے بے حس و حرکت عارف کو اٹھا کر ایک خالی ڈرم میں ٹھونس دیا اور اوپر سے ڈھکنا بند کر دیا۔ شاید اس کا سر دیوار کے ساتھ اتنی شدت سے ٹکرایا تھا کہ پلک جھپکتے میں اس کی موت واقع ہو گئی۔''

وہ اتنا بتا کر خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔ ''یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عارف کو ڈرم میں ٹھونسنے کے دوران تمہاری جیب میں سے ہتھوڑا مارکا سگریٹ کی ڈبیا گر گئی ہو گی' لیکن لاش والے کمرے میں استعمال شدہ سگریٹوں کے جو ٹوٹے پائے گئے ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے تم نے کچھ وقت وہاں بھی گزارا تھا۔ تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے'

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے جائے وقوعہ سے سگریٹوں کے ٹوٹے چن کر اپنی جیب میں ڈالے تھے' تاکہ تمہاری وہاں موجودگی کے آثار باقی نہ رہیں اور...... میں سمجھ رہا ہوں' صبح تمہاری دکان پر ہمارے درمیان سگریٹ نوشی پر جو معنی خیز گفتگو ہوئی تھی' یہ اسی کا نتیجہ ہے۔''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے جناب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''میں آپ کی باتیں سن کر واقعی گھبرا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ عارف کے بے حس وحرکت جسم کو ڈرم میں ٹھونسنے کے بعد میں ساتھ والے کمرے میں گیا تھا' اور وہاں بستر پر مجھے شاہدہ کی گردن کٹی لاش نظر آئی۔ عارف نے غلط نہیں کہا تھا' اس نے اپنی بیوی کو واقعی کسی مرغی کے مانند ذبح کر ڈالا تھا۔ سارا بستر خون آلود ہو رہا تھا۔ میں شاہدہ کی لاش کے پاس ٹہلتے ہوئے اضطراری انداز میں سگریٹ پھونکتا رہا' اور یہ سوچتا رہا کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تھوڑی دیر کے بعد میری سمجھ میں ایک کہانی آئی۔ وہی کہانی جو میں نے شروع میں آپ کو سنائی تھی۔'' وہ ذرا دیر کو رکا' ایک گہری سانس خارج کی اور مزید بتانے لگا۔

''میں نے آلۂ قتل یعنی بڑے سائز کی اس چھری کو باورچی خانے کی دوچھتی پر اس طرح چھپا دیا کہ تلاش کے دوران آسانی سے مل جائے اور...... ایسا ہی ہوا۔ آپ نے بہ آسانی آلۂ قتل برآمد کر لیا۔ ابتدا میں سب کچھ میرے حق میں ہو رہا تھا۔ میں نے ہنگامی حالات میں عارف کی لاش کو اناج والے ڈرم میں ٹھونس دیا' اور وہ فوری طور پر دریافت نہ ہو سکی۔ یہی سمجھا گیا کہ عارف اپنی بیوی کو قتل کر کے کہیں فرار ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے طور پر یہ سوچ رکھا تھا کہ شاہدہ کے کفن دفن کے بعد جب یہ معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا' تو میں عارف کی لاش کو خاموشی سے ٹھکانے لگا دوں گا۔ یہ کام میرے لیے بہت ہی آسان ثابت ہوتا' کیونکہ ان دونوں کا قریب ترین رشتے دار میں ہی تھا۔ ان کا گھر میرے قبضے میں آنا ایک سیدھی سی بات تھی لیکن......''

وہ لمحے بھر کو رکا' مایوسی سے گردن ہلائی اور شکستہ لہجے میں بولا۔''آپ نے میری دکان پر آ کر جب سگرٹ نوشی کے بارے میں بات کی' اور بتایا کہ جائے وقوعہ سے تھوڑا

مارکا سگریٹ کے ٹکڑے ملے ہیں تو میں تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج ہی رات کو مجھے ہر کام نمٹا لینا چاہیے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ گھات لگائے بیٹھے ہیں۔''

وہ اپنا تفصیلی بیان دینے کے بعد خاموش ہوا تو میں نے تنبیہی لہجے میں کہا۔''یوسف! تم نے جو بیان دیا ہے اس کی تصدیق پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بعد ہی ہو سکے گی لیکن......''

''جناب! عارف کی موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔''میں نے اپنی جان بچانے کے لیے اسے دھکا دیا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ اتنی شدت سے دیوار کے ساتھ جا ٹکرائے گا کہ اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ وہ کیا کہتے ہیں جناب!...... حفاظتِ خود اختیاری......!''

''وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں' مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔'' میں نے ڈانٹ سے مشابہ لہجے میں کہا۔''عارف کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سب کچھ کھول کر بیان کر دے گی۔ اگر تم نے واقعی اپنی جان بچانے کے لیے اسے دھکا دیا تھا' اور اس دھکے کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہوئی ہے تو یہ بات چھپی نہیں رہے گی اور اس صورت میں ظاہر ہے تم بے قصور قرار پاؤ گے لیکن اس سے پہلے اس بات کا فیصلہ کیا جائے گا کہ عارف کا تم پر شک درست تھا' یا غلط۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''جی میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں' لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی جناب! میں دو چار مرتبہ تو عارف ہی کے بھیجنے پر اس کے گھر گیا ہوں یا پھر آخری چند دنوں میں وہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے' اور وہ بھی شاہدہ کو سمجھانے کے لیے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائے۔ میں نے اسے عارف کے خطرناک عزائم سے بھی آگاہ کیا تھا' لیکن افسوس کہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔''

میں نے پوچھا۔''کیا شاہدہ نے داؤد کے حوالے سے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا تھا؟''

''نہیں جناب! وہ تو سرے سے انکاری تھی۔'' اس نے جواب دیا۔''اسی لیے میری نصیحت کا بھی اس پر اثر نہیں ہوا' لیکن جہاں تک عارف کے مجھ پر شک کا تعلق ہے' تو میں سمجھتا ہوں یہ صرف اس کی غلط فہمی تھی...... میں ایسا بندہ نہیں ہوں جناب!''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ "داؤد کی باتیں میں داؤد ہی سے کروں گا اور جب تک دونوں میاں بیوی کی پوسٹ مارٹم رپورٹس نہیں آ جاتیں، تم سرکاری مہمان نوازی کا لطف اٹھاؤ گے۔"

"مہمان نوازی" وہ خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں نے تو سن رکھا ہے کہ آپ مہمان نوازی کے نام پر......"

"تمہارے ساتھ فی الحال ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ "جب تک تم قصور وار ثابت نہیں ہو جاتے، تم بڑے آرام سے حوالات میں وقت گزار سکتے ہو۔"

وہ بے حد مطمئن اور پُرسکون نظر آنے لگا۔

میں نے عارف کی لاش کو اسپتال بھجواتے وقت خصوصی ہدایت کر دی تھی، کہ اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ، شاہدہ کی رپورٹ کے ساتھ ہی بھیجی جائے۔ اس ہدایت کی روشنی میں انہوں نے عارف کا پوسٹ مارٹم ہنگامی بنیادوں پر کرنا تھا۔

آئندہ روز دوپہر کے بعد شاہدہ اور عارف کی پوسٹ مارٹم شدہ لاشیں ابتدائی رپورٹس کے ساتھ آ گئیں۔ میں نے نہایت ہی باریک بینی سے باری باری دونوں رپورٹس کا مطالعہ کیا۔

شاہدہ کی رپورٹ کے مطابق، اس کی موت آٹھ اکتوبر کی صبح چار اور پانچ بجے کے دوران واقع ہوئی تھی۔ اسے حالتِ نیند میں شہ رگ کاٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔

عارف کی پوسٹ مارٹم رپورٹ اس کی موت کا وقت سات اور آٹھ بجے کے درمیان بتاتی تھی اور موت کا سبب کنپٹی اور سر میں لگنے والی شدید چوٹیں تھی۔ یہ مہلک چوٹیں اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی تھیں۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹس کی روشنی میں یوسف حلوائی کا بیان درست نظر آتا تھا، لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا اور تنبیہی انداز میں کہا۔

"یوسف! عارف اور شاہدہ کے رشتے داروں میں تم ہی ایک باقی ہو، اس لیے ان کے کفن دفن کا بندوبست بھی تمہیں ہی کرنا ہے، لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا کہ ابھی اس

کیس کی تفتیش مکمل نہیں ہوئی۔ جب تک داؤد میرے ہتھے نہیں چڑھ جاتا، تم بخت پور سے باہر کہیں نہیں جاؤ گے......اور اگر جانا بہت ہی ضروری ہو تو تم پیشگی مجھے مطلع کرو گے؟"

"ٹھیک ہے جناب...... میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔" اس نے بڑی فرماں برداری سے کہا۔

اس جوڑے کی تدفین کے تین روز بعد میں نے داؤد کو پکڑ لیا۔ وہ بخت پور سے چک عمر گیا تھا، پھر وہاں سے کسی الیاس گھمن نامی شخص کے ہمراہ بدری دال پہنچ گیا تھا۔ بدری دال سے مجھے پتا چلا کہ وہ اور الیاس گھمن، نذیر نامی ایک بندے کے ساتھ موضع نور چمن چلے گئے تھے۔ داؤد کو میں نے نور چمن سے گرفتار کیا۔

جب داؤد کو تفتیش کی چکی میں پیسا گیا، تو اس نے شاہدہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا اقرار کر لیا۔ میں نے جب اس سے کہا کہ اس کی حرکتوں کے باعث ایک گھر اجڑ گیا، تو وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تھانیدار صاحب! جو لوگ اپنے گھر...... اور اس گھر میں بسنے والوں کی جائز ضروریات کا خیال نہیں رکھتے، ان کا انجام ایک دن ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس غیرت بندے کو بہت دیر سے ہوش آیا۔"

میں نے داؤد کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا، اور غصیلے لہجے میں کہا۔

"عارف ایک اتفاقی حادثے میں چل بسا، ورنہ شاہدہ کے بعد تمہارا نمبر تھا۔ وہ تمہیں کسی قیمت پر چھوڑنے والا نہیں تھا، اور جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ وہ غیرت مند تھا، اس بات کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا، لیکن فی الحال میں تمہارا منہ بند کرنے کا بندوبست کرتا ہوں بدبخت انسان!"

یہ بات سامنے آ گئی تھی کہ داؤد کا براہِ راست ان دونوں میاں بیوی کی موت سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن بہرحال، اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں تھا، کہ عارف نے جو سنگین قدم اٹھایا تھا، اس کا محرک بھی شیطان داؤد ہی بنا تھا۔ عارف کو اپنی بیوی کی بے وفائی کے حوالے سے داؤد اور یوسف حلوائی پر شک تھا۔ عارف کے پڑوسی صداقت علی نے بھی کچھ اسی قسم کے شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا مگر میری پوچھ تاچھ کے نتیجے میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یوسف نے اپنی صفائی پیش کر دی تھی البتہ داؤد کے اقبالِ جرم نے مجھے اس کے خلاف قانونی کارروائی کا موقع فراہم کر دیا۔

داؤد اس علاقے کا ایک سکہ بند غنڈا تھا اور مخلوقِ خدا اس کے شر سے بڑی پریشان تھی۔ تفتیش کے دوران اس نے اپنے بہت سے کارناموں کا اعتراف بھی کیا تھا۔ ویسے وہ کسی بھی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' لہٰذا اس کی ''اصلاح'' اور لوگوں کے سکون و آرام کے لیے میں نے اسے کچھ عرصے کے لیے جیل بھیج دیا۔

عارف ایک غیرت مند انسان تھا یا غیرت بند' اس کا فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں' البتہ داؤد غنڈے کے یہ الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں...... جو لوگ اپنے گھر اور گھر میں بسنے والوں کی جائز ضروریات کا خیال نہیں رکھتے' ان کا انجام ایک دن ایسا ہی ہوتا ہے۔

عارف' شاہدہ کی جائز ضروریات پوری کرنے میں ''ناکام'' تھا' اور شاہدہ کی بے راہ روی میں اس محرومی نے سب سے خطرناک کردار ادا کیا تھا؟



شادی بربادی

2 لاشوں نے اس منظر کی دہشت ناکی کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ ان میں ایک لاش انسان کی جب کہ دوسری ایک بے زبان جانور کی تھی۔ وہ بے زبان اپنی زندگی کے آخری لمحات تک' اپنے مالک کا وفادار رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی جان دے دی تھی۔ اس کی لاش اپنے مالک کے اوپر پڑی تھی۔

سننے اور دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ انسان کی بہ نسبت' جانور میں وفاداری کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے' اور وہ یہ فرض نبھانے کے لیے اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتا' جیسا کہ اس گھوڑے نے کیا تھا۔ اس کی کٹی پھٹی لاش' اپنے مالک کی لاش کے اوپر پڑی اس امر کی نشاندہی کر رہی تھی' کہ اپنی جان قربان کرتے ہوئے وہ اپنے مالک کی ڈھال بنا ہوا تھا۔

مجھے جیسے ہی اس واقعے کی اطلاع ملی' میں جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔

ان دنوں میں ضلع لائل پور' موجودہ فیصل آباد کے ایک دور دراز تھانے میں تعینات تھا۔ دہرے قتل کی یہ واردات موضع کوٹلا معراج میں ہوئی تھی' جو میرے تھانے سے صرف آدھا میل دور تھا۔ قتل کی اطلاع مقتول کا چھوٹا بھائی ملک نوید لے کر آیا تھا' اور میں فوراً ہی اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ میں نے اپنے ہمراہ حوالدار خوش بخت کو بھی لے لیا تھا۔

جب ہم جائے وقوعہ پر پہنچے' تیز چمک دار دھوپ چاروں طرف پھیل چکی تھی' اور فضا میں ابھی خاصی گرمی موجود تھی۔ وہ ماہِ جون کے وسطی دن تھے۔ دن کا ابھی آغاز ہی ہوا

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا' لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم بھری دوپہر میں آ گئے ہوں۔ جائے واردات کھیتوں کے درمیان ایک مقام تھا' جہاں یہ دونوں لاشیں پڑی ملی تھیں۔ ان دنوں گندم کی کٹائی کا سیزن چل رہا تھا۔ کچھ کھیتوں میں تیار پکی ہوئی فصل کھڑی تھی' اور بعض کی فصل کو کاٹا جا چکا تھا۔ جس کھیت میں ملک نوید کے بڑے بھائی ملک وحید اور اس کے گھوڑے کی لاشیں پڑی تھیں' وہاں سے فصل کاٹی جا چکی تھی۔ جائے وقوعہ پر پہنچتے ہی میں لاشوں کے معائنے میں مصروف ہو گیا۔

ان دنوں چونکہ کھیتوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں' لہٰذا خاصی چہل پہل رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جائے وقوعہ پر کوئی درجن بھر افراد موجود تھے۔ یہ سب لوگ کھیتوں میں کام کرنے والے تھے' اور اس واقعے نے انہیں خاصا سراسیمہ کر دیا تھا۔ ہمیں اس طرف بڑھتے دیکھ کر جمگھٹا چھٹ گیا تھا' چنانچہ مجھے قانونی کارروائی کے لیے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

ملک وحید اور اس کے کتھئی گھوڑے کی لاشیں' جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا ہے' ایک دوسرے کے اوپر پڑی ملی تھیں' اور دونوں لاشوں کی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ گھوڑے کی لاش کو ہٹا کر جب میں نے ان کا بغور جائزہ لیا' تو پتا چلا کہ ان کے بدن پر متعدد کٹ لگے ہوئے تھے' جن میں سے بعض تو تین تین' چار چار انچ تک گہرے تھے۔ لگتا تھا' کسی تیز دھار آلے کی پے در پے ضربات نے انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ بعض وار اتنے کاری اور خطرناک تھے' کہ جان لیوا ثابت ہوئے' اور وہ دونوں موقع پر ہی زندگی کی بازی ہار گئے۔ مجھے اس حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں قطعاً کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا کہ گھوڑے نے اپنی آخری سانسوں میں بھی ملک وحید کو کور دینے کی بھرپور کوشش کی تھی' اور پھر بے جان ہو کر اس کے اوپر ہی گر گیا تھا' یہ الگ بات ہے کہ ملک وحید اپنے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس سے پہلے ہی جاں بحق ہو چکا تھا۔

ایک بات یہ بھی سمجھ میں آئی کہ حملہ آور دو یا دو سے زیادہ افراد تھے' کیونکہ یہ کسی اکیلے آدمی کا کام نظر نہیں آتا تھا۔ گھوڑے اور ملک وحید کو اچانک گھیرے میں لے کر مارا گیا تھا۔ یہ ایک منظم واردات دکھائی دیتی تھی' اور مجھے ننانوے فیصد یقین تھا' کہ تیز دھار

کلہاڑیوں کے وار کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔

لاشوں کے تفصیلی معائنے کے بعد میں نے جائے وقوعہ کا نقشہ تیار کیا۔ اس سلسلے میں حوالدار خوش بخت نے میری بھرپور مدد کی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ملک وحید کی کٹی پھٹی لاش کو پوسٹ مارٹم کی غرض سے ضلع اسپتال بھجوا دیا' اور موقع پر موجود افراد سے اس واقعے کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا۔

دس پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا' کہ ان افراد میں سے کوئی بھی اس واقعے پر ایسی روشنی ڈالنے کے قابل نہیں' جس سے میں کوئی فائدہ اٹھا سکوں۔ وہ سب مقتول اور اس کے کتھئی گھوڑے سے بخوبی واقف تھے' لیکن اس خونیں واردات کے حوالے سے کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ میں نے براہِ راست مقتول کے چھوٹے بھائی ملک نوید سے پوچھ لیا۔

''نوید! تمہیں اس اندوہناک واقعے کے بارے میں کب اور کیسے پتا چلا؟''

ملک نوید کی عمر لگ بھگ پچیس سال رہی ہو گی۔ وہ درمیانے قد کا مالک ایک صحت مند اور خوبرو جوان تھا۔ اس نے گھنی' بڑی آن بان والی مونچھیں رکھ چھوڑی تھیں۔ اس کی شخصیت خاصی متاثر کن اور رعب دار تھی۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔ ''جناب! میں تو اس وقت حویلی میں تھا' جب مجھے پتا چلا کہ بڑے ملک صاحب کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

''بڑے ملک'' سے اس کی مراد مقتول ملک وحید تھی۔ اس کا مطلب تھا' وہ خود ''چھوٹا ملک'' کہلاتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''تمہیں یہ بات کس نے بتائی کہ ملک وحید کو کسی نے قتل کر دیا ہے؟''

''جیرا موچی نے......!'' اس نے بتایا۔

''جیرا موچی......!'' میں نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے دہرایا پھر کہا۔ ''کیا جیرا موچی یہاں موجود ہے؟''

''نہیں جناب!'' ملک نوید نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''جیرا اس وقت ان لوگوں میں موجود نہیں۔''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"وہ کہاں چلا گیا؟" میں نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "مجھے تو جیرا موچی سے بہت ساری باتیں کرنا تھیں؟"

"آپ میرے ساتھ حویلی چلیں جناب!" ملک نوید نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں جیرا کو وہیں بلا لیتا ہوں۔ ساری باتیں ادھر بیٹھ کر ہی کریں گے۔ بھابی جی حویلی میں اکیلی ہیں۔ وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"بھابی جی۔" غالباً مقتول کی بیوہ تھی۔ اس عورت کو تو پریشان ہونا ہی چاہیے تھا۔ شوہر کو پیش آنے والا واقعہ اس سے چھپایا نہیں ہوگا۔ میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ مجھے مقتول کی حویلی چلنا چاہیے' تاکہ اس کی بیوہ سے بھی پوچھ تاچھ ہو جائے' اور جیرا موچی کا انٹرویو بھی۔ جائے وقوعہ پر موجود لوگوں پر وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں تھا' لہٰذا میں ملک نوید کے ساتھ اس کی حویلی آ گیا۔

موضع کوٹلا معراج میں دو حویلیاں تھیں۔ ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ بڑی حویلی میں اس گاؤں کا چودھری رہتا تھا' اور چھوٹی حویلی ملک وحید اور ملک نوید کے تصرف میں تھی۔ ان دونوں خاندانوں میں کوئی تعلق یا رشتے داری نہیں تھی۔ وہ گاؤں چودھری سراج کے باپ چودھری معراج کے نام سے منسوب تھا' جو اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا تھا۔ چودھری سراج بھی اس وقت ستر کے پیٹے میں تھا اور اس کی صحت دبی زبان میں یہی اعلان کرتی تھی' کہ اب تب میں اس کا بلاوا آنے والا ہے۔

ملک وحید اور ملک نوید کی حیثیت ایک کھاتے پیتے زمیندار گھرانے کی تھی۔ ان کے والد ملک حاکم کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب یہ دونوں بھائی دو منزلہ حویلی میں رہتے تھے...... بلکہ اس واقعے کے بعد تو ان دونوں میں سے ایک ہی باقی بچا تھا' جو مجھے اپنے ساتھ حویلی لے آیا تھا۔ یہیں آ کر یہ بتا چلا کہ مقتول اپنی بیوی کے ساتھ حویلی کی بالائی منزل پر رہائش پذیر تھا' جبکہ زیریں منزل ملک نوید کے استعمال میں تھی' جو کہ ابھی غیر شادی شدہ تھا۔

ملک نوید نے مجھے حویلی کی زیریں منزل پر ایک سجی سجائی بیٹھک میں بٹھایا' اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ "جناب! آپ تشریف رکھیں میں جیرا کو بلوانے کے لیے کسی کو

بھیجتا ہوں۔"

میں نے تشریف رکھ دی۔ حوالدار خوش بخت کو میں نے لاش کے ساتھ ہی سرکاری اسپتال روانہ کر دیا تھا' لہٰذا اس وقت میں وہاں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک نوید واپس آ گیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تھانے دار صاحب! ایک بندے کو میں نے جیرا کی طرف دوڑایا ہے۔ وہ اسے ڈھونڈ کر لے آئے گا' لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا جناب! بڑے ملک صاحب کے ساتھ یہ کس قسم کا واقعہ پیش آیا ہے......"

اس کی پریشانی اور غم عین فطری امر تھا۔ اس حویلی میں وہ دونوں بھائی رہائش پذیر تھے۔ بڑے بھائی کی المناک اور عبرت انگیز موت نے ملک نوید کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے اس کی کیفیت کے پیش نظر کہا۔

"ملک نوید! جو کچھ پیش آیا ہے' وہ تمہارے سامنے ہے۔ یہ کسی بدترین دشمنی کا شاخسانہ دکھائی دیتا ہے۔ اب تم مجھے بتاؤ گے کہ اس واردات میں ملک وحید کے کس دشمن کا ہاتھ ہو سکتا ہے...... یہ کوئی اتفاقی حادثہ تو بہرحال نہیں ہے......!"

"جناب......!" وہ دکھی لہجے میں بولا۔ "میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا۔ بڑے ملک صاحب کی موت نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی چھین لی ہے۔ میں کیا بتاؤں...... کیا بتاؤں جی...... کہ کس دشمن نے انہیں اس حال کو پہنچایا ہے۔ ان کا تو ایسا کوئی بھی دشمن نہیں جناب!"

اس کے لہجے کی ناتوانی اور اعضا کی مضمحلی سے ہر لحہ یہی اندازہ ہوتا تھا' کہ وہ بولتے بولتے یک دم بے ہوش ہو جائے گا۔ بڑے بھائی کی ناگہانی موت نے اسے بُری طرف توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کی حالت بڑی افسوس ناک تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا' تو شاید میں اسے پہلی فرصت میں آرام کا مشورہ دیتا۔ اس کی کیفیت خاصی غیر ہو رہی تھی' لیکن میں اسے اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ جب تک مجھے اس واردات کا کوئی سراغ نہیں مل جاتا' میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتا تھا' لہٰذا میں نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"نوید! میں تمہارے دکھ درد میں برابر کا شریک ہوں' لیکن ظاہر ہے' میں ایسا کچھ

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں کر سکتا کہ تمہاری تکلیف کو خود پر لے لوں۔ ہاں البتہ......'' میں لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں البتہ......اگر تم مجھ سے بھرپور تعاون کرو تو یہ ہو سکتا ہے' کہ میں جلد از جلد تمہارے بھائی کے قاتل یا قاتلوں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دلوا دوں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا......؟''

''سمجھ تو رہا ہوں جناب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ میں آپ سے کیا......اور کس قسم کا تعاون کروں......!''

بات ختم کر کے اس نے گردن جھکا لی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ملک نوید! بھائی کی موت کا صدمہ اپنی جگہ' لیکن تم کوئی ننھے بچے نہیں جو یہ بات نہ سمجھ سکو کہ تمہارے بڑے بھائی کے ساتھ جو افسوس ناک واقعہ پیش آیا ہے' وہ اس کے کسی دوست کا کارنامہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے کام دشمن ہی کیا کرتے ہیں...... جانی دشمن! اور تم کہتے ہو کہ ملک وحید کا کوئی دشمن نہیں تھا!''

''وہ جناب! میں ان کے ایسے کسی دشمن سے تو واقف نہیں ہوں' جو اتنا سنگین قدم اٹھا سکتا ہو۔ چھوٹی موٹی ناراضی وغیرہ تو چلتی رہتی ہے۔'' وہ کمزور سی آواز میں بولا۔

''چھوٹی موٹی ناراضی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''چھوٹی موٹی ناراضی کس سے تھی تمہارے بھائی کی؟''

''پچھلے دنوں چودھری صاحب سے تھوڑی بدمزگی ہو گئی تھی جناب!''

''چودھری صاحب!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے' چودھری سراج سے کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی؟''

''جی ہاں......میں چودھری سراج ہی کی بات کر رہا ہوں۔''

یہ وہی چودھری سراج تھا' جس کا پیچھے میں نے ذکر کیا ہے۔ چودھری معراج کا بیٹا' جو اپنی عمر کی ستر بہاریں دیکھ چکا تھا۔ میں نے ملک نوید سے پوچھا۔

''چودھری سراج سے کس بات پر گڑبڑ ہوئی تھی؟''

''بس جی' زمینداری میں آئے دن کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا رہتا ہے۔'' وہ بددلی

سے بولا۔ ''چودھری سراج خود کو اس گاؤں کا مالک و مختار سمجھتا ہے' اور ہم لوگ اس کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں۔ اس کے بعد ہماری ہی زمین باقی لوگوں میں سب سے زیادہ ہے۔ اسے ڈر ہے کہ کل کلاں ہم کہیں اس کے مدِّ مقابل نہ آن کھڑے ہوں۔''

''آپ لوگوں کے پاس کتنی زمین ہے؟'' میں نے سرسری انداز میں استفسار کیا۔

اس نے جواب دیا۔ ''اسّی ایکڑ!''

''اسّی ایکڑ اچھی خاصی اراضی ہوتی ہے ملک نوید!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ ''اور چودھری سراج کی زمینوں کا کیا حساب ہے؟''

''چودھری سراج دو سو ایکڑ سے زیادہ زمین کا مالک ہے۔'' ملک نوید نے جواب دیا۔ ''لیکن اس کی ہوس اور حرص کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ قبر میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھا ہے' اور خواہش ایسی ہے کہ جیسے سب کچھ سمیٹنا چاہتا ہو......اس نے بڑے ملک صاحب کو پچھلے دنوں ایک پیش کش کی تھی......''

''کیسی پیش کش ملک نوید!'' وہ جیسے ہی خاموش ہوا' میں نے سوال کر ڈالا۔

اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے ابھی چودھری کی جس حرص و ہوس کا ذکر کیا ہے نا جناب......اس پیش کش کا تعلق اسی سے ہے۔ چودھری نے بڑے ملک صاحب سے کہا تھا کہ وہ منہ مانگی رقم لے کر اپنی اسّی ایکڑ اراضی اس کے ہاتھ فروخت کر دیں' لیکن ملک صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ آپ خود سوچیں تھانے دار صاحب! اگر زمیندار اپنی تمام تر زمین کسی کے ہاتھ فروخت کر دے گا' تو پھر اس کے پاس بچے گا ہی کیا؟'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا' ایک بوجھل سانس خارج کی' اور اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جب بڑے ملک صاحب نے چٹا انکار کر دیا' تو چودھری سراج کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ظاہر ہے' پھر ان کے درمیان کوئی خوش گوار بات تو ہو نہیں سکتی تھی۔ ملک صاحب نے بعد میں گھر آ کر مجھے بتایا تھا' کہ ان کے اور چودھری کے بیچ اچھی خاصی گرما گرمی ہو گئی تھی۔''

''ہوں......'' اس کی بات سن کر میں گہری سوچ میں ڈوب گیا' پھر ٹھہرے ہوئے

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لہجے میں دریافت کیا۔ ''تمہارے خیال میں' اس واقعے میں چودھری سراج کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟''

''دیکھیں جناب! مجھے مرنے کے بعد اپنی قبر میں جانا ہے۔'' وہ سپاٹ آواز میں بولا۔ ''جب میں نے اپنی آنکھوں سے کچھ نہیں دیکھا' تو وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا' لیکن اتنا جانتا ہوں کہ چودھری سراج بڑا کینہ پرور آدمی ہے' اور اس نوعیت کے کاموں کے لیے اس نے غنڈے بھی پال رکھے ہیں' لیکن جناب...... آپ میری بات کا کوئی ایسا ویسا مطلب نہیں نکالیے گا۔ میں دراصل آپ کو بتا رہا تھا کہ......''

''میں سمجھ رہا ہوں نوید! تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''چودھری سراج کو تو میں اپنے طور پر خود ہی چیک کر لوں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ گزشتہ رات تمہارا بھائی ملک وحید حویلی کے اندر موجود تھا؟''

میں نے جائے وقوعہ پر ملک وحید اور گھوڑے کی لاشوں کا بغور جائزہ لیا تھا۔ ان کے کٹے پھٹے جسموں پر جمے ہوئے خون سے اندازہ ہوتا تھا' کہ ان کے ساتھ وہ مہلک واقعہ رات کے درمیانی حصے میں پیش آیا تھا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا' کہ ملک وحید گزشتہ رات کو اپنے گھر میں نہیں تھا' یا یہ کہ اسے گھر سے بلایا گیا تھا۔ حقیقت کیا تھی' یہ ملک نوید کے جواب ہی سے کھل سکتی تھی۔ اس نے بڑے سادہ سے لہجے میں بتایا۔

''تھانے دار صاحب! بڑے ملک صاحب کل صبح کو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر موضع قلعہ فرمان علی گئے تھے' اور میری معلومات کے مطابق رات کو ان کی واپسی نہیں ہوئی تھی' اور پھر صبح پتا چلا کہ......'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

میں نے چند لمحات کے بعد پوچھا۔ ''موضع قلعہ فرمان علی وہ کس کام سے گیا تھا' اور یہ کہ...... اس نے اپنی واپسی کے پروگرام کے بارے میں کیا بتایا تھا؟''

جواب دینے سے پہلے اس نے ایک لمحہ سوچا اور بولا۔ ''ادھر قلعہ فرمان علی میں ان کا ایک دوست مہر سلیم رہتا ہے۔ وہ جب بھی اُدھر جاتے ہیں تو اسی کے پاس جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے' وہ کل بھی مہر سلیم ہی سے ملنے گئے ہوں گے۔ ویسے ان کے پروگرام کا صحیح علم بھابی صاحبہ کو ہو گا...... یہ دلخراش واقعہ تو بتاتا ہے کہ ان کی واپسی ہوئی تھی اور......!''

وہ ایک مرتبہ پھر بے حد جذباتی ہو گیا۔ اسی لمحے ایک آدمی نے آ کر بتایا کہ وہ جیرا موچی کو بلا لایا ہے۔ غالباً یہ وہی شخص تھا' جسے ملک نوید نے جیرا کی طرف دوڑایا تھا۔ نوید نے فوراً جیرا کو بیٹھک میں بلا لیا۔

جیرا ایک سوکھا سڑا سیاہ رو بندہ تھا۔ چہرے کی پختگی سے اندازہ ہوتا تھا' کہ اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہو گی' لیکن ''صحت اور جثے'' کی بدولت وہ تیس سے زیادہ کا نظر نہیں آتا تھا۔ چمڑے کے ساتھ مختلف نوعیت کی طبع آزمائی نے اسے بھی جیسے چمڑے ہی کا بنا کر رکھ دیا تھا۔ جیرا موچی کا تعلق موضع کوٹلا معراج ہی سے تھا۔

ملک نوید نے جیرا کو میری آمد کی غرض و غایت کے بارے میں مناسب الفاظ میں بتایا' اور حکم دیا کہ میں اس سے جو بھی سوال کروں وہ اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے۔ وہ بڑی فرماں برداری سے اثبات میں گردن ہلا کر میری جانب متوجہ ہو گیا۔

میں نے آئندہ پندرہ منٹ تک گھما پھرا کر اس سے لگ بھگ دو درجن سوالات کیے' لیکن اس کے جوابات میں سے ایک بھی ایسی بات حاصل نہ کر سکا' جو وحید مرڈر کیس کو حل کرنے میں کسی حوالے سے مددگار ثابت ہو سکتی۔ وہ ایک سیدھا سادا سا موچی تھا۔ علی الصبح وہ رفعِ حاجت کے لیے کھیتوں کی طرف گیا تھا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا' کہ جائے وقوعہ کی صورتِ حال نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ وہ جب لاشوں کے قریب پہنچا تو یہ جان کر چونک اٹھا کہ گھوڑے کی لاش کے نیچے ملک وحید کی لاش دبی ہوئی تھی۔ وہ ملک وحید اور اس کے کمیتی گھوڑے کو اچھی طرح پہچانتا تھا' لہٰذا اس منظر نے اسے وحشت زدہ کر دیا' اور وہ دوڑا دوڑا ملک نوید کے پاس پہنچ گیا۔

اس اندوہناک واقعے کی خبر جب چھوٹی حویلی میں پہنچی' تو وہاں کہرام مچ گیا۔ اس حویلی کی بالائی منزل پر مقتول کی بیوی کی رہائش تھی۔ ان کی شادی کو پانچ سال گزر گئے تھے' لیکن ابھی تک ان کی کوئی اولاد منظر پر نہیں آئی تھی' لہٰذا وہ حویلی کی بالائی منزل پر بچوں کے بغیر ہی رہتے تھے۔ زیریں منزل پر چھوٹے ملک کا قبضہ تھا۔ وہ جیرا موچی کے ساتھ آناً فاناً جائے واردات پر پہنچا' اور اپنی آنکھوں سے اس وحشت ناک منظر کی تصدیق کر لی...... بعدازاں ملک نوید نے واپس حویلی جا کر اپنی بھابی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور میرے پاس تھانے آ گیا۔

میں نے جیرا موچی کو فارغ کر دیا۔ جب وہ ملک نوید کا اشارہ پا کر بیٹھک سے نکل گیا' تو میں نے غم زدہ ملک سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''نوید! میں تمہاری بھابی سے بھی دو چار باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا نام ہے ملک وحید کی بیوی ...... میرا مطلب ہے' بیوہ کا؟''

''ان کا نام تو نور جہاں ہے' لیکن وہ ''نوری'' مشہور ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ اوپر والی منزل پر ہیں۔ میں انہیں نیچے بلاؤں یا آپ......؟''

اس نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا' تو میں نے جلدی سے کہا۔ ''اسے زحمت نہ دو۔ میں ہی اوپر جا کر اس سے مل لیتا ہوں' تم آؤ میرے ساتھ۔''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی' اور میرے حکم کی تعمیل کر دی۔ میں اس کی معیت میں حویلی کی اوپری منزل پر پہنچ گیا۔ ملک نوید نے مجھے ایک ایسے کمرے میں بٹھایا' جو کسی بیٹھک یعنی ڈرائنگ روم کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ میں ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھ چکا تو اس نے کہا۔

''میں بھابی صاحبہ کو لے کر آتا ہوں جناب!''

میں نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا' اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

✹✹✹

اللہ کی شان نرالی' اور کام انوکھے ہیں۔ اس کی مصلحت اور حکمت کو سمجھنا آسان نہیں' اور جو لوگ اس کی قدرت کے مزاج سے آشنائی حاصل کر لیتے ہیں' وہ انہیں اپنا دوست بنا لیتا ہے' پھر انہیں دنیا جہان اور آخرت کا کوئی غم نہیں رہتا۔

میں نے اس حویلی میں قدم رکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا' کہ اوپر نیچے کی منزلوں کو ملا کر وہاں درجن بھر کمرے تو ہوں گے ہی' اور مکینوں کی تعداد صرف تین تھی' اور اللہ کی قدرت ہمیں کہیں ایسا بھی دکھاتی ہے' کہ گھر کے افراد درجن سے زیادہ ہیں' مگر انہیں رہائش اختیار کرنے کے لیے محض تین کمرے دستیاب ہیں۔ بہرحال...... اس چھوٹی حویلی کے درجن بھر کمروں پر صرف تین افراد کی حکمرانی تھی' اور اب یہ بھی گھٹ کر دو ہی رہ گئے تھے۔ بالائی منزل کی مکین نوری' اور زیریں منزل کا رہائشی ملک نوید۔ ملک وحید کی المناک موت نے اس حویلی کا سربراہ چھین لیا تھا۔

میں زندگی اور موت کے انہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا' کہ ملک نوید اپنی بیوہ بھابی نوری کو لے کر بیٹھک میں آ گیا۔ وہ گردن جھکا کر اندر داخل ہوئی' پھر دیور کے کہنے پر' وہ میرے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ ملک نوید بھی ایک طرف بیٹھ گیا' اور عاجزی سے بولا۔

''تھانیدار صاحب! میں نے بھابی صاحبہ کو آپ کے بارے میں بتا دیا ہے۔ آپ نے ان سے جو بھی سوالات کرنا ہیں' ذرا جلدی کر لیں۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ بڑے ملک صاحب کی موت نے......''

''ہاں! میں جانتا ہوں!'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اور مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ تمہاری بھابی پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی ہے' لیکن میں جو کچھ کر رہا ہوں' وہ بھی بہت ضروری ہے بہر حال......" میں سانس لینے کے لیے رکا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں کوشش کروں گا کہ اسے جلدی فارغ کر دوں۔"

"بہت بہت شکریہ تھانیدار صاحب!" وہ ممنونیت آمیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ "ملک نوید! میری بات کا برا نہیں منانا...... میں دراصل تمہاری بھابی سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں' اس لیے......تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا......؟"

اس نے الجھن زدہ نظر سے باری باری مجھے' اور اپنی بھابی نوری کو دیکھا' پھر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "جی......جی سمجھ رہا ہوں...... آپ لوگ اطمینان سے بات کریں۔ میں آپ کے لیے لسی پانی کا بندوبست......!"

"کسی بندوبست کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ملک نوید۔" میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔ "یہ ایسا موقع نہیں کہ تم میری خاطر مدارت کا تکلف کرو۔ بس' میں دس پندرہ منٹ میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ تم تھوڑی دیر کے لیے......!"

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔ "جی' ٹھیک ہے۔ آپ کرلیں بات...... میں باہر جا رہا ہوں۔"

ملک نوید کے جانے کے بعد میں نوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نور جہاں عرف نوری ایک پُرکشش اور خوبصورت عورت تھی۔ اس کی عمر کا اندازہ میں نے پچیس اور تیس کے درمیان قائم کیا۔ بعدازاں پتا چلا کہ وہ اس وقت اٹھائیس سال کی تھی۔ قد پانچ فٹ کے قریب رہا ہوگا۔ بدن پُرکشش اور چست تھا۔ چہرہ گول' رنگت گندمی اور آنکھوں کا رنگ بادامی۔ اس کے سر کے بال شہد رنگ اور ریشمی تھے۔ میں نے نظر بھر کر اسے دیکھا' اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"نوری! مجھے تمہارے خاوند کی ناگہانی موت کا بڑا دکھ ہے' لیکن افسوس کہ میں ملک وحید کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا البتہ......" میں ذرا سی دیر کے لیے رکا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "البتہ' اگر تم مجھ سے تعاون کا وعدہ کرو' تو میں جلد از جلد اس کے قاتل یا

قاتلوں کو گرفتار کرلوں گا۔"

اس نے گردن اٹھا کر بھیگی ہوئی بادامی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کی لانبی پلکوں پر آنسوؤں کی چمک نمایاں تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے شنگرفی لب وا ہوئے۔ وہ مجھ سے مستفسر ہوئی۔

"آپ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں تھانیدار صاحب......؟"

"میں تم سے جو بھی سوال کروں' اس کا بالکل سیدھا اور درست جواب دینا نوری۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تعاون سے میری یہی مراد ہے۔"

"جی پوچھیں' آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟" وہ دھیرے سے بولی۔

میں نے پوچھا۔ "تمہارے خیال میں ملک وحید کو کس نے قتل کیا ہوگا؟"

"جی......میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ جزبز ہوتے ہوئے بولی۔ "آپ نے بڑا مشکل سوال کر دیا ہے تھانیدار صاحب......!"

"تم اس حوالے سے کچھ اندازہ تو لگا سکتی ہو۔" میں نے اپنے سوال کو ذرا مختلف انداز میں دہرایا۔ "ملک وحید کا ایسا کون سا جانی دشمن ہو سکتا ہے؟"

اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "جناب! میں تو ملک صاحب کے کسی بھی دشمن سے واقف نہیں ہوں۔ میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔"

"چھوٹے ملک......یعنی تمہارے دیور ملک نوید نے مجھے بتایا ہے کہ پچھلے دنوں مقتول ملک وحید اور یہاں کے چودھری سراج میں خاصی گرما گرمی ہو گئی تھی۔" میں نے تفتیش کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شاید زمین کی خرید و فروخت کا کوئی معاملہ تھا؟"

"جی ہاں! یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "نوید نے آپ کو غلط نہیں بتایا۔ ملک صاحب نے اس سلسلے میں مجھ سے بھی ذکر کیا تھا۔ وہ دراصل بات یہ ہے جناب......" وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکی پھر گمبھیر آواز میں بولی۔

"تھانیدار صاحب! ہمارے پاس صرف اسی ایکڑ زمین ہے' اور چودھری سراج ہم

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے کئی گنا زیادہ زمین کا مالک ہے۔ میں نے سنا ہے صرف کوٹلا معراج کے آس پاس ہی اس کا زرعی رقبہ دو سو ایکڑ سے زیادہ ہے' لیکن اس کی کوشش یہ ہے کہ ہم اپنی زمین اس کے ہاتھ فروخت کر دیں اور...... یہ بات ملک صاحب کو کسی بھی قیمت پر منظور نہیں تھی۔''

''ملک صاحب'' سے اس کی مراد مرحوم ملک وحید تھی۔ میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی کہ چودھری سراج کی ذات کے حوالے سے ان دیور بھابی کی رائے ایک جیسی تھی' تاہم تصدیق کی خاطر میں نے نوری سے مزید سوالات بھی کیے۔

''نوری! مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ چودھری سراج خاصا منتقم مزاج' اور غصہ ور شخص ہے۔ اس نے خاص طور پر چند غنڈے بھی پال رکھے ہیں؟''

''جناب! آپ نے بڑے مناسب الفاظ میں چودھری سراج کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''بہرحال' آپ نے جنہیں پالتو غنڈے کہا ہے' وہ چودھری کی نظر میں اس کے وفادار نمک خوار اور محافظ ہیں۔''

میں نے قدرے تیز آواز میں پوچھا۔ ''ملک نوید نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ ملک وحید کی موت میں چودھری سراج یا اس کے آدمیوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ تم اس بارے میں کیا کہتی ہو؟''

میں نے محض نوری کے دل کا حال جاننے کے لیے اندھیرے میں ایک تیر چھوڑا تھا' حالانکہ ملک نوید نے ایسا کوئی خدشہ ظاہر نہیں کیا تھا' البتہ اس نے واضح انداز میں انکار بھی نہیں کیا تھا۔ نوری نے اپنے دیور سے ملتا جلتا جواب ہی دیا۔

''تھانیدار صاحب! میرے پاس ایسا کوئی ثبوت تو نہیں کہ میں چودھری سراج پر کھلم کھلا الزام لگا سکوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''لیکن ایک بات ہے کہ چودھری سراج سے ملاقات کے بعد ملک صاحب خاصے پریشان ہو گئے تھے۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر جھنجلانے لگتے تھے۔ انہوں نے پچھلے پانچ سال میں مجھ پر کبھی اتنا غصہ نہیں کیا تھا' جو چند روز میں دیکھنے کو ملا......'' بولتے بولتے نوری کی آواز بھرا گئی۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے بتایا۔

''پچھلی دو راتوں میں' کل کی رات کو چھوڑ کر' میں نے انہیں نیند میں بڑبڑاتے

ہوئے بھی سنا تھا...... وہ...... وہ بہت الجھے ہوئے اور بے چین تھے۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''نوری! مجھے بتاؤ! ملک وحید نیند کی حالت میں کیا بڑبڑا رہا تھا؟''

''جناب...... ان کی بڑبڑاہٹ اور جھنجلاہٹ چودھری سراج کے حوالے سے تھی۔'' اس نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ ''میں نے انہیں اس قسم کے جملے بولتے ہوئے سنا تھا...... یہ چودھری سراج خود کو سمجھتا کیا ہے...... کیا میں اس کی دھونس میں آ جاؤں گا؟...... نہیں' کبھی نہیں...... میں اپنی زمین کسی بھی قیمت پر اس کے ہاتھ فروخت نہیں کروں گا......''

''ہوں......!'' میں نے اس کی بات کے اختتام پر معنی خیز انداز میں کہا۔

وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔ ''تھانیدار صاحب! میں بغیر کسی ثبوت کے الزام تراشی کے حق میں نہیں ہوں' لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ چودھری سراج کی وجہ سے ملک صاحب بہت پریشان تھے۔ باقی...... آپ خود سمجھدار ہیں!''

اس نے بات کے اختتام پر گیند میری کورٹ میں پھینک کر خاموشی اختیار کر لی' تو میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی' کہ چودھری سراج پر شک کے حوالے سے ان بھابی دیور کی سوچ میں خاصی مطابقت نظر آتی تھی۔ ملک نوید نے بھی ڈھکے چھپے انداز میں کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ میں نے نوری کی تسلی کی خاطر خاصے مضبوط لہجے میں کہا۔

''دیکھو نوری! میں تم سے ابتدا ہی میں وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہارے خاوند کے قاتل یا قاتلوں کو بہت جلد کیفرِ کردار تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ قانون سب کے لیے یکساں ہے۔ میری تحقیق اور تفتیش کے نتیجے میں اگر چودھری سراج یا اس کا کوئی بندہ اس واردات میں ملوث نظر آیا' تو انصاف اور قانون کے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ تمہیں اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں اور یہی بات میں نے ملک نوید کو بھی اچھی طرح سمجھا دی ہے۔''

''جی' بہت بہت شکریہ آپ کا۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور گردن جھکالی۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوالات کے زاویے کو تبدیل کرتے ہوئے نوری سے پوچھا۔ ”ملک نوید کی زبانی مجھے پتا چلا ہے کہ گزشتہ رات ملک وحید حویلی میں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ اپنے کسی دوست سے ملنے قلعہ فرمان علی گیا ہوا تھا؟“

”جی ہاں......! ایسی ہی بات ہے۔“ وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ”وہاں قلعہ میں ان کا ایک دوست مہر سلیم رہتا ہے۔ وہ مہر صاحب ہی سے ملنے گئے تھے۔“

”کیا مہر سلیم بھی مقتول سے ملنے یہاں کوٹلا معراج آتا رہتا ہے؟“

”جی تھانے دار صاحب!“ وہ بڑی رسان سے بولی۔ ”وہ تین مہینے میں یہ لوگ آپس میں ایک آدھ ملاقات ضرور کرتے تھے۔ کبھی تو مہر صاحب ہماری حویلی میں آ جاتے اور کبھی ملک صاحب ان سے ملنے قلعہ فرمان علی چلے جاتے تھے۔“

”نوری! ذرا سوچ کر بتاؤ‘ کیا کل بھی مقتول صرف مہر سلیم ہی سے ملنے گیا تھا‘ یا اسے قلعہ فرمان علی کے علاوہ بھی کہیں جانا تھا؟“

”جی......مجھے تو صرف قلعہ ہی کے بارے میں بتایا تھا۔“

”کیا وہ گزشتہ روز کسی خاص کام سے قلعہ فرمان علی گیا تھا؟“

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور جواب دیا۔ ”وہ جی‘ بات دراصل یہ ہے کہ ملک صاحب کو مہر سلیم سے کوئی رقم لینی تھی۔ وہ اسی مقصد سے وہاں گئے تھے!“

رقم کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ ”ملک وحید نے تمہیں یہ بھی بتایا ہو گا کہ اسے مہر سلیم سے کتنی رقم لینا تھی؟“

”جی......پانچ ہزار روپے!“ اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

”پانچ ہزار روپے......!“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں دہرایا۔

معزز قارئین! آپ کو میری اس حیرت پر حیران ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ آج کے نہیں‘ بلکہ آج سے لگ بھگ پچپن ساٹھ سال پہلے کے پانچ ہزار روپے کا ذکر ہے جب تین سے چار روپے میں ایک من اعلیٰ درجے کی گندم مل جایا کرتی تھی اور سونے کا بھاؤ ساٹھ ستر روپے تولہ ہوا کرتا تھا۔ آپ اس رقم کو آج کل کے کم از کم دس لاکھ روپے تو

سمجھ ہی لیں۔ نئی پود کی آسانی کے لیے بتاتا چلوں کہ میں نے گندم اور سونے کے وزن کا جو ذکر کیا ہے وہ علی الترتیب چالیس کلوگرام اور دس گرام ہے۔ اب آپ کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ گئی ہو گی کہ میں نے پانچ ہزار روپے کی رقم پر چونک کر حیرت کا اظہار کیوں کیا تھا۔

نوری نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں گردن ہلائی تو میں نے کہا۔ ”یہ تو اتنی بھاری رقم ہے کہ اس کے لیے کوئی بھی ملک وحید کی جان کا دشمن ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ اس کے پاس اتنی رقم موجود ہے۔“ ایک لمحے کے توقف سے میں نے پوچھا۔

”نوری! یہ بات اور کس کس کو معلوم تھی؟“

”میرا خیال ہے‘ ملک صاحب نے یہ بات صرف مجھے ہی بتائی تھی۔“ اس نے پُرسوچ انداز میں جواب دیا۔ ”یہ بات میرے‘ ملک صاحب اور مہر صاحب کے درمیان تھی۔ اگر مہر سلیم نے کسی اور کو بتا رکھا ہو تو میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی!“

اچانک میرے ذہن میں ملک نوید کے حوالے سے ایک جھماکا سا ہوا‘ اور اس جھماکے کا سبب ماضی بعید کا ایک واقعہ تھا۔ میں نے سنجیدہ لہجے میں نوری سے پوچھا۔ ”کیا تم نے اس رقم کا ذکر کسی اور سے بھی کیا تھا؟“

”نہیں جناب!“ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ”ملک صاحب نے خاص طور پر مجھے تاکید کی تھی‘ کہ میں اس کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤں۔“

”کیا ملک نوید اس راز سے واقف تھا؟“ میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ بڑے وثوق سے بولی۔ ”میں نے تو اسے بالکل نہیں بتایا۔ اگر ملک صاحب نے چھوٹے بھائی سے ذکر کر رکھا ہو‘ تو مجھے اس کی خبر نہیں۔“ وہ ایک لمحے کو متوقف ہوئی پھر مجھ سے استفسار کیا۔

”کیا نوید نے اس سلسلے میں آپ کو کچھ بتایا ہے؟“

”نہیں......اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔“ میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ ملک وحید کل صبح مہر سلیم سے ملنے قلعہ فرمان علی گیا تھا‘ اور رات کو اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔“

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"اس کا مطلب ہے' ملک صاحب نے رقم کے بارے میں نوید کو کچھ نہیں بتایا تھا۔" نوری نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا' پھر مجھ سے پوچھا۔ "تھانیدار صاحب! آپ نے ملک صاحب کی لاش کو اسپتال بھجوانے سے پہلے ان کے لباس کی تلاشی تو یقیناً لی ہوگی۔ کیا آپ کو وہ رقم ملی؟"

"مقتول ملک وحید کے لباس میں سے ایسی موٹی رقم برآمد نہیں ہوئی۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ "یہ تلاشی میں نے تمہارے دیور کی موجودگی میں لی تھی۔ مقتول کی مختلف جیبوں میں سے استعمال کی جو اشیاء اور ڈھائی سو روپے ملے' وہ میرے پاس محفوظ ہیں' اور میں نے ان چیزوں کی باقاعدہ فہرست بنائی ہے۔ کیس کی تفتیش مکمل ہونے کے بعد میں تمام اشیاء تمہارے حوالے کر دوں گا......"

"اگر پانچ ہزار کی رقم ملک صاحب کے پاس سے برآمد نہیں ہوئی' تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اسی رقم کی خاطر قتل کیا گیا ہے۔" نوری نے قیاس انگیز لہجے میں کہا۔ "کسی ظالم کو پتا چل گیا ہوگا کہ وہ ایک تگڑی رقم لے کر آ رہے ہیں۔ اس نے انہیں موت کے گھاٹ اتارا' اور رقم لے کر فرار ہو گیا۔" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ گردن جھکا کر خاموش ہو گئی۔

"ایسا ممکن ہے......" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ "لیکن میں ایک اور انداز سے بھی سوچ رہا ہوں۔"

"جی......وہ کیا؟" اس نے سر اٹھا کر نم ناک آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ملک وحید کے پاس کوئی رقم ہی نہ ہو۔ مہر سلیم سے ملنے کے بعد ہی پتا چل سکتا ہے کہ اس نے مقتول کو رقم دی تھی یا نہیں۔ ایک بات اور......"

میں سانس لینے کے لیے لمحے بھر کو رکا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارے خاوند کی لاش کا بغور جائزہ لیا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق' اس کی موت رات دس اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ کوٹلا معراج سے قلعہ فرمان علی صرف تین میل کے فاصلے پر ہے۔ کوئی بھی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے

میں قلعہ سے کوٹلا پہنچ سکتا ہے۔ اگر ہم ملک وحید کے قتل کا وقت دس بجے بھی فرض کر لیں' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لگ بھگ نو بجے قلعہ سے نکلا ہوگا' اور نو بجے کا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ عشاء کے بعد اندھیرے میں۔ اگر مقتول اپنے ساتھ اتنی بڑی رقم لے کر آ رہا تھا' تو اسے رات کے اندھیرے میں سفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ شاید اس کے پاس رقم تھی ہی نہیں...... ویسے اس بات کی تصدیق مہر سلیم سے ہو جائے گی۔"

وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "اگر ملک صاحب کے پاس رقم نہیں تھی' تو پھر کسی ظالم نے ان پر ظلم کیوں کیا......میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھانیدار صاحب......!"

"تم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے نوری۔" اس کی حالت کے پیش نظر میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ "اس لیے تم اس بارے میں سوچ کر اپنی پریشانی کو نہ بڑھاؤ۔ میں سب پتا چلا لوں گا۔ تم صرف مجھے اتنا بتاؤ کہ کل گھر سے روانہ ہوتے وقت مقتول نے اپنی واپسی کے بارے میں تمہیں کیا بتایا تھا؟"

"انہوں نے کہا تھا......" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ "اگر مہر سلیم نے رقم دے دی تو وہ اندھیرا ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائیں گے' اور اگر وہاں دیر ہو گئی' تو پھر وہ اگلی صبح یعنی آج ہی واپس آئیں گے......"

"عقل مندی کا تقاضا بھی یہی تھا۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقتول کے پاس رقم نہیں تھی' ورنہ رقم سمیت وہ رات کے اندھیرے میں کبھی سفر نہ کرتا' اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ رقم کے بغیر رات ہی کو کیوں واپس آ گیا' اس کا جواب مہر سلیم کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ میں یہاں سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا قلعہ فرمان علی جاؤں گا۔"

میرے اس ارادے پر نوری نے کچھ نہ کہا' اور گردن جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "نوری! ایک بہت ہی ذاتی سا سوال ہے!"

اس نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھا کر سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں مضطرب استفسار کی جھلک بڑی نمایاں تھی' تاہم وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔ میں نے پوچھا۔ ''نوری! اپنے دیور ملک نوید کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''جی......!'' وہ چونکتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''م...... میں کچھ...... سمجھی نہیں......؟''

میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب ہے' ملک نوید تمہاری نظر میں کیسا آدمی ہے؟''

جواب دینے کے بجائے نوری نے بے ساختہ بیٹھک کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا' جیسے اسے ڈر ہو کہ کہیں ملک نوید بند دروازے کے پیچھے کھڑا اس کی باتیں نہ سن رہا ہو۔ اس کی دیکھا دیکھی میری نگاہ بھی بلاارادہ مذکورہ دروازے کی جانب اٹھ گئی' اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے واقعہ ملک نوید دروازے کے پیچھے چھپا کھڑا ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا' اور خاموشی سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اسی لمحے دروازے کے عقب میں قدموں کی مدھم آواز ابھری' جیسے کوئی افراتفری میں' مگر بڑی احتیاط کے ساتھ وہاں سے ہٹا ہو۔ حویلی کی بالائی منزل پر اس وقت ہم تینوں کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔ میں اور نوری بیٹھک کے اندر موجود تھے۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا' کہ ملک نوید دروازے کے پیچھے چھپ کر نہ صرف یہ کہ ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا' بلکہ وہ دروازے کی کسی جھری میں سے ہمیں دیکھ بھی رہا تھا' اور...... اس نے مجھے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ لیا تھا' جبھی وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

میں نے دروازہ کھول کر راہ داری میں' ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا۔ ملک نوید یا کوئی اور بندہ بشر مجھے دکھائی نہ دیا۔ میں دروازہ بند کر کے واپس نوری کے پاس آ گیا' اور اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے اس سے کہا۔

''نوری! ادھر کوئی بھی نہیں۔ تم بے دھڑک ہو کر میرے سوال کا جواب دو۔''

اس نے سوال کو دہرانے کی فرمائش نہیں کی' اور چبھتے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوئی۔

''تھانیدار صاحب! آپ کہیں نوید پر تو شک نہیں کر رہے؟''

''شک کی ہمیں گھٹی دی جاتی ہے نوری۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے کہا۔ ''پولیس ٹریننگ کے دوران میں ہر پولیس والے کو سکھایا جاتا ہے کہ کس طرح ہر شے کو شک وشبے کی نگاہ سے دیکھ کر تفتیش کا آغاز کیا جاتا ہے' اور اس سلسلے میں کوئی بھی مبرا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات' ہمیں اپنے گھر والوں ماں باپ' بہن بھائی اور بچوں' بیوی پر بھی شک کرنا پڑتا ہے' حتیٰ کہ ہم بعض انتہائی نازک اور سنگین حالات میں اپنی ذات کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ تو......''

میں لمحے بھر کو سانس ہموار کرنے کے لیے رکا' پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تو...... میں تمہیں یہ بتا رہا تھا' کہ پولیس کی تفتیش کی گاڑی ہمیشہ شک کے پٹرول سے چلتی ہے۔ تمہارے خاوند کا قتل بڑے پُراسرار انداز میں ہوا ہے۔ اس کے قاتل تک پہنچنے کے لیے مجھے ہر اس شخص پر شک کرنا ہے' جو کسی نہ کسی زاویے سے اس سے تعلق رکھتا ہے۔ انہی افراد میں ملک نوید بھی شامل ہے' اور تم بھی......!''

''م...... میں......؟'' وہ بوکھلا گئی پھر خوف زدہ لہجے میں مستفسر ہوئی۔ ''میں کیوں ملک صاحب کو...... قتل...... کروں گی......!''

''میں نے کہا ہے نا' تم اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو۔'' میں نے نوری کی کیفیت کے پیش نظر کہا۔ ''میں تمہیں یا ملک نوید کو تمہارے خاوند کا قاتل نہیں ٹھہرا رہا...... یہ تو ''شک'' کی تفصیل تھی۔ ہم اپنی تفتیش کے دوران میں معمولی سے معمولی بات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ اسی طرح ہم اصل مجرم تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں......'' میں نے تھوڑا توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''اگر تم یا ملک نوید اس معاملے میں ملوث نہیں' تو تمہیں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تو اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔''

''اوہ......!'' اس نے ایک تسلی بھری سانس خارج کی' اور مطمئن انداز میں بولی۔

''تھانیدار صاحب! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا......''

''تمہارے ہاتھ صاف ہیں تو پھر ڈر کیسا؟'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب تم ملک نوید کے حوالے سے میرے سوال کا جواب بھی دے دو۔''

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ ''میرے خیال میں...... نوید اس قسم کی حرکت نہیں...... کر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سکتا جناب!''

''ٹھیک ہے نوری!'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔'' تمہارا جواب مجھ تک پہنچ گیا۔ دراصل یہ سوال ایک خاص واقعے کی وجہ سے ہی میرے ذہن میں آیا تھا۔ کافی عرصہ پہلے کی بات ہے' چھوٹے بھائی نے' اپنے بڑے بھائی کو دولت کے حصول کی خاطر قتل کر کے ایک برساتی گڑھے میں پھینک دیا تھا۔ بعدازاں' میں نے اصل قاتل کو گرفتار کر لیا تھا۔ ان دونوں واقعات میں قدرِ مشترک یہ ہے' کہ وہ بڑا بھائی بھی اپنے کسی دوست سے بھاری رقم لے کر گھر آ رہا تھا' اور چھوٹے بھائی نے اپنے دوستوں کی مدد سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا' البتہ اس شخص کا زخمی گھوڑا کسی طرح گرتے پڑتے اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا' جبکہ تمہارے خاوند کے ساتھ اس کے گھوڑے کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ میں نے جس گھائل گھوڑے کا ذکر کیا ہے نا' اسی گھوڑے کی مدد سے میں نے قاتل کا سراغ لگایا تھا۔ ملتے جلتے حالات کے پیشِ نظر وہ واقعہ میرے ذہن میں تازہ ہو گیا۔''

نوری نے ایک جھرجھری لی' اور نفرت آمیز لہجے میں بولی۔'' یہ دنیا کیسے کیسے ظالم لوگوں سے بھری ہوئی ہے......''

واقعات و حالات کی مشابہت کے سبب میں ملک نوید کو شک کی نظر سے دیکھنے پر مجبور تھا' اور نوری کی وضاحت کے باوجود بھی میرا شک رفع نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا تھا' کہ میں ملک نوید اور اس کی حرکات و سکنات کی خفیہ نگرانی کرواؤں گا' کیونکہ میرے احساس کے مطابق' وہ شخص بند دروازے کے پیچھے چھپ کر میری اور نوری کی باتیں سنتے ہوئے بھی پایا گیا تھا۔ وہ میرے احساس کا دھوکا نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا' کہ ملک نوید دروازے سے لگا کھڑا تھا۔

میں نے وہاں سے رخصت ہونے سے پہلے نور جہاں عرف نوری سے پوچھا۔

''نوری! کیا تمہارا میکہ ادھر کوٹلا معراج ہی میں ہے؟''

''نہیں جناب......!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔'' میں چک چانن کی رہنے والی ہوں۔''

چک چانن' کوٹلا معراج سے کم و بیش دس میل دور مشرقی سمت میں واقع تھا۔

''چانن'' کے معنی ہیں'' چاندنی''......میں نے نوری سے پوچھا۔

''یہاں حویلی میں تمہارے' ملک نوید اور چند ملازموں کے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا۔ کیا اس اندوہناک واقعے کی اطلاع چک چانن والوں کو دے دی گئی ہے؟''

''جی تھانیدار صاحب!'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔'' ملک نوید نے ایک بندے کو ادھر چک چانن بھیجا ہے۔ دوپہر کے بعد ان لوگوں کے آنے کی امید ہے۔''

''ٹھیک ہے......'' میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر تسلی بھرے انداز میں نوری سے کہا۔'' تم اپنے حوصلے کو گرنے نہیں دو' اور اس واقعے کے سلسلے میں کوئی بھی چھوٹی بڑی بات پتا چلے' فوراً مجھے بتانا۔ میں کوشش کروں گا کہ جلد از جلد تمہارے خاوند کے قاتل یا قاتلوں کو گرفتار کر لوں۔''

وہ منت ریز لہجے میں مستفسر ہوئی۔'' آپ نے ملک صاحب کی لاش کو اسپتال بھجوا دیا ہے۔ میں نے کفن دفن کا بندوبست......!''

''فکر نہ کرو نوری۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔'' وحید کی لاش انشاء اللہ! کل کسی وقت اسپتال سے واپس آ جائے گی۔ اس کے بعد میں تمہیں اطلاع بھجواؤں گا' اور ضروری قانونی کارروائی کے بعد لاش تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔''

''کیا یہ پوسٹ مارٹم بہت ضروری تھا؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے جواب دینے کے بجائے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔'' کیا تمہیں ملک وحید کے پوسٹ مارٹم پر کوئی اعتراض ہے؟''

''ن......نہیں......'' اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔'' میں تو اس لیے کہہ رہی تھی' کہ خوامخواہ لاش کی چیر پھاڑ سے مردے کی بے حرمتی ہو گی......!''

''ایک بات ذہن میں بٹھا لو نوری۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔'' پوسٹ مارٹم کی صورت میں ہونے والی چیر پھاڑ خوامخواہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے' اور یہ مقصد ہی کیس کی بہت ساری گتھیوں کو سلجھاتا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے' لہٰذا ایسا سوچنا بالکل غلط ہے کہ پوسٹ مارٹم سے کسی مردے کی بے حرمتی ہوگی۔ لاش کا احترام اپنی جگہ' لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے اور مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی خاطر اس نوعیت کا اقدام اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔"

وہ میری وضاحت کے جواب میں کچھ نہیں بولی' اثبات میں گردن ہلا کر رہ گئی۔ میں بالائی منزل والی بیٹھک سے باہر نکل آیا۔

باہر قدم رکھتے ہی ملک نوید سے سامنا ہوگیا۔ مجھ پر نگاہ پڑی تو وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا' پھر قدرے بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "مم...... میں ادھر ہی...... آرہا تھا......"

"ہاں...... وہ تو لگ رہا ہے ملک نوید!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

یہ بات طے تھی' کہ وہ دروازے کے آس پاس موجود تھا۔ اس کی تشویش مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہرحال' میں نے اسے محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں اس کی اس حرکت کے حوالے سے محتاط ہو چکا ہوں۔

میں اس کی معیت میں دوبارہ حویلی کی زیریں منزل پر آ گیا۔ جب میں نے رخصت کا ارادہ ظاہر کیا' تو اس نے مجھ سے پوچھا۔

"تھانیدار صاحب! بھابی صاحبہ سے کیا بات ہوئی ہے؟"

"کوئی ایک بات ہوئی ہو تو بتاؤں۔" میں نے گول مول جواب دیا۔ "بھئی! ڈھیروں باتیں ہوئی ہیں' اور سب سے خاص بات نوری نے تمہارے متعلق بتائی ہے!"

آخری جملہ میں نے دانستہ اس کے چہرے پر نگاہ جما کر چبھتے ہوئے انداز میں ادا کیا تھا۔ وہ اس طرح اچھلا' جیسے اس کے پہلو میں کوئی بچھو نکل آیا ہو' لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا' اور قدرے مضبوط لہجے میں مستفسر ہوا۔

"کیا کہا ہے...... بھابی صاحبہ نے؟"

"نوری کا خیال ہے......!" میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "کہ تمہارا' ملک وحید کے قتل میں کوئی ہاتھ نہیں۔"

"اوہ......!" اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔

اس کی آنکھوں اور چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھ کر میں نے کہا۔ "تم تو خوامخواہ ہی ڈر گئے تھے' حالانکہ تمہاری بھابی کو تو تمہارا بڑا خیال ہے۔"

"وہ جناب......!" اس نے جزبز کرتے ہوئے کہا۔ "صورتِ حال ایسی ہے ناکہ ذرا ذرا سی بات پر چونکنا پڑتا ہے...... پھر آپ کا انداز بھی تو ڈرانے والا تھا......!"

"پولیس والوں کا انداز تو ایسا ہی ہوتا ہے ملک نوید!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لگتا ہے' آج سے پہلے تمہارا کبھی اس محکمے سے واسطہ نہیں پڑا؟"

"آپ نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے جناب!" وہ تائیدی انداز میں بولا۔ "یہ میرا پہلا تجربہ ہے۔"

میں نے اس کے اطمینان کے لیے کہہ دیا۔ "جبھی تم اس قدر بوکھلائے ہوئے ہو۔ بہرحال' پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس قسم کے حالات سے نمٹنے کا وسیع تجربہ رکھتا ہوں۔ اپنے بھائی کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"بہت بہت شکریہ تھانیدار صاحب!" وہ ممنونیت بھرے انداز میں بولا۔

میں نے کہا۔ "میں چلتا ہوں ملک نوید! مجھے چودھری سراج کو چیک کرنا ہے' اور ادھر قلعہ فرمان علی میں مہر سلیم سے ملاقات کے لیے بھی جانا ہے۔ جو بھی صورتِ حال ہوگی میں تمہیں اس سے آگاہ کروں گا' اور تم بھی......!" میں نے لمحاتی توقف کیا' پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے علم میں بھی کوئی بات آئے تو تم فوراً مجھے بتانا تاکہ تمہارے بھائی کے قاتل یا قاتلوں کو جلد از جلد قانون کی گرفت میں لایا جا سکے۔"

ملک نوید نے مجھ سے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا' اور میں اس کی حویلی سے نکل کر تھانے کی جانب روانہ ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں اپنے کمرے میں موجود تھا۔

سب سے پہلے میں نے کانسٹیبل اشتیاق کو اپنے پاس بلالیا۔ اشتیاق ایک قابلِ بھروسا پولیس اہلکار تھا۔ میں نے اسے ملک نوید کی نگرانی پر مامور کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ سادہ لباس میں رہتے ہوئے بڑی خوش اسلوبی سے یہ کام سرانجام دے سکتا تھا۔ وہ

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قابلِ اعتماد ہونے کے ساتھ ہی ذہین' چاق چوبند اور ہوشیار قسم کا بندہ تھا۔ میں نے ضروری ہدایات اور نصیحت کے بعد اسے ملک نوید کی جانب روانہ کر دیا۔ ظاہر ہے' وہ حویلی کے اندر داخل ہو کر کوئی سرگرمی نہیں دکھا سکتا تھا۔ اسے باہر رہتے ہوئے ملک نوید اور اس کے معاملات پر نگاہ رکھنا تھی۔ مجھے امید تھی' وہ یہ کام کر گزرے گا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے قلعہ فرمان علی کی طرف جانے کا پروگرام ترتیب دیا۔ چودھری سراج اسی گاؤں میں رہتا تھا' لہٰذا اس سے ملاقات کسی بھی وقت کی جا سکتی تھی۔ مہرسلیم سے ملنا پہلی فرصت میں ضروری تھا۔ مجھے یقین تھا' کہ وہاں سے مجھے بڑی اہم معلومات حاصل ہوں گی۔

کوٹلا معراج کے جس تھانے کا میں انچارج تھا' وہاں عملے کی شدید کمی تھی۔ میرے علاوہ حوالدار خوش بخت اور چند سپاہی تھے۔ بس انہی لوگوں سے کام چلایا جا رہا تھا' اور مستقبل قریب میں نفری بڑھنے کے امکانات نظر نہیں آتے تھے۔ میں نے کانسٹیبل یعقوب کو اپنے ساتھ لیا' اور قلعہ فرمان علی کی جانب روانہ ہو گیا۔

ملک وحید کے قتل کے سلسلے میں اب تک میں نے جو تفتیش اور تحقیق کی تھی' اس نے میرے ذہن کو ایک خاص انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا' اور وہ انداز یہ تھا' کہ قتل کی یہ واردات محض لوٹ مار کا واقعہ نہیں تھا' بلکہ اس کے پیچھے کوئی خاص الخاص دشمنی کارفرما تھی۔ قاتل' ملک وحید سے شدید نفرت کرتا تھا۔ اگر یہ محض راہ زنی کی واردات ہوتی تو لٹیروں کو رقم لوٹنے کے بعد نو دو گیارہ ہو جانا چاہیے تھا' یا اگر پہچان لیے جانے کا امکان نظر آتا' تو وہ زیادہ سے زیادہ ملک وحید کو ختم کر دیتے' اس کے کنھئی گھوڑے کو ایسی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوئی منطق یا تُک نظر نہیں آتی تھی۔ ایک بے زبان جانور کو اُس کے مالک کے ساتھ بہیمانہ انداز میں قتل کرنا یہی ظاہر کرتا تھا' کہ قاتل' مقتول کے لیے اپنے دل و دماغ میں بے پناہ غصہ اور نفرت پالے بیٹھا تھا' اور مجھے...... اسی شخص کو تلاش کرنا تھا۔

موقع کی کارروائی کے دوران مقتول کی جامہ تلاشی کے نتیجے میں یا جائے وقوعہ کے جائزے سے پانچ ہزار کی رقم نہیں مل سکی تھی' چنانچہ رقم کے حوالے سے فی الحال یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا' کہ اگر مقتول گزشتہ رات مہرسلیم سے وہ رقم لے کر آیا تھا' تو پھر اس

واردات کا ذمے دار وہ رقم لے اڑا تھا۔ اس بات کی تصدیق صرف مہرسلیم ہی کر سکتا تھا' کہ مقتول ایک تگڑی رقم کے ساتھ قلعہ فرمان علی سے روانہ ہوا تھا' یا رقم کے بغیر......!

اسی سلسلے میں ایک اور بات بھی قابلِ غور تھی۔ ملک وحید کی کٹی پھٹی لاش جس کھیت میں پڑی ملی تھی' وہ کوٹلا معراج کی حدود میں تھا' بلکہ گاؤں کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔ راہزن اور ڈاکو عموماً ویران علاقوں میں واردات کرنا پسند کرتے ہیں' اور ان کی مذموم سرگرمیوں کے مراکز بھی ایسی ہی جگہیں ہوتی ہیں۔ اس صورت میں یہ واردات قلعہ فرمان علی اور کوٹلا معراج کے درمیان کہیں وقوع پذیر ہونا چاہیے تھی' جبکہ کوٹلا معراج کے قریب لاش ملنے کا واضح مطلب یہی تھا' کہ وہ ڈاکوؤں کا عمومی کارنامہ نہیں' بلکہ یہ کوئی اور ہی پراسرار قصہ ہے۔ پتا نہیں کیوں' میرا ذہن راہزنی والی تھیوری کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قلعہ فرمان علی میرے تھانے سے لگ بھگ تین میل کے فاصلے پر جنوب میں واقع تھا۔ ہم دونوں گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو کر تقریباً پونے گھنٹے کے سفر کے بعد دو بجے دوپہر مہر سلیم کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔

مہر سلیم' قلعہ فرمان علی کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھا' لہٰذا اس تک رسائی حاصل کرنے میں ہمیں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ وہاں کا ایک معروف اور سب سے زیادہ طاقتور زمیندار تھا۔ اس کی حیثیت گاؤں کے چودھری ایسی تھی۔ ہماری آمد کی اطلاع پا کر اس نے فوراً ہمیں اپنے دولت خانے کی سجی سجائی بیٹھک میں بلا لیا۔ ہم ایک ملازم صورت شخص کی راہنمائی میں مذکورہ مقام پر جا بیٹھے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مہر سلیم بہ نفسِ نفیس بیٹھک میں موجود تھا۔

مہر سلیم کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ ایک قد آور شخص تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ صحت مند سے ایک درجہ اوپر تن و توش کا مالک تھا۔ سر کے بال چھوٹے اور مونچھیں بھاری بھرکم رکھی ہوئی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ باوقار اور پُراثر شخصیت کا حامل تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے خاصے دوستانہ انداز میں کہا۔

"ملک صاحب! اگر آپ دس منٹ بعد یہاں پہنچتے تو شاید پھر ہماری ملاقات نہ ہوتی۔ میں بس گھر سے نکلنے ہی والا تھا۔"

"کہاں جانے کا ارادہ تھا' مہر صاحب؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے آپ ہی کے علاقے یعنی کوٹلا معراج جانا تھا۔"

"کیوں؟" میں نے بالکل انجان بنتے ہوئے کہا۔ "خیریت تو ہے نا مہر صاحب! آپ کوٹلا معراج کس سلسلے میں جانا چاہتے تھے؟"

اس نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا' اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا' تو آپ ملک وحید کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں؟"

"آپ بالکل غلطی نہیں کر رہے مہر صاحب!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور یہ بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ کوٹلا معراج میں پیش آنے والے واقعے کی آپ کو خبر ہو گئی ہے۔"

"جی ہاں!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "کوئی دو گھنٹے پہلے کوٹلا معراج سے ایک بندہ یہاں پہنچا ہے۔ اسی سے پتا چلا ہے کہ وہاں یہ اندوہناک واقعہ پیش آ گیا ہے۔"

میں نے اسے مختصر الفاظ میں اپنی کارروائی کے بارے میں بتایا' اور کیس کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرنے کے بعد گہری سنجیدگی سے کہا۔ "مہر صاحب! میں نے اب تک جو پوچھ گچھ کی ہے' اس کی روشنی میں آپ کی ذات بڑی اہم دکھائی دے رہی ہے۔ میں اسی لیے چند سوالات کرنے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ بتائیں' یہیں بیٹھ کر بات کی جائے یا واپسی کے راستے میں......؟"

"ہم اس وقت گھر میں بیٹھے ہیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میرے خیال میں مناسب ہوگا کہ یہیں بیٹھ کر بات کر لیں۔ ویسے بھی آپ ملک وحید کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوا چکے ہیں......"

"اچھی بات ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی' پھر مختصر سی تمہید کے بعد اس سے پوچھا۔ "مقتول وحید کل کتنے بجے آپ کے پاس سے رخصت ہوا تھا؟"

"میرا خیال ہے' اس وقت رات کے ساڑھے نو بجے تھے۔"

"اور وہ جس کام سے یہاں آیا تھا' وہ تو ہو گیا تھا' نا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کام......؟" وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں مستفسر ہوا۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا۔ ''مقتول کی بیوی نوری نے مجھے بتا دیا ہے کہ مقتول ملک وحید آپ سے ایک بھاری رقم لینے آیا تھا......اس نے رقم کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔''

''جی ہاں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''وحید کو میں نے پانچ ہزار روپے دے دیے تھے۔''

''مہر صاحب! آپ ماشا اللہ! سیانے آدمی ہیں اور وحید بھی سمجھ دار شخص تھا۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''پھر بھی آپ نے اسے اتنی بھاری رقم کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سفر کرنے دیا......؟''

''میں اس بات کے حق میں نہیں تھا۔'' اس نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''لیکن وحید نے بات ہی ایسی کی کہ میں اسے روک نہیں سکا۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''اس نے ایسی کون سی بات کر دی تھی؟''

اس سے پہلے کہ مہر سلیم میرے سوال کا جواب دیتا' وہ ملازم بیٹھک میں داخل ہوا جس کی معیت میں ہم دونوں اس گھر کے اندر پہنچے تھے۔ مذکورہ ملازم نے اپنے ہاتھوں میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی' جو کسی کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ وہ ٹرے ہماری خاطر مدارت کے لیے تھی' اور اس کے لیے یقیناً مہر سلیم نے ہمارے پاس آنے سے پہلے اپنے ملازم کو حکم دے دیا تھا۔

مذکورہ ملازم نے وہ ٹرے ہمارے سامنے ایک میز پر سجادی' پھر مہر سلیم کے اشارے پر وہ بیٹھک سے نکل گیا۔ میزبان نے ٹرے کے اوپر سے کپڑا ہٹا دیا تو پتا چلا کہ ہماری تواضع کے لیے آم اور کچی لسی پیش کی گئی تھی۔ میں نے مہر سلیم کے ہاتھوں کو مصروف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی مہر صاحب! ہم ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی دوپہر کا کھانا کھا کر تھانے سے نکلے تھے۔''

''یہ کھانا نہیں ہے ملک صاحب! بس تھوڑا شغل میلہ ہے۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولا۔ ''آپ پہلی مرتبہ میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کچھ

کھائے پیئے بغیر ہی آپ رخصت ہو جائیں۔''

اس کے بے حد اصرار پر ہم اپنے ہاتھوں کو ''حرکت'' میں لے آئے۔

میں نے یاددہانی کرانے والے انداز میں کہا۔ ''مہر صاحب! آپ مقتول وحید کے حوالے سے مجھے کوئی اہم بات بتانے والے تھے۔''

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا' اور وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میری تو کوشش یہی تھی' جناب کہ شام سے پہلے ملک وحید کو کوٹلا معراج روانہ کر دوں' لیکن رقم کا بندوبست کرنے میں دیر ہوگئی۔ میں نے وحید سے کہا کہ وہ رات کو میرے پاس ہی رک جائے' اور اگلی صبح یعنی آج گھر چلا جائے' لیکن اس نے میری بات نہیں مانی' اور کہا کہ نوری نے آج ہی واپس آنے کو کہا ہے۔ وحید اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے...... بلکہ کرتا تھا......جس سے انسان کو محبت ہو' اس کی بات بھی ماننا پڑتی ہے۔ میں نے اکثر معاملات میں دیکھا تھا' کہ وحید' نوری کی طرف داری کرتا تھا' لہٰذا جب اس نے نوری کے حوالے سے رات ہی کو واپس جانے کی ضد کی' تو میں رکنے کے لیے اصرار نہ کر سکا' اور احتیاط کی تلقین کرتے ہوئے اسے روانہ کر دیا۔''

مہر سلیم کے انکشاف نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ واضح الفاظ میں بتا رہا تھا کہ نوری کی فرمائش پر وحید رات کے اندھیرے میں واپسی کا سفر کرنے کا خواہاں تھا' جب کہ نوری نے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس نے تو مجھے بتایا تھا' کہ وحید جاتے وقت اس سے کہہ کر گیا تھا' کہ یا تو وہ اندھیرا چھانے سے پہلے گھر آ جائے گا' اور یا پھر اگلی صبح ہی واپس آئے گا۔ ان حقائق کو حالات و واقعات کے تناظر میں اگر دیکھا جاتا' تو مقتول وحید اور اس کی بیوہ نوری میں سے کسی ایک نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ مطلب یہ کہ یا تو مقتول نے مہر سلیم سے' نوری کی فرمائش کے حوالے سے جھوٹ بولا تھا' اور یا پھر نوری نے مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ وحید تو اب سوال و جواب کے دائرے میں سے نکل کر بہت دور جا چکا تھا' البتہ میں واپس کوٹلا معراج پہنچ کر اس سلسلے میں نوری سے ضرور استفسار کر سکتا تھا۔

''ملک صاحب! ہاتھ بھی چلاتے جائیں۔ آپ پتا نہیں' کن خیالوں میں گم ہو گئے

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔" مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر مہر سلیم نے بہ آوازِ بلند کہا۔

میں نے اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔" مہر صاحب! ملک وحید آپ کا بڑا گہرا دوست تھا۔ وہ گزشتہ رات ہی کو اگر واپسی کے لیے بہ ضد تھا' تو کم از کم حفاظت کے خیال سے آپ اس کے ساتھ اپنے کسی بندے ہی کو بھیج دیتے!"

"میں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔" لیکن ملک وحید نے میری تجویز' بلکہ میری پیشکش سے اتفاق نہیں کیا۔ کاش! وہ میری بات مان لیتا' تو شاید یہ افسوس ناک واقعہ پیش نہ آتا!"

بات ختم کر کے وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ظاہر ہے' ایک دوست کو دوست کی المناک موت پر اسی طرح دکھی' اور رنجیدہ ہونا چاہیے تھے۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"مہر صاحب! میری' آپ سے پہلے نوری اور ملک نوید سے بھی خاصی تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ نوری نے مقتول کی واپسی کے حوالے سے جو کچھ کہا وہ آپ کے بیان سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کا کہنا ہے کہ وحید نے اس سے کہا تھا' یا تو وہ دن کی روشنی میں واپس آ جائے گا' اور یا پھر رات کو قلعہ فرمان علی ہی میں ٹھہر جائے گا۔"

"ممکن ہے......!" وہ اپنی سوچ کے مطابق وضاحت کرتے ہوئے بولا۔" نوری اپنی ضد اور فرمائش والی بات آپ سے چھپانا چاہتی ہو' اس لیے اس نے ملک وحید ہی کے حوالے سے سب کچھ بتایا ہے۔"

"ہاں! ایسا ہو سکتا ہے۔" میں نے گمبھیر انداز میں اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

میں نے مہر سلیم کی تسلی کی خاطر یہ جملہ کہہ تو دیا تھا' لیکن ایسی بات نہیں تھی کہ میں بھی مطمئن ہو گیا ہوں۔ میں نے مناسب موقع دیکھتے ہی اس سلسلے میں نوری سے ضرور استفسار کرنا تھا۔ فی الحال تو مہر سلیم کا انٹرویو ہو رہا تھا' لہٰذا میں نے اس سے پوچھا۔

"مہر صاحب! یہ راز یہاں قلعہ فرمان علی میں اور کس کس کو معلوم تھا' کہ مقتول اپنے ساتھ پانچ ہزار روپے کی رقم لے کر کوٹلا معراج جا رہا ہے؟"

"میں آپ کے سوال کا مقصد سمجھ رہا ہوں ملک صاحب......!" وہ مضبوط لہجے میں

بولا۔

"سمجھ رہے ہیں تو پھر وضاحت بھی کر دیں؟" میں نے کہا۔

وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔" قلعہ فرمان علی میں یہ بات صرف مجھے معلوم تھی' کہ ملک وحید مجھ سے کوئی بھاری رقم لے کر گیا ہے۔ اس سلسلے میں میرے گھر والوں یا گاؤں کے کسی اور بندے کو مطلق خبر نہیں لہٰذا......" وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"لہٰذا اس امر کے امکانات کو یکسر نظر انداز کرنا ہو گا' کہ یہاں سے کوئی بندہ ملک وحید کے تعاقب میں گیا ہو' اور اس نے رقم کے حصول کی خاطر اسے قتل کر دیا ہو۔ ویسے بھی......" وہ ایک مرتبہ پھر تھما اور لمحے بھر کے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔" اگر ایسی کوئی بات ہوئی ہوتی تو متعاقب شخص کوٹلا معراج کی حدود شروع ہونے سے پہلے ہی اپنے منصوبے پر عمل کر ڈالتا' جبکہ میری معلومات کے مطابق اور آپ نے بھی بتایا ہے کہ ملک وحید کی لاش جس کھیت سے ملی ہے' وہ گاؤں کے بہت قریب ہے۔ میرے خیال میں تو ملک وحید کو محض رقم کے حصول کے لیے قتل نہیں کیا گیا۔ یہ الگ بات کہ وہ تگڑی رقم بونس کے طور پر قاتل کے ہاتھ لگ گئی ہو گی۔"

"میں آپ کے خیال سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں مہر صاحب!"

"جی......!" وہ الجھن زدہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اس کی الجھن دور کرتے ہوئے کہا۔" میرا اب تک کا تجزیہ بھی یہی بتاتا ہے' کہ ملک وحید کا قتل کسی راہزن یا لٹیرے کا کارنامہ نہیں کیونکہ اس مزاج کے ڈاکو اور لٹیرے جانوروں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ ملک مقتول کے کتھئی گھوڑے کو جس بے دردی سے گھائل کر کے موت سے ہمکنار کیا گیا ہے' وہ اس بات کی دلیل ہے کہ حملہ آور ملک وحید اور اس کی ہر شے سے شدید نفرت کرتا تھا......"

"ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔" اس سلسلے میں آپ میری رہنمائی کریں گے مہر صاحب!"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"میں......!" وہ انگلی سے اپنے سینے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میں کچھ سمجھا نہیں جناب! بتائیں' میں کس طرح آپ کی رہنمائی کر سکتا ہوں؟"

میں نے اس کی فرمائش پوری کرتے ہوئے بتایا۔ "مہر صاحب! میری اب تک کی تحقیق کے مطابق آپ مقتول کے سب سے زیادہ قریبی ساتھی ثابت ہو رہے ہیں۔ آپ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی۔ وہ اپنے دل کی ہر بات' اپنی زندگی کا ہر مسئلہ آپ کو ضرور بتاتا تھا' لہٰذا یہ بات آپ سے زیادہ بہتر اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ مقتول کے مخالفین میں ایسا شخص کون ہو سکتا ہے' جو اس خونیں واردات کا ذمے دار ٹھہرایا جانا چاہیے۔ مجھے اس سلسلے میں آپ کے تعاون' مدد اور رہنمائی کی اشد ضرورت ہے' تاکہ میں جلد از جلد مقتول وحید کے قاتل یا قاتلوں کو جیل کی دیواروں کے پیچھے پہنچا سکوں۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟"

"جی......!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی' اور بڑے محتاط لہجے میں مستفسر ہوا۔ "آپ نے اس سلسلے میں......اور خاص طور پر اس زاویے سے نوری یا نوید سے بات کی ہے؟"

"ہاں کی ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "انہوں نے کوئی واضح اشارہ تو نہیں دیا' لیکن وہ اس بات پر متفق نظر آ رہے ہیں کہ چودھری سراج کے سوا مقتول کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ زمین کی خرید و فروخت کے حوالے سے شاید ان دونوں کے بیچ کوئی تنازع چل رہا تھا۔"

"میں اس تنازع کی حقیقت سے واقف ہوں ملک صاحب!" مہر سلیم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مقتول اکثر و بیشتر مجھے اس بارے میں بتاتا رہتا تھا۔ چودھری سراج اور اس کے درمیان ہونے والی تازہ ترین بدمزگی کا قصہ بھی کل وحید نے مجھے سنایا تھا۔"

"تو آپ کے خیال میں' ملک وحید کو پیش آنے والے اندوہناک واقعے کے حوالے سے چودھری سراج کو شاملِ تفتیش کیا جا سکتا ہے؟" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"بالکل......آپ کو ایسا ضرور کرنا چاہیے ملک صاحب!" وہ اصراری لہجے میں بولا۔

"چودھری سراج ایک کینہ پرور اور منتقم مزاج شخص ہے۔ اس سے کسی بھی اوچھی حرکت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ کافی عرصے سے ملک وحید کے پیچھے پڑا ہوا تھا' کہ وہ اپنی اسّی ایکڑ اراضی اس کے ہاتھ فروخت کر دے۔ زمین کی خرید و فروخت بھلا کوئی زبردستی کا سودا ہے۔ کل مجھے وحید نے بتایا تھا کہ چودھری سراج نے بڑے کھلے الفاظ میں اس سے کہا تھا' کہ اگر اس نے چودھری کی پیشکش کو قبول نہ کیا تو خطرناک نتائج کا ذمے دار وہ خود ہوگا۔"

"ہوں......!" مہر سلیم کی وضاحت کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

آئندہ پندرہ بیس منٹ میں مہر سلیم سے مزید چند باتیں ہوئیں' پھر میں اور کانسٹیبل یعقوب اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس تھانے آ گئے۔ مہر سلیم نے شروع میں ہمارے ساتھ ہی کوٹلا معراج آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا' لیکن پھر اس نے اپنا پروگرام تبدیل کر دیا۔ اس نے مجھ سے یہ کہا تھا۔

"ملک صاحب! آپ جائیں' میں بعد میں ادھر چکر لگا لوں گا۔ ویسے آپ کی زبانی بہت ساری معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔ ملک وحید کی لاش کل ہی اسپتال سے واپس آئے گی۔ ہو سکتا ہے' میں بھی کل ہی وہاں جاؤں۔"

"آپ جب بھی آئیں۔" میں نے وقتِ رخصت اس سے کہا۔ "مجھ سے ملاقات کے لیے تھانے کا ایک چکر ضرور لگائیں۔"

اس نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

اگلی صبح میں ناشتے سے فارغ ہوا' اور اپنے کوارٹر سے نکل آیا۔ میری منزل تھانے والا کمرہ نہیں' بلکہ چودھری سراج کی حویلی تھی' اور اس وقت میں سادہ لباس میں تھا۔ میں نے یہی سوچا تھا' کہ تھانے داری کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی میں کوٹلا معراج کے چودھری سے ملاقات کر لوں' تاکہ کیس کا سب سے اہم مشتبہ پہلو میری نگاہ میں پوری طرح اجاگر ہو جائے۔

جب چودھری سراج کو میری آمد کی اطلاع دی گئی' تو اس نے فوراً مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ چودھری کا ایک خاص ملازم مجھے اس کے کمرے میں پہنچا کر واپس چلا گیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دقت محسوس نہ ہوئی کہ چودھری میرے وہاں پہنچنے سے قبل ناشتے سے

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انصاف کر رہا تھا۔ ناشتے کے برتن وغیرہ ابھی تک کمرے میں موجود تھے۔

چودھری سراج کی عمر ستر سے متجاوز تھی' اور اس کی صحت بھی تسلی بخش نہیں تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

''ملک صاحب! آپ کی آمد سے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ میں ابھی ناشتے سے فارغ ہوا ہوں۔ آپ کی خاطر تواضع کا میں بندوبست کرتا ہوں۔''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں چودھری صاحب!'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بڑا تگڑا ناشتہ کر کے نکلا ہوں' بس تھوڑی دیر آپ کے پاس بیٹھوں گا' پھر تھانے چلا جاؤں گا' اس لیے آپ کسی قسم کا تکلف نہ کریں۔''

''ناشتہ آپ نے کر لیا ہے' چلو کوئی بات نہیں۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ ''لیکن چائے یا لسّی تو پی جا سکتی ہے۔ میں تو کل ہی آپ کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔ اگر میری صحت اجازت دیتی' تو میں خود آپ سے ملنے تھانے چلا آتا۔''

میں نے چائے کے حق میں ووٹ دینے کے بعد کہا۔ ''آپ میرے پاس آئیں یا میں آپ کے پاس' ایک ہی بات ہے چودھری صاحب! میں کل قلعہ فرمان علی چلا گیا تھا۔ واپسی میں دیر ہو گئی' اس لیے رات گئے آپ کو زحمت دینا مناسب نہ سمجھا۔''

اس نے پُرسوچ انداز میں گردن کو دو تین ہلکے پھلکے جھٹکے دیے' پھر گمبھیر آواز میں گویا ہوا۔ ''ملک وحید کا پُراسرار قتل بہت ہی افسوس ناک واقعہ ہے ملک صاحب...... کیا آپ نے قاتل کے سلسلے میں کوئی مفید تحقیق کی ہے؟''

''قاتل جو کوئی بھی ہے' وہ انتہائی شقی القلب اور سفاک شخص ہے چودھری صاحب!'' میں نے چودھری سراج کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ملک وحید سے تو اس کی جو بھی دشمنی رہی ہو گی' مگر اس نے وحید کے کھتئی گھوڑے کو جس تشدد اور بربریت کا نشانہ بنانے کے بعد موت کے گھاٹ اتارا ہے' اسے اس کی سفاکی اور درندگی کو سمجھا جا سکتا ہے۔''

''آپ بالکل صحیح فرما رہے ہیں ملک صاحب!'' چودھری سراج نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنی بیماری کے باعث وقوعہ پر تو نہیں جا سکتا' البتہ میرے آدمیوں

نے مجھے وہاں کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا ہے۔ سچ مانیں تو کل ہی سے میرا دل بجھا ہوا ہے۔ مجھے ملک وحید کی المناک موت کا بڑا دکھ ہوا ہے۔''

اگر چودھری سراج ان لمحات میں اداکاری کر رہا تھا' تو اس اداکاری کو انتہائی لاجواب کہنا پڑے گا' کیونکہ اس کے جسم و جاں سے ملک وحید کے لیے ہمدردی' افسوس اور گہرا رنج ظاہر ہو رہا تھا۔ میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''چودھری صاحب! میں نے جائے وقوعہ کا بڑی اچھی طرح معائنہ کیا ہے۔ مقتول کی بیوی' چھوٹے بھائی ملک نوید سمیت اور بھی بہت سارے لوگوں کے بیانات قلم بند کیے ہیں' حتیٰ کہ جب مجھے پتا چلا کہ مقتول قلعہ فرمان علی اپنے کسی دوست سے ملنے گیا تھا' تو میں نے وہاں جا کر مہر سلیم سے بھی ملاقات کی ہے' مگر قاتل کے سراغ کے حوالے سے ابھی تک کوئی سرا ہاتھ نہیں لگا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں' تاکہ اس سلسلے میں آپ کی مدد لی جائے۔''

مہر سلیم کے ذکر پر چودھری سراج نے برا سا منہ بنایا۔ مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی کہ وہ مہر سلیم کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اس نے معنی خیز انداز میں مجھ سے پوچھا۔

''مہر سلیم' وحید کے قتل کے سلسلے میں کیا کہتا ہے؟''

''وہ بھی قاتل کی نشاندہی یا اس کے حوالے سے کوئی قیاس آرائی کرنے سے قاصر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس نے ایک اہم بات یہ بتائی ہے کہ ملک وحید کو اس روز اس نے پانچ ہزار روپے بھی دیے تھے' لیکن مقتول کی جامہ تلاشی کے دوران میں مجھے کوئی رقم نہیں ملی۔''

''ہوں......!'' چودھری نے معنی خیز انداز میں ہنکارا بھرا۔ ''تو اس کا مطلب ہے' میرا اندازہ درست تھا!''

''کیسا اندازہ چودھری صاحب؟'' میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

میرے اس سوال کے جواب میں چودھری نے جو کچھ بتایا' اس کی روشنی میں مجھے بہت کچھ سمجھنے کی آسانی ہو گئی۔ خاص طور پر مقتول اور چودھری سراج کے مابین جاری

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کشمکش بڑی واضح ہوگئی۔ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ملک صاحب! شاید یہ بات آپ کے علم میں نہ ہو کہ میرے اور مقتول وحید کے درمیان دو چار بار خاصی تلخ کلامی ہو چکی ہے' بلکہ چند روز پہلے تو اچھی خاصی جھڑپ بھی ہو گئی تھی!''

''جی ہاں! یہ واقعات میرے علم میں آ چکے ہیں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اور اس تنازع کا سبب مقتول کی اسّی ایکڑ اراضی رہی ہے؟''

آخری جملہ میں نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں ادا کیا تھا۔ وہ میرے زاویے کو نظر انداز نہ کر سکا' اور برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

''سبب اگرچہ مقتول کی اراضی ہی تھی' لیکن میں سمجھتا ہوں اور آپ کی بات سے اس کی تصدیق بھی ہوگئی کہ اس فتنے کے پیچھے سراسر مہر سلیم کا ذہن کام کر رہا تھا!''

''میں کچھ سمجھا نہیں چودھری صاحب!'' میں نے متذبذب انداز میں کہا۔ ''میں نے کس امر کی تصدیق کی ہے؟''

''یہی...... کہ مقتول' مہر سلیم سے پانچ ہزار روپے لے کر آیا تھا!''

''لیکن......'' میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا تھا۔ ''ان پانچ ہزار روپے کا آپ لوگوں کے زمینی تنازع سے کیا تعلق ہے؟''

''بہت گہرا تعلق ہے ملک صاحب!'' وہ گمبھیر انداز میں بولا۔ ''ٹھہریں' میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں۔''

وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا تو میں گہری دلچسپی اور توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''مقتول کی اراضی لگ بھگ اسّی ایکڑ ہے' لیکن اس زمین کے بیس ایکڑ ایسے ہیں جو ایک طرف سے میری زمین کے ساتھ اور دوسری جانب سے مہر سلیم کی اراضی سے لگے ہوئے ہیں جبکہ میرے مہر سلیم کے ساتھ کبھی بھی دوستانہ تعلقات تو کیا' محض اچھے تعلقات بھی نہیں رہے۔ ان حالات کی روشنی میں آپ مقتول کے مذکورہ بیس ایکڑ کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔''

وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا' ایک گہری سانس لے کر تنفس کو درست کیا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''کچھ عرصہ پہلے مجھے اپنے خفیہ ذرائع سے پتا چلا کہ مقتول وحید اپنی زمین کا وہ حصہ یعنی وہ بیس ایکڑ اراضی مہر سلیم کے ہاتھ فروخت کرنے والا ہے۔ اگر وہ ایسا کر بیٹھتا تو زمین کے ساتھ زمین لگ جانے سے میرے اور مہر سلیم کے درمیان ایک خطرناک جنگ کا آغاز ہو جاتا' لہٰذا اسی روز سے میں نے مقتول کو زمین فروخت کرنے کی پیشکش کر دی۔ نہ صرف فتنہ پرور بیس ایکڑ' بلکہ میں ملک وحید کی ساری زمین پورے اسّی ایکڑ خریدنے کو تیار تھا' اور وہ بھی اس کے منہ مانگے داموں پر' لیکن میری ہزار کوشش کے باوجود بھی یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی' اور اس نے زمین مہر سلیم کے ہاتھ فروخت کر دی...... مجھے یقین ہے' ایسا ہی ہوا ہے...... اور وہ پانچ ہزار روپے اسی سلسلے کی کڑی ہیں......''

چودھری کی بات سے جہاں مختلف اُمور کی وضاحت ہوئی' وہیں یہ سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی کہ اس نے پانچ ہزار کی رقم کو بڑی آسانی سے زمین کی فروخت کے ساتھ نتھی کر دیا تھا۔ اگر مقتول اور مہر سلیم کے درمیان واقعی زمین کی خرید وفروخت کا کوئی معاملہ ہوا تھا' تو مہر سلیم مجھے اس بارے میں ضرور بتاتا' یا نوری اور نوید کے منہ سے' اس حوالے سے کوئی بات نکل کر سامنے آتی۔ ان تینوں نے فرداً فرداً یہ تو کہا تھا' کہ چودھری سراج زبردستی مقتول سے زمین خریدنا چاہتا ہے' اور ان کا ایک مشترکہ خیال یہ بھی تھا' کہ ملک وحید کے قتل میں چودھری سراج کا ہاتھ ہو سکتا ہے' لیکن ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی جیسا کہ چودھری بتا رہا تھا۔ میں نے پوری توجہ سے اس کی وضاحت سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''چودھری صاحب! میری معلومات کے مطابق' مہر سلیم اور مقتول کے درمیان ایسی کوئی سودے بازی نہیں ہوئی' اور نہ ہی پانچ ہزار روپے والی رقم کا اس سے کوئی تعلق ہے۔ اگر ایسا کوئی معاملہ ہوا ہوتا تو مہر سلیم مجھے ضرور بتاتا۔''

''میں اسے آپ کی خوش فہمی کہوں گا ملک صاحب اور وہ بھی بڑی معذرت کے ساتھ۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''آپ مہر سلیم کو نہیں جانتے...... بڑا ہی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کمینہ اور گہرا آدمی ہے۔ وہ آپ کو کبھی بھی اس بارے میں کچھ نہ بتاتا' اور ملک وحید کے قتل کے بعد تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تو شک ہے کہ......!''

وہ بولتے بولتے پُراسرار انداز میں خاموش ہو گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''چودھری صاحب! آپ کو کس بات کا شک ہے؟''

جواب دینے سے پہلے ایک لمحہ اس نے سوچا' پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! میرا تو دل یہ کہتا ہے کہ ہو نہ ہو' وحید کے قتل میں مہر سلیم کا ہاتھ ہے......وہ اوپر سے وحید کا دوست بنا ہوا تھا' اور اسے میرے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے' موقع دیکھتے ہی اس شاطر شخص نے وحید کو لڑھکا دیا ہو۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ مہر سلیم نے واقعی وحید کو پانچ ہزار روپے دیے تھے؟''

''فی الحال' کوئی ٹھوس ثبوت تو نہیں ہے۔ میں مہر سلیم کی زبان پر یقین کرنے پر مجبور ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ یہ بات صرف مہر سلیم' مقتول اور اس کی بیوہ کے درمیان تھی۔ ویسے چودھری صاحب......'' میں نے تھوڑا توقف کیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کی یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ مہر سلیم نے ہی ملک وحید کو لڑھکایا ہو گا۔ وحید کی جان لینے سے بھلا اس کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟''

''یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا تھانیدار صاحب!'' وہ بڑے معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''ہو سکتا ہے' آگے چل کر یہ بات سننے کو ملے کہ ملک وحید نے قتل ہونے سے قبل اپنی ساری اراضی مہر سلیم کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔ وہ اس سلسلے میں دستاویزی ثبوت بھی منظرِ عام پر لا سکتا ہے۔ میں نے کہا ہے نا...... آپ مہر سلیم کو نہیں جانتے۔ وہ بڑا چیتا چال باز قسم کا شخص ہے!''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں چودھری صاحب!'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''آنے والا وقت ہی حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھا سکتا ہے۔ ویسے مہر سلیم کے خیالات بھی آپ سے مختلف نہیں ہیں......!''

''کیا مطلب' ملک صاحب؟'' اس نے آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھا۔

''مطلب یہ چودھری صاحب کہ......'' میں نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ ''مہر سلیم کا خیال یہ ہے کہ ملک وحید کی موت میں آپ کا ہاتھ ہو سکتا ہے!''

''اگر ایسا ہوتا تو وحید کی لاش موضع کوٹلا معراج کی حدود میں نہ پڑی ملتی۔'' وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں اتنے بے وقوفی کے کھیل نہیں کھیلتا جنابِ عالی......اور پھر ملک وحید سے میری ایسی کوئی دشمنی بھی نہیں تھی' کہ نوبت قتل و غارت گری تک جا پہنچتی' سمجھے نا......میں اس کی زمین جس مقصد کی خاطر خریدنا چاہتا تھا' وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے' اور حقیقت بھی وہی ہے۔ میری دعا ہے......'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''آپ جلد از جلد ملک وحید کے قاتل تک پہنچ جائیں۔ اس سلسلے میں آپ مجھ سے جو بھی تعاون چاہیں گے' میں اس کے لیے تیار ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ چودھری صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر ضرورت پڑی تو میں آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔ اس پیشکش کے لیے میں ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

اس ملاقات کے بعد' میں چودھری کی حویلی سے باہر نکل آیا۔

اب تک کی تحقیق اور تفتیش میں مہر نے چودھری پر اور چودھری نے مہر پر ملبہ گرانے کی کوشش کی تھی۔ ویسے چودھری سراج کا یہ پوائنٹ خاصا جاندار تھا' کہ اگر ملک وحید کے قتل میں اس کا کوئی ہاتھ ہوتا' تو مقتول کی لاش اس کے گاؤں کی حدود سے باہر پڑی ملتی۔ دوسری جانب مہر سلیم کو شکوک و شبہات کے حوالے سے چودھری سراج پر اس لیے سبقت حاصل تھی' کہ ملک نوید اور نوری بھی اس کے ہم خیال تھے۔ بہرحال' میری تفتیش کا دائرہ محدود نہیں تھا۔ مہر اور چودھری کے علاوہ ملک بھی میری نگاہ میں تھا' یعنی......ملک نوید!

میں تھانے پہنچا پھر اپنے کوارٹر میں جا کر یونیفارم پہنا' اور اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ وہ سیٹ جس پر بیٹھ کر میں تھانیداری کرتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں حوالدار خوش بخت میرے کمرے میں آ گیا۔ وہ خاصا گھبرایا ہوا اور پریشان نظر آتا تھا۔ اسے دیکھ کر میں چونک اٹھا اور تشویش ناک لہجے میں استفسار کیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کیا بات ہے خوش بخت! تم اتنے الجھے ہوئے اور حواس باختہ کیوں دکھائی دیتے ہو۔ کیا کتھئی گھوڑے کی زخم زخم لاش رات کو خواب میں آ کر تمہیں ڈراتی رہی ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے جناب!" وہ قدرے شرمندہ ہوتے ہوئے بولا۔

میں نے پوچھا۔ "پھر کیسی بات ہے؟"

"میں دراصل آپ سے ایک بات کے لیے معذرت کرنے آیا ہوں۔" وہ بڑے رسان سے بولا۔ "پتا نہیں' یہ بات میرے دماغ سے کیسے نکل گئی تھی۔ میں نے......"

"اللہ کے بندے! بجھارتیں ہی ڈالتے رہو گے' یا وہ بات بھی بتاؤ گے؟" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "خوش بخت! آخر اس تمہید کی ضرورت کیا ہے......؟"

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ برآمد کیا' پھر اسے میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ دیکھیں جناب!"

میں نے دیکھا۔ وہ ایک طلائی زنجیر تھی' جس میں دل کی شکل کا ایک تعویذ بھی موجود تھا۔ آپ اسے سونے کا لاکٹ سمجھ لیں۔ میں نے این والے مذکورہ لاکٹ کو ہاتھوں میں گھما پھرا کر دیکھا' اور سوالیہ نظروں سے حوالدار کی جانب دیکھا۔

اس نے بتایا۔ "ملک صاحب! یہ لاکٹ کل مجھے جائے وقوعہ سے ملا تھا' جب آپ مشیر نامہ تیار کر رہے تھے' اور میں گھوم پھر کر اس مقام کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے اس لاکٹ کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا' لیکن آپ کو بتانا بھول گیا۔ موقع واردات کے منظر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا' پھر آپ نے مجھے مقتول کی لاش کے ساتھ اسپتال بھیج دیا۔ اس افراتفری میں یہ لاکٹ بالکل میرے ذہن ہی سے نکل گیا' اور جیب میں پڑا پڑا یہ میرے گھر پہنچ گیا۔" وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"آج صبح جب میں وردی پہن رہا تھا' تو جیب میں ہاتھ گیا' اور یہ لاکٹ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں سیدھا تھانے پہنچا' تاکہ آپ کو اس بارے میں بتا سکوں' لیکن آپ یہاں موجود نہیں تھے۔ اب آئے ہیں تو آپ سے مل رہا ہوں۔"

"یہ لاکٹ کس کا ہو سکتا ہے؟" حوالدار کی وضاحت ختم ہونے پر میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ "این...... یعنی نون سے کس کا نام آیا ہے......؟"

"نوید......" حوالدار نے بے ساختہ کہا۔ "ملک نوید......"

میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ میں نے ابتدائی صفحات میں جس واقعے کا ذکر کیا ہے' اس میں بھی ایک طلائی زنجیر نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا' جب میں نے زخمی گھوڑے کی رہنمائی میں مقتول کی لاش ایک برساتی گڑھے میں سے برآمد کی تھی۔ طلائی زنجیر نے مجھے قاتل تک پہنچا دیا تھا' جو کوئی اور نہیں بلکہ مقتول کا چھوٹا بھائی ہی تھا۔

ملک نوید بھی مقتول ملک وحید کا چھوٹا بھائی تھا۔ حوالدار نے جب "این" کی مناسبت سے اس کا نام لیا' تو ماضی کا وہ واقعہ میرے ذہن میں تازہ ہو گیا تھا۔ اگر یہ لاکٹ ملک نوید ہی کا تھا' تو پھر صورتِ حال بڑی سنسنی خیز ہو جاتی تھی۔ جائے وقوعہ سے اس لاکٹ کا ملنا ملک نوید کی ذات کو مشکوک بناتا تھا' اور...... اس کا شمار تو میں پہلے ہی مشکوک افراد میں کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد' میں کانسٹیبل یعقوب کے ہمراہ ملک نوید کی حویلی پہنچ گیا۔ اس نے سوگوارانہ انداز میں میرا استقبال کیا اور پوچھا۔ "ملک صاحب کی لاش کب تک اسپتال سے واپس آئے گی۔ ہمیں ان کا کفن دفن کا بندوبست بھی کرنا ہے۔"

میں نے یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "نوید! تمہارے بھائی کی لاش آج کسی بھی وقت تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔ تمہیں اس سلسلے میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اس کی تدفین کے انتظامات میں لگے رہو۔"

"ہوں......" اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور بولا۔ "جناب! ملک صاحب کے قاتل کا کوئی سراغ ملا؟"

میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں! ایک سراغ ملا تو ہے۔"

"کک...... کیا؟" وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔

میں نے اپنی جیب میں سے وہ لاکٹ نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا اور کہا۔ "ہمیں جائے وقوعہ سے یہ لاکٹ ملا ہے۔ کیا تم اس کی شناخت کر سکتے ہو؟"

"جناب! میں اس لاکٹ کو تو آنکھیں بند کر کے بھی شناخت کر سکتا ہوں۔" وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ جائے وقوعہ پر کیسے پہنچ گیا؟''

''یہی سوال میں تم سے کرتا ہوں۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''ویسے تمہارے جذباتی ردِّعمل سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ لاکٹ تمہارا ہی ہے۔''

''این''......نوید......؟''

''آپ کا اندازہ تو سو فیصد درست ہے تھانیدار صاحب!'' وہ بے حد الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ یہ جائے وقوعہ پر کیسے پہنچ گیا......؟''

''یہ تمہاری ملکیت ہے تو اس کے بارے میں پتا بھی تمہیں ہی ہونا چاہیے۔'' میں نے گھور کر اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا تم اسے اپنے گلے میں پہنے رہتے تھے؟''

''جی ہاں......'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''لیکن پچھلے چند دنوں سے یہ میرے پاس نہیں ہے۔ پتا نہیں' یہ کہاں گم ہو گیا تھا۔ میں اس کے کھو جانے پر خاصا پریشان رہا تھا۔''

میں نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے گھورا اور کہا۔ ''یہ لاکٹ ہمیشہ تمہارے گلے میں موجود رہتا تھا' اور اس کی ٹوٹی ہوئی زنجیر بتاتی ہے کہ کسی افراتفری کے نتیجے میں یہ تمہارے گلے سے نکل کر کہیں گر گیا تھا۔ مجھے یہ لاکٹ جائے وقوعہ سے ملا ہے' جس کا مطلب یہ نکلتا ہے' میں نے ابھی جس ''افراتفری'' کا حوالہ دیا ہے وہ جائے وقوعہ پر ہوئی تھی......ہے نا؟''

میری مسلسل گھورتی ہوئی آنکھوں کی وہ ''تاب'' نہ لا سکا' اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''جناب! میں پہلے ہی ملک صاحب کی ناگہانی موت پر پریشان ہوں......الٹا آپ خوامخواہ مجھ ہی پر شک کر رہے ہیں......''

''میں خوامخواہ کچھ نہیں کرتا ہوں ملک نوید۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''یہ لاکٹ تمہارا ہے' اور اس مقام پر پڑا ملا ہے' جہاں تمہارے بھائی کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا ہے۔ میں اسی لیے تم سے پوچھ تاچھ کر رہا ہوں......سمجھے نا!''

''اور جناب......!'' وہ روہانسی آواز میں بولا۔ ''میں نے آپ کو بتا دیا ہے کہ یہ لاکٹ چند روز پہلے گم ہو گیا تھا۔ یہ جائے وقوعہ پر کیسے پہنچا' مجھے اس بارے میں کچھ پتا

نہیں۔ آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔''

''میں تو تمہاری بات کو بہ خوبی سمجھ رہا ہوں ملک نوید! لیکن لگتا ہے' میری بات تمہارے پلّے نہیں پڑ رہی۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بہرحال' تمہارے بھائی کے قتل کی تفتیش ابھی جاری ہے۔ مجھے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا بھی انتظار ہے۔ تمہیں میں یہی مشورہ دوں گا کہ جب تک میں اس کیس کی تفتیش مکمل نہیں کر لیتا' تم گاؤں سے باہر قدم نہیں نکالو گے!''

''گاؤں کیا......جناب! آپ کہیں تو میں حویلی سے باہر قدم نہیں نکالوں گا۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''لیکن خدا کے لیے آپ مجھ پر ایسا گھناؤنا شک نہ کریں۔''

''ملک نوید!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''پولیس کا کام شک کے بغیر چل نہیں سکتا۔ اگر ہم یہ کام نہ کریں تو سب لوگ ہمیں شریف شہری ہی نظر آئیں' بلکہ چوروں اور بدمعاشوں نے تو کچھ زیادہ ہی شرافت اوڑھ رکھی ہے' اور اسی لبادے کی آڑ میں وہ لوگ سنگین نوعیت کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں' ہمیں مجرموں کا کھوج لگانے کے لیے شک تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ بہرحال......اگر تم نے کوئی جرم نہیں کیا تو تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اسے معمول کی کارروائی ہی سمجھو۔''

آخری جملہ میں نے دانستہ اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا تھا' اور مجھے اس جملے کے واضح اثرات بھی مرتب ہوتے دکھائی دیے۔ اسے مزید ہدایات دینے کے بعد میں حویلی سے نکل آیا۔

میں نے ایک کانسٹیبل اشتیاق کو ملک نوید کی نگرانی پر متعین کر رکھا تھا' لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ میں نے حویلی میں داخل ہوتے وقت اور وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے بھی چاروں جانب نظر دوڑا کر اشتیاق کو دیکھنے کی کوشش کی تھی' لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا' جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ اشتیاق کی اس حرکت پر مجھے شدید غصہ آیا تھا' اور میں نے سوچا تھا' وہ جیسے ہی ملے گا' میں اس کے کان ضرور کھینچوں گا۔

ہم تھانے پہنچے تو اشتیاق وہاں موجود تھا۔ میں نے فوراً اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ میں اس کی ''حرکت'' پر خاصا برہم تھا' لیکن جب اس نے اپنے غیاب کی سنسنی خیز

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تفصیلات بیان کیں، تو میری ساری خفگی اور برہمی ڈھل گئی۔

اشتیاق کے مطابق، وہ میری ہدایات پر ملک نوید اور اس کی حویلی کی نگرانی کر رہا تھا۔ آج علی الصبح اس نے ایک بندے کو مشکوک حالت میں، حویلی کے پچھواڑے منڈلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک محفوظ آڑ میں کھڑے ہو کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ حویلی کی عقبی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنا ہوا تھا، اور وہ شخص اسی دروازے کے قریب ٹہل رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مذکورہ دروازہ کھلا، اور وہاں مقتول کی بیوہ نوری کی شکل دکھائی دی۔ اشتیاق کو حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ تو ملک نوید کے نمودار ہونے کی توقع کر رہا تھا، کیونکہ میں نے اسے نوید کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔

اشتیاق آڑ میں رہتے ہوئے اس مشکوک بندے اور نوری کو دیکھتا رہا۔ ان دونوں کی ملاقات لمحاتی ثابت ہوئی۔ نوری نے چمڑے کا ایک بیگ اس بندے کو تھمایا اور حویلی کے اندر غائب ہو گئی۔ دروازہ بند ہوا، اور وہ بندہ چمڑے کا بیگ لے کر ایک جانب بڑھ گیا۔

یہ ایسا منظر تھا، کہ اشتیاق کے رگ و پے میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ پہلے اس کے دماغ میں آیا کہ وہ فوراً اس واقعے کی مجھے اطلاع دے، لیکن پھر اس کی سوچ بدل گئی۔ اس کے اندر سے آواز اٹھی کہ اگر وہ تھانے چلا گیا، تو یہ بندہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تھانیدار صاحب کو بعد میں بھی رپورٹ کی جا سکتی ہے، پہلے اس پُراسرار بندے کا تعاقب کر کے یہ پتا چلانا چاہیے کہ وہ ہے کون، کہاں سے آیا ہے اور بیگ لے کر کہاں جا رہا ہے!"

قصہ مختصر، اشتیاق بڑے محتاط انداز میں مذکورہ بندے کا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ فرمان علی پہنچ گیا، اور اس نے دیکھا کہ وہ بندہ سیدھا وہاں کے چودھری کی حویلی کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اشتیاق تھوڑی دیر حویلی کے باہر رک کر اس بندے کا انتظار کرتا رہا۔ جب مذکورہ بندہ حویلی سے باہر نہیں نکلا تو اشتیاق واپس آ گیا اور ...... اس وقت وہ میرے سامنے بیٹھا یہ روداد سنا رہا تھا۔

"چمڑے کے بیگ" کا ذکر سن کر چودھری سراج کے الفاظ میری سماعت میں گونجنے لگے۔ اس نے بڑے وثوق سے کہا تھا، کہ آگے آگے دیکھیں، ہوتا ہے کیا...... عین ممکن ہے چند دنوں کے بعد یہ پتا چلے کہ ملک وحید اپنی موت سے قبل اسّی ایکڑ اراضی مہر سلیم کے

ہاتھ فروخت کر چکا ہے۔

کسی بندے کا پُراسرار انداز میں چمڑے کا بیگ لے کر کوٹلا معراج سے قلعہ فرمان علی پہنچنا، یہ ثابت کرتا تھا، کہ اس بیگ کے اندر کوئی نہایت ہی اہم شے تھی، جو نوری نے انتہائی رازداری کے ساتھ مہر سلیم کے لیے بھجوائی تھی۔ اور یہ اہم شے...... کوئی قیمتی دستاویز بھی ہو سکتی تھی۔

میں نے فوری طور پر اشتیاق کے ساتھ ایک اور کانسٹیبل کی ڈیوٹی بھی لگا دی۔ منیر اور اشتیاق کو سادہ لباس میں رہتے ہوئے حویلی کی نگرانی کرنا تھی، اور میں نے ان دونوں کو اس بات کا مکمل اختیار بھی دے دیا کہ اگر نوری یا نوید میں سے کوئی حویلی سے نکل کر کہیں دور جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے گرفتار کر کے فوراً تھانے پہنچایا جائے۔ اس بندوبست کے بعد، میں فوری طور پر قلعہ فرمان علی روانہ ہو گیا۔ اس مرتبہ میں نے اپنے ساتھ کانسٹیبل یعقوب کے علاوہ حوالدار خوش بخت کو بھی لے لیا تھا۔ وہاں کسی بھی قسم کے حالات پیش آ سکتے تھے۔ ممکن تھا، کہ مجھے مہر سلیم کی حویلی کی تلاشی بھی لینا پڑ جاتی۔

پہلی مرتبہ جب میں قلعہ فرمان علی آیا تھا، تو مہر سلیم کا رویّہ بڑا ہی دوستانہ اور مخلصانہ تھا، لیکن اب جو میرے تیور اور عزائم دیکھے تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔ ان لمحات میں وہ مجھے ویسا ہی مہر سلیم نظر آ رہا تھا، جیسا نقشہ چودھری سراج نے اس کا کھینچا تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں دوبارہ وہاں کس مقصد سے آیا ہوں، تو اس کا انداز ہی بدل گیا۔ بڑی برہمی سے بولا۔

"ملک صاحب! میں وحید کا سچا دوست تھا، اور آپ مجھ ہی پر اس کے قتل کا شک کر رہے ہیں۔ لگتا ہے، چودھری سراج نے آپ کو میرے خلاف بھڑکا دیا ہے!"

"میں کوئی ننھا بچہ نہیں ہوں، جو کوئی یونہی مجھے بھڑکا دے گا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "میں پکے ثبوت کے ساتھ یہاں آیا ہوں۔ شرافت سے بتا دو کہ تمہارا بندہ آج صبح نوری سے جو چمڑے کا بیگ لے کر آیا ہے، اس کے اندر کیا تھا، ورنہ مجھے بھی زبردستی کرنا پڑے گی۔ جب میں تمہاری حویلی کی تلاشی لوں گا، تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ مجھے سختی پر مجبور نہ کرو مہر سلیم!"

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میرے خطرناک تیور دیکھ کر وہ قدرے نرم پڑ گیا۔ ''اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو بے شک حویلی کی تلاشی لے لیں۔ آپ کو یہاں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔''

''حویلی کی تلاشی تو میں بعد میں لوں گا مہر سلیم!'' میں نے پھنکار سے مشابہ لہجے میں کہا۔ ''پہلے تم مجھے اس کمرے میں لے چلو' جہاں تم زمین و جائیداد کے کاغذات کو محفوظ رکھتے ہو۔''

''آپ کو......اس کمرے......اور ان دستاویزات سے کیا کام ہے......؟'' وہ بے حد ہراساں انداز میں بولا۔

اس کی بوکھلاہٹ نے مجھے بتا دیا کہ دال میں کچھ کالا نہیں' بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں ان دستاویزات کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا چاہتا ہوں کہ مہر سلیم کی زمین اور جائیداد کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اسے تم مردم شماری کی طرح جائیداد شماری سمجھ لو......'' میں نے لمحاتی توقف کیا' پھر چبھتے ہوئے انداز میں اضافہ کیا۔

''اور......اس طرح یہ سمجھنے میں بھی آسانی رہے گی کہ مقتول ملک وحید نے اپنی اسی ایکڑ اراضی کب اور کتنی رقم کے عوض تمہارے ہاتھ فروخت کی تھی......؟''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......!'' وہ بے حد پریشان نظر آنے لگا۔ ''مم......مم......میں نے تو وحید کی زمین خریدی ہی نہیں۔''

''تو پھر تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔'' میں نے پچکارتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تم بے دھڑک مجھے اپنے کاغذات دکھا دو۔ ساری بات واضح ہو جائے گی۔''

زمین و جائیداد کی دستاویزات دیکھنے کی ''خواہش'' ظاہر کر کے میں نے گویا اس کے نرخرے پر انگوٹھا رکھ دیا تھا۔ وہ اس نادیدہ ناخن کی چبھن اور انگوٹھے کے دباؤ سے بہت تڑپا اور پھڑکا' لیکن میں نے اپنی ''گرفت'' میں کوئی کمی نہ آنے دی اور دھمکی آمیز انداز میں اسے ہر وہ راہ دکھا دی' جس پر قدم رکھ کر وہ خطرناک نتائج حاصل کر سکتا تھا۔ بالآخر اس نے میرے عزم کے سامنے ہتھیار پھینک دیے۔

میں نے تھوڑی سی کوشش کے بعد اس کے کاغذات میں سے مقتول کی اسی ایکڑ اراضی کے کاغذات الگ کر لیے۔ یہ ایک ایسا ثبوت تھا' کہ مجھے مہر سلیم کو گرفتار کر کے تھانے لانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

تھانے پہنچتے ہی......اس کھیل کے دوسرے کردار یعنی مقتول کی بیوی نوری کو بھی میں نے اس کی حویلی سے گرفتار کر لیا۔ دونوں کو الگ الگ کمرے میں رکھ کر میں نے ان کے بیانات قلم بند کیے' جن کی روشنی میں ملک وحید کے پُراسرار قتل کا معمہ حل ہو گیا۔ یہ قتل مہر سلیم نے کروایا تھا' اور اس کام میں نوری کی تائید شامل تھی۔ وہ دونوں ''اندر'' سے ملے ہوئے تھے' اور وحید کو راستے سے ہٹانے کے بعد وہ ''باہر'' سے بھی ملنا چاہتے ہیں۔

نوری نے اپنے اقراری بیان میں بتایا کہ جب مہر سلیم کا ان کی حویلی میں آنا جانا شروع ہوا' تو وہ اسے پسند کرنے لگی تھی' پھر یہ پسندیدگی اتنی بڑھی کہ وہ اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال سمجھنے لگی۔ دوسری جانب مہر سلیم کی کیفیت بھی کچھ اسی نوعیت کی تھی۔ وہ نوری سے عشق لڑانے کے دوران یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ بہ الفاظِ دیگر وہ اپنے دوست کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہا ہے۔

نوری اور مہر سلیم کو اس بات کا بہ خوبی اندازہ تھا' کہ وحید کی زندگی میں وہ ایک نہیں ہو سکیں گے' لہٰذا جب انہوں نے متفقہ طور پر وحید کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا' تو نوری نے لگے ہاتھوں اپنی راہ کے آخری کانٹے کو بھی چننے کا بندوبست کر دیا۔ اس نے کوشش کر کے ملک نوید کی طلائی زنجیر چرالی' جس میں دل کی شکل کا تعویذ تھا' جس پر ''این'' بنا ہوا تھا۔ اس نے وہ لاکٹ مہر سلیم کو دے دیا' تا کہ وحید کے قتل کے بعد جائے وقوعہ پر وہ لاکٹ پڑا ملے' اور پولیس کی تفتیش کا رخ ملک نوید کی طرف مڑ جائے۔

اور ایسا کسی حد تک ہوا بھی' لیکن نوری اور مہر سلیم کی جلد بازی نے کھیل کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اگر چمڑے کے بیگ والا واقعہ اتنی جلدی پیش نہ آیا ہوتا' تو ملک نوید کی جان آسانی سے چھوٹنے والی نہیں تھی۔ اسے آپ نوید کی خوش قسمتی اور ان دونوں کی سنگین حماقت سمجھ لیں کہ چمڑے والے بیگ کے سلسلے میں انہوں نے چند روز بھی صبر نہیں کیا۔ نوری نے اسی بیگ میں اسّی ایکڑ اراضی کے کاغذات کوٹلا معراج سے قلعہ فرمان علی بھیجے

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھے۔

یہ سچ ہے کہ دنیا کا ذہین سے ذہین مجرم بھی کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ضرور کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتو ہمیں چاروں طرف مجرم ہی مجرم دندناتے نظر آئیں۔ بس بات اتنی سی ہے کہ مجرم کی اس غلطی کو پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے' جیسا کہ میں نے نوری اور مہر سلیم کی جلد بازی کو فوراً نوٹ کر لیا تھا' ورنہ اپنی اپنی جگہ ان دونوں نے تو ایسی پرفارمنس دی تھی کہ وہی مقتول کے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ نظر آتے تھے' اور لاکٹ کی دستیابی کے باعث نوید کی ذات شکوک و شبہات کے بھنور میں آ پھنسی تھی' لیکن اس کی خوش قسمتی کہ عین وقت پر بازی پلٹ گئی۔

خوشی کے حصول پر کوئی پابندی ہے' اور نہ ہی عشق و محبت کرنے کی ممانعت' لیکن اہمیت اس بات کی ہے کہ ہمارا عمل کس نوعیت کا ہے۔ نوری اور مہر سلیم نے ایک ہونے کے لیے جو راہ اپنائی وہ سنگین ہی نہیں' بلکہ قابلِ مذمت بھی ہے۔ وہ دونوں شادی شدہ تھے۔ اپنے اپنے رفیقِ حیات سے بے وفائی کا ارتکاب کر کے' انہوں نے جس خطرناک کھیل کا آغاز کیا تھا' اس کا انجام بھی اتنا ہی خطرناک اور افسوس ناک ہوا تھا۔

وہ شادی' جس کے لیے انہوں نے بڑے حسین سپنے بُنے تھے......وقت سے پہلے ہی' پلک جھپکتے میں ''شادی بربادی'' ہو کر رہ گئی تھی۔

✹✹✹

وفا پیشہ

وہ موسم سرما کے ابتدائی دن تھے۔ پینسٹھ کی جنگ ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا' اور جنگ کے اثرات زندگی کے ہر شعبے میں بڑے واضح دکھائی دیتے تھے۔ میں ''موضع رکھاں والی'' کے تھانے میں حال ہی میں تعینات ہوا تھا۔ ایک دن میں تیار ہو کر تھانے پہنچا تو مجھے بتایا گیا۔

''ملک صاحب! بکریوں والی چاچی آپ سے ملنا چاہتی ہے!''

''بکریوں والی چاچی!'' میں نے سوالیہ نظروں سے اطلاع فراہم کرنے والے کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔

''جی ملک صاحب!'' کانسٹیبل منظور نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''بکریوں والی چاچی اِدھر ہی رکھاں والی میں رہتی ہے۔''

''جناب! چاچی کا اصل نام تو مریم ہے۔'' کانسٹیبل وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''پہلے وہ مریاں کے نام سے مشہور تھی......پھر اس نے بکریاں پال لیں۔ وہ اپنی بکریوں سے اتنی محبت کرتی ہے کہ اس لگاؤ کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے اسے بکریوں والی چاچی کہنا شروع کر دیا ہے۔''

''اوہ! تو یہ بات ہے۔'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی' پھر کانسٹیبل سے پوچھا۔ ''یہ بکریوں والی چاچی مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟''

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ہم نے اس سے بہت پوچھا کہ تھانے دار سے تمہیں کیا کام ہے' لیکن وہ کچھ بھی بتانے کو تیار نہیں ہے۔" کانسٹیبل نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں بتایا۔ "اس کی زبان پر بس ایک ہی بات ہے کہ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے......اور کام بھی صرف آپ ہی کو بتائے گی۔"

"ٹھیک ہے......تم اس بکریوں والی چاچی کو میرے پاس بھیج دو۔"

کانسٹیبل منظور "جناب! ابھی بھیجتا ہوں۔" کہہ کر میرے کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد مریم عرف بکریوں والی چاچی میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے سرتاپا بغور اس کا جائزہ لیا اور معتدل لہجے میں کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

وہ خاموشی سے بیٹھ گئی پھر پُرامید نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

مریم کی عمر لگ بھگ پینتالیس سال ہوگی۔ قد چھوٹا اور جسم مائل بہ فربہی۔ رنگ گورا' چہرہ گول اور ہاتھ پاؤں قدرے چھوٹے۔ اس وقت مریم کے چہرے پر ایک خاص قسم کی سنجیدگی تھی۔ اس سنجیدگی میں حزن و ملال بھی شامل تھا۔ کانسٹیبل نے مجھے اس کے بارے میں چند ایک باتیں بتا دی تھیں' لہٰذا انہی معلومات کی روشنی میں میں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"بی بی! کیا اس گاؤں کے لوگ تمہیں بکریوں والی چاچی کہتے ہیں؟"

"جی' تھانے دار صاحب!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"مجھے بتلایا گیا ہے کہ تم کسی خاص سلسلے میں مجھ سے ملنے آئی ہو۔" میں نے اس کی ویران آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "اور تھانے کے عملے میں سے کسی کو کچھ بتانے کی روادار نہیں ہو؟"

"آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے جناب!" وہ دکھی لہجے میں بولی۔ "بات ہی ایسی ہے کہ میں آپ کے سوا کسی اور کے سامنے زبان نہیں کھول سکتی۔"

"ایسی کیا بات ہے مریم؟" میں نے گمبھیر لہجے میں دریافت کیا۔

"بات میں بعد میں بتاؤں گی۔" وہ کسی معصوم بچے کے مانند مچل کر بولی۔ "پہلے میں اپنی تسلی کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کے انداز نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ میں نے تیز آواز میں پوچھا۔ "کیسی

تسلی؟"

"اس بات کی تسلی کہ آپ ایک فرض شناس اور ایماندار تھانے دار ہیں؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

مریم کے سنجیدہ اور انوکھے انداز نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور پوچھا۔

"اور تمہاری یہ تسلی کس طرح ہوگی؟"

"آپ میرے چند سوالات کے ٹھیک ٹھیک جوابات دیں۔" وہ بہ دستور گہری سنجیدگی سے بولی۔ "میں خود ہی اندازہ قائم کرلوں گی کہ آپ پر بھروسا کیا جا سکتا ہے یا نہیں!"

یوں محسوس ہو رہا تھا' کہ مریم اس تھانے کی انچارج ہو' اور میں کسی سائل کی حیثیت سے اس کے سامنے بیٹھا ہوں۔ میں اتنا تو سمجھ گیا کہ وہ کسی نہایت ہی اہم راز سے پردہ اٹھانے میرے پاس آئی ہے' لیکن وہ راز کیا تھا؟ اس کا ابھی تک مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ لہٰذا میں نے پوری توجہ سے مریم کو سننے کا فیصلہ کیا' اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے مریم! تم کرو سوال!"

اس نے پوچھا۔ "تھانے دار صاحب! کیا آپ کی نظر میں اس گاؤں کے لوگ......سب لوگ برابر ہیں؟"

"بالکل......میں تمام لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہوں۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "قانون سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کو کہتا ہے۔"

"یعنی......آپ کی نگاہ میں' یہاں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"جو بھی کسی جرم میں ملوث ہوگا' اسے اس کے جرم کے مطابق سزا ملے گی۔ کوئی اپنی طاقت اور اختیار کی وجہ سے کسی خاص رعایت یا چھوٹ کا مستحق نہیں ہو سکتا؟"

"بالکل! یہ ایک اصولی بات ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔

"قانون اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔"

وہ اپنی تسلی کو آخری مراحل سے گزارتے ہوئے بولی۔ "آپ کا مطلب یہی ہے نا......کہ اگر کسی چودھری' وڈیرے یا پٹواری کی اولاد بھی جرم کرے گی' تو وہ اپنے باپ کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تعلقات کی وجہ سے سزا سے نہیں بچ سکے گی؟"

"ہاں بھئی! میرا یہی مطلب ہے۔" میں نے جواب دیا۔

وہ مطمئن انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے...... میں آپ سے بات کر سکتی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے......!" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہاری تسلی ہوگئی کہ میں ایک فرض شناس اور ایماندار انچارج ہوں؟"

اس نے اثبات میں سرہلایا اور تصدیقی انداز میں بولی۔ "جی' تھانے دار صاحب! آپ سے پہلے جو یہاں تھانے دار تھے' وہ بہت مختلف اور عجیب وغریب تھے۔ ان کے نزدیک طاقتور اور پہنچ والے لوگ سزا سے مبرا تھے۔ ان کا قانون ہر انسان کے لیے مختلف تھا۔ میں نے جب اپنا مسئلہ کھرل صاحب کے سامنے رکھا' تو انہوں نے مجھے پاگل قرار دے دیا۔ وہ میری قانونی مدد تو کیا کرتے' انہوں نے تو میری بات...... میرے مسئلے کو توجہ سے سننا بھی گوارا نہیں کیا۔ میں...... بے بس عورت سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہ کر سکی۔"

میں نے بغور اپنے سامنے بیٹھی بکریوں والی چاچی کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر موجود تاثرات میں مجھے کوئی کھوٹ نظر نہ آیا۔ وہ ان لمحات میں بے حد جذباتی اور رنجیدہ ہو رہی تھی۔ اس کی کیفیت کے پیش نظر میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "مریم بی بی! قانون کسی کے باپ کی جاگیر نہیں' جو بہ وقت ضرورت اس میں لچک اور سختی پیدا کر لی جائے۔ یہ ہر شاہ وگدا اور چھوٹے بڑے پر یکساں لاگو ہوتا ہے۔ کوئی مجید کھرل یا ملک صفدر حیات تھانہ انچارج کی حیثیت سے اس میں ترمیم واضافہ نہیں کر سکتے ہیں!"

اس نے متاثر کن انداز میں اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "مریم! تم بلاخوف وخطر مجھے اپنا مسئلہ بتا سکتی ہو۔ میں تمہارے مسئلے میں انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کروں گا۔"

مجھ سے پہلے موضع رکھاں والی کے اس تھانے میں مجید کھرل بطور تھانہ انچارج تعینات تھا۔ میں نے کھرل کی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کے بہت سے قصے سن رکھے

تھے۔ وہ طاقت کو سلام کرنے اور کمزوری کو بدنام کرنے والا تھانے دار تھا۔ ایسے کسی بھی شخص سے قانون کی بالادستی قائم کرنے کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ایسے اہلکار...... بلکہ نااہل کار قانون کے رکھوالے نہیں' بیٹارے ہوتے ہیں۔

مریم چند لمحات تک سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی' پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "تھانے دار صاحب! یہاں رکھاں والی میں پٹواری دوست محمد کا بڑا اثر و رسوخ ہے۔ میں اس کی شکایت لے کر آئی ہوں' آپ سے پہلے میں نے تھانے دار مجید کھرل سے بھی شکایت کی تھی' لیکن اس نے میری ایک نہ سنی' اور مجھے پاگل قرار دے دیا......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوئی' تو میں نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"تمہیں پٹواری دوست محمد سے کس قسم کی شکایت ہے؟"

"جناب! جب میرا گھر والا زندہ تھا' تو اس پٹواری کا اس سے بڑا یارانہ تھا۔" اس نے بتایا۔ "لیکن شوکت علی کے آنکھ بند کرتے ہی سب کچھ بدل گیا۔ پٹواری کے رویے سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ ہمیں جانتا ہی نہیں ہو۔ میں اور میرا گھر اس کے لیے اجنبی ہیں۔"

"اس کے لیے زیادہ غمزدہ اور افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں مریم۔" میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ "دنیا کا چلن اور زمانے کا دستور یہی ہے۔"

وہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے پوچھا۔

"کیا تم صرف پٹواری دوست محمد کی بے اعتنائی کا شکوہ کرنے آئی ہو؟"

"بے اعتنائی نہیں جناب......" وہ تلخی سے بولی۔ "بے رحمی اور سفاکی کہیں۔ اس ظالم انسان نے میرے ساتھ بڑی ناانصافی کی ہے۔"

"کیسی ناانصافی؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ "پٹواری کے بیٹے ظفر نے نرگس کو قتل کر دیا۔ میں دہائی دیتی رہ گئی۔ کسی نے میری فریاد پر کان نہیں دھرے۔ نہ پٹواری دوست محمد نے اور نہ ہی تھانے دار مجید کھرل نے۔ مجھے پاگل بڑھیا قرار دے کر معاملہ دبا دیا گیا۔ پٹواری نے

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اپنی طاقت اور اثر رسوخ استعمال کر کے اپنے بیٹے کو صاف بچا لیا' اور میں بے بس عورت روتی گڑگڑاتی رہ گئی۔"

وہ بات مکمل کر کے خاموش ہوئی' تو میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی بیان کردہ کہانی میں اچانک ایک نیا موڑ آ گیا تھا۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ "یہ نرگس کون ہے؟"

"نرگس ہے نہیں...... بلکہ تھی!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "میں اپنی جوان جہان بیٹی کی بات کر رہی ہوں تھانے دار صاحب! جسے پٹواری کے بیٹے ظفر نے قتل کر کے کھیتوں میں پھینک دیا تھا!"

"اوہ!" میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔ "اس چھوٹے سے گاؤں میں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا' اور پولیس نے اس کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا؟"

"آپ کے آنے سے پہلے تو یہاں اندھیر مچی ہوئی تھی' تھانے دار صاحب!" وہ امید بھری نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ "قانون کو طاقتور لوگوں نے کھلونا بنا رکھا تھا۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ......"

اس نے ایک بار پھر جملہ ادھورا چھوڑا تو میں نے سوال کیا۔ "نرگس کے قتل کا واقعہ کتنا عرصہ پہلے پیش آیا تھا؟"

"یہی کوئی...... چار سوا چار ماہ پہلے جناب!" مریم نے جواب دیا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ تمہاری بیٹی کے قتل میں پٹواری کے بیٹے ظفر ہی کا ہاتھ ہے؟"

"پکا یقین ہے تھانے دار صاحب!" وہ پُر وثوق انداز میں بولی۔

میں نے پوچھا۔ "کوئی ثبوت بھی ہے تمہارے پاس؟"

"میرے ہاتھ میں تو کوئی ثبوت نہیں' لیکن میرا دل اور دماغ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ظفر کے سوا میری نرگس کا قاتل اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "دیکھو مریم! عدالت اور قانون دل یا دماغ کی گواہی کو نہیں مانتے۔ وہ ٹھوس ثبوت مانگتے ہیں' واقعاتی شواہد کا تقاضا کرتے ہیں۔"

وہ مایوس ہو گئی' اور مدد طلب نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے پوچھا۔ "اگر تمہیں پکا یقین ہے کہ پٹواری کے بیٹے ظفر نے تمہاری بیٹی نرگس کو موت کے گھاٹ اتارا ہے' تو اس یقین کا کوئی نہ کوئی سبب بھی ہو گا۔ میں کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے وہ سبب جاننا چاہتا ہوں۔"

"آپ نرگس کے قتل کی تفتیش شروع کریں' تو ثبوت خود بہ خود آپ کے سامنے آتے چلے جائیں گے۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔ "پھر آپ بھی میری تائید کریں گے۔"

میں اس کی سادگی پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا' تاہم اتنا ضرور کہا۔ "مریم! تمہارا یقین اپنی جگہ' لیکن پولیس کو تفتیش کا آغاز کرنے کے لیے کسی بنیادی نقطے کی ضرورت ہوتی ہے اور تمہارے پاس...... خیر!"

"تھانے دار صاحب! کیا کسی شے کی موجودگی کے لیے یقین کافی نہیں ہوتا؟ ہم اس کائنات کی سب سے بڑی سچائی اور حقیقت کو بھی تو صرف یقین کی قوت ہی سے مانتے ہیں' ورنہ کیا کسی نے کبھی اسے دیکھا ہے؟"

میں وقتی طور پر مریم کے سامنے لاجواب سا ہو گیا۔ اس نے ایسی ہستی کی مثال دی تھی' کہ جرح اور بحث کی گنجائش نہیں نکالی جا سکتی تھی۔ مریم کوئی عالم فاضل یا فلسفی قسم کی عورت نہیں تھی' کہ میں دلائل اور عقلی مثالوں سے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا کہ اس معاملے میں بزرگ و برتر کو مثال بنا کر پیش کرنا مناسب نہیں۔ وہ تو بے نیاز ہے' اور اس کے جیسا کوئی بھی نہیں۔

میں نے مریم کی ذہنی سطح کے پیش نظر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے چاچی! تم مطمئن ہو کر جاؤ۔ میں آج ہی تمہاری بیٹی کے قتل کے سلسلے میں تفتیش شروع کرتا ہوں۔ اس حوالے سے اگر تمہاری مدد کی ضرورت پیش آئی تو میں تمہارے گھر پر بھی آؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب!" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "مجھے امید ہے' آپ نرگس کے قاتل کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ضرور پہنچائیں گے۔"

میں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا اور خاموش رہا۔

وہ مجھے دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مریم کے جانے کے بعد میں کافی دیر تک اسی کے بارے میں غور کرتا رہا۔ وہ مجھے معصوم اور سادہ تو لگی تھی' لیکن اس میں پاگلوں والی کوئی بات نظر نہیں آتی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' کہ سابق تھانہ انچارج مجید کھرل نے اسے پاگل کیوں قرار دے دیا تھا۔ پٹواری کے بیٹے ظفر نے نرگس کا قتل کیا تھا' یا نہیں' یہ ایک الگ معاملہ تھا' لیکن کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے کے لیے تفتیش کا عمل ضروری تھا' جو کہ نہیں کیا گیا اور یہی بات میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ پٹواری دوست محمد کا اثر ورسوخ اپنی جگہ' لیکن کسی فریادی کی رپورٹ پر قانونی کارروائی ہونا چاہیے تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ نرگس والے معاملے میں کوئی گڑبڑ ہے۔ میں اس تھانے میں نیا تھا' لہٰذا رکھاں والی کے ماضی سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اس واقفیت کے حصول کے لیے میں نے اے ایس آئی اعجاز سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اعجاز کا تعلق اسی علاقے سے تھا' اور وہ اس تھانے کا ایک مستعد اور فعال اہلکار تھا۔ مجھے یقین تھا' وہ اس سلسلے میں میری بھرپور مدد کرے گا۔

میں نے کانسٹیبل منظور کو اپنے پاس بلا کر اعجاز کو بھیجنے کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے پتا چلا کہ اعجاز ابھی تھانے نہیں پہنچا۔ وہ مقامی ہونے کا پورا فائدہ اٹھاتا تھا' اور رات کو آرام کے لیے اپنے گھر چلا جایا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کانسٹیبل سے کہا۔ ''اعجاز جیسے ہی تھانے پہنچے' تم اسے میرے پاس بھیج دینا۔''

''او کے ملک صاحب!'' کانسٹیبل نے مجھے سیلیوٹ کیا اور واپس چلا گیا۔

میں ایک مرتبہ پھر مریم کے معاملے پر غور کرنے لگا۔

٭٭٭

لگ بھگ گیارہ بجے دوپہر اعجاز کی آمد ہوئی' اور وہ سیدھا میرے کمرے ہی میں چلا آیا۔ میں نے سلام دعا کے بعد اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا' اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''خیریت تو ہے ملک صاحب! پتا چلا ہے' آپ مجھے کافی دیر سے ڈھونڈ رہے تھے؟''

''تمہارے سوال کا جواب تو میں بعد میں دوں گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''پہلے تم یہ بتاؤ کہ کسی پولیس اہلکار کے مقامی ہونے کا یہ مطلب ہے' کہ وہ جب دل چاہے' ڈیوٹی پر آئے...... دن چڑھے یا شام ڈھلے؟''

''نہیں جناب!'' وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ''ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔''

''تو پھر؟'' میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے گھورا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ملک صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ پچھلی رات سے میرے بیٹے کو تیز بخار ہے۔ بس فرہاد ہی کی وجہ سے آج تھانے پہنچنے میں دیر ہو گئی' ورنہ آپ پوچھ لیں کسی سے بھی...... میں روزانہ وقت پر آ جاتا ہوں۔''

میں نے رواداری میں پوچھ لیا۔ ''اعجاز! کہیں تمہارے فرہاد کو کسی شیریں والا بخار تو نہیں؟''

''نہیں جناب!'' وہ جلدی سے نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''میرے بیٹے فرہاد کی عمر تو ابھی صرف چار سال ہے۔ اسے کیا پتا' شیریں کیا ہوتی ہے!''

وہ بالکل درست کہہ رہا تھا۔ واقعہ اس زمانے میں چار سال کیا' چودہ سال کے لڑکوں کو بھی شیریں' لیلیٰ اور ہیر اور سسی کی اہمیت سے آگاہی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مقابلے میں آج کا زمانہ بڑا تیز ہے' اور بچے اس سے بھی زیادہ طرار! میڈیا کی آزادی اور ملکی و غیر ملکی ٹی وی چینلز کی بھرمار نے بچوں کو سنِ بلوغت سے بہت پہلے ہی بالغ اور ''واقف'' بنا دیا ہے۔ آج کے پانچ چھ سالہ بچے سے اگر پوچھا جائے کہ وہ کس سے شادی کرے گا' تو وہ اپنی پسند کے مطابق نام لینے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ ان کی یہ پسندیدگی ثنا' نتاشا' ایشوریا' رانی مکھرجی اور ملیکہ شراوت سے آگے بڑھ کر جولیا رابرٹس' انجلینا جولی' شکیرا اور ریحانہ تک جا پہنچی ہے۔ بہرحال' وقت وقت کی بات ہے' اور وقت کے ساتھ ہر شے کے طور طریقے اور انداز بدل جاتے ہیں۔

ہمارے والدین کو بعض معاملات میں ہم سے سخت شکایات ہوا کرتی تھیں' بعض معاملات میں ہمیں اپنے بچوں سے شکوہ ہے' اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ ان بچوں کو اپنے بچوں سے اسی طرح کے رنگین و سنگین شکوے شکایات ہوں۔

میں نے اے ایس آئی اعجاز حسین کے عذر کو درست تسلیم کرتے ہوئے اصل موضوع کی طرف آنے میں ذرا دیر نہ لگائی' اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اعجاز! کیا تم مریم کو جانتے ہو؟''

''آپ بکریوں والی چاچی کی بات کر رہے ہیں نا!'' اس نے چونک کر میری جانب دیکھا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! میں اسی مریم کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''جی ملک صاحب!'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''میں بکریوں والی چاچی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''اگر تم اس سے اچھی طرح واقف ہو تو پھر اس کا مسئلہ بھی تمہارے علم میں ہوگا؟''

''کون سا مسئلہ ملک صاحب؟'' اس نے الجھن زدہ انداز سے مجھے دیکھا۔

میں نے بتایا۔ ''مجھے پتا چلا ہے' اس یہاں کے پٹواری دوست محمد اور سابق تھانہ انچارج مجید کھرل سے بڑی شکایات رہی ہیں۔ تم اسی گاؤں کے رہنے والے ہو' اور مجید کھرل کے ساتھ بھی طویل عرصہ کام کر چکے ہو' لہٰذا اس معاملے پر تم سے بہتر انداز میں

کوئی اور شخص روشنی نہیں ڈال سکتا۔ تم مجھے بتا سکتے ہو' بکریوں والی چاچی کے ساتھ کون سے مسائل ہیں؟''

اے ایس آئی سے بات کرتے ہوئے میں نے دانستہ نرگس اور ظفر محمود کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا' کہ میرے اشارے پر اعجاز کا ذہن کس طرف جاتا ہے۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔

''ملک صاحب! بکریوں والی چاچی کا ذہنی توازن درست نہیں۔ یہ عجیب عجیب سی اور الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہے۔ اس لیے سمجھدار لوگ اس کی باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ اگر آپ معاملے کی نشاندہی کر دیں' تو مجھے جواب دینے میں آسانی ہو جائے گی۔''

''ہوں!'' میں نے اے ایس آئی سے پوچھا۔ ''تمہیں یہ تو معلوم ہی ہوگا' کہ کوئی چار سوا چار ماہ پہلے مریم کی بیٹی نرگس کو قتل کر کے کھیتوں میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ نرگس کی موت کا ذمے دار پٹواری دوست محمد کا بیٹا ظفر محمود ہے۔ وہ شکایت لے کر یہاں تھانے میں آئی تھی' لیکن سابق تھانہ انچارج نے اس کی فریاد پر کان دھرنے کے بجائے اسے پاگل قرار دیتے ہوئے اس معاملے کو دبا دیا تھا۔ دوست محمد کے اثر و رسوخ نے اس کے بیٹے پر آنچ نہیں آنے دی۔''

''اچھا! تو یہ بات ہے!'' میں خاموش ہوا' تو اعجاز حسین نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کے تمام سوالات کے جواب دیتا ہوں' بس آپ مجھے اتنا بتا دیں کہ کیا یہ ساری معلومات آپ کو بکریوں والی چاچی نے فراہم کی ہیں؟''

''ہاں!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''وہ صبح میرے پاس آئی تھی!''

''میں نے آپ کو بتایا ہے نا' چاچی کی ذہنی کیفیت قابلِ بھروسا نہیں۔'' اے ایس آئی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ٹھہریں...... میں آپ کو حقائق سے آگاہ کرتا ہوں۔''

میں پوری توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''ملک صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ بکریوں والی چاچی کی بیٹی نرگس چار ماہ پہلے نہیں' بلکہ لگ بھگ ایک سال قبل اس دنیا سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رخصت ہوئی تھی اور...... اسے کسی نے قتل نہیں کیا تھا۔ اس نے خودکشی کی تھی۔ ایک صبح وہ اپنے بستر پر مردہ پائی گئی تھی' اور وہ بھی اس طرح کہ اس نے کلائیوں کی رگیں کاٹ ڈالی تھیں۔ اس کے بدن سے خارج ہونے والے تیز رفتار خون نے پورے بستر کو لہولہان کر دیا تھا' اور...... جہاں تک چاچی کی شکایت اور کھرل صاحب کی عدمِ توجہی کا تعلق ہے' تو یہ بالکل الگ معاملہ تھا۔''

''الگ معاملہ...... کیا مطلب؟'' وہ سانس لینے کے لیے رکا' تو میں نے فوراً سوال داغ دیا۔

اے ایس آئی نے جواب دیا۔''ملک صاحب! چار سوا چار ماہ پہلے چاچی جو شکایت لے کر کھرل صاحب کے پاس آئی تھی' اس معاملے کا نرگس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔''

''یہ تم بڑی عجیب بات کر رہے ہو!'' میں نے الجھن زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''چاچی نے تو مجھے بتایا ہے کہ وہ نرگس کے قتل کے سلسلے میں فریاد لے کر سابق تھانہ انچارج کے پاس آئی تھی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ پٹواری دوست محمد کے بیٹے ظفر محمود نے اس کی بیٹی نرگس' کو قتل کر کے اس کی لاش ادھر کھیتوں میں پھینک دی تھی' لیکن تھانے دار نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا اور ظفر کو صاف چھوڑ دیا......!''

میں نے بات نامکمل چھوڑ کر اے ایس آئی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا' تو اس نے تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔''جناب! میں نے کہا ہے نا کہ بکریوں والی چاچی کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں۔ نرگس کی خودکشی کے بارے میں' میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں' باقی جہاں تک کھیتوں میں کسی کی لاش ملنے کا تعلق ہے تو یہ قصہ بڑا مضحکہ خیز اور دلچسپ ہے۔ سنیں گے تو آپ کو چاچی کی ذہنی حالت کا بہ خوبی اندازہ ہو جائے گا۔ ایسی بات نہیں ہے کہ کھرل صاحب نے چاچی کی شکایت پر کوئی کارروائی نہ کی ہو۔ کھرل صاحب نے مجھے جائے وقوعہ کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا تھا۔ میں چاچی مریم کے ہمراہ اس کھیت میں پہنچا' جہاں چاچی کے بیان کے مطابق ظفر نے نرگس کی لاش پھینکی تھی' لیکن وہاں کی صورتِ حال نے پہلے مجھے قہقہے لگانے پر مجبور کیا اور ازاں بعد مجھے چاچی کی حماقت پر شدید غصہ آیا۔''

''کیوں؟'' میں نے آنکھیں سکیڑ کر اس کی طرف دیکھا۔''تم نے وہاں ایسا کیا دیکھ لیا تھا۔ کیا نرگس کی لاش کھیتوں میں موجود نہیں تھی؟''

''ہرگز نہیں ملک صاحب!'' اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی۔

میں نے متذبذب لہجے میں استفسار کیا۔''پھر؟''

وہ بولا۔''جناب! وہاں کھیتوں میں مجھے ایک بکری مردہ حالت میں پڑی نظر آئی تھی۔ کسی شخص نے بکری کی گردن کاٹ کر اسے کھیتوں میں پھینک دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ بکری چاچی مریم کی ملکیت تھی' لیکن وہ ہرگز ہرگز نرگس نہیں تھی۔ میں نے شک زدہ نظروں سے چاچی کا جائزہ لیا' تو وہ گلوگیر آواز میں احتجاج کرنے لگی...... مجھے پتا ہے' آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا' لیکن میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔ یہ نرگس ہے' میری پیاری بیٹی نرگس جسے پٹواری کے ظالم بیٹے نے قتل کر کے یہاں پھینک دیا ہے۔ میں تھانے دار کے سامنے بھی یہی بیان دوں گی' اور کچہری میں جا کر بھی یہی دہائی دوں گی!''

اے ایس آئی خاموش ہوا' تو میں نے گمبھیر لہجے میں اس سے دریافت کیا۔''یہ تو خاصی تشویشناک صورتِ حال ہے۔ پھر تم نے کیا کیا؟''

''جناب! کرنا کیا تھا...... میں کھیتوں سے واپس تھانے آ گیا۔'' اے ایس آئی نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔'' میں نے کھرل صاحب کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ میرے ساتھ ہی چاچی مریم بھی تھانے پہنچ گئی تھی۔ اس نے واویلا مچا دیا۔ اس کی زبان پر صرف یہی تھا کہ پٹواری دوست محمد کے بیٹے ظفر محمود نے اس کی بیٹی نرگس کو قتل کر دیا ہے۔ وہ بار بار کھرل صاحب سے مطالبہ کر رہی تھی' کہ ظفر کو گرفتار کر کے جیل پہنچایا جائے۔ وہ اپنی بیٹی کے قاتل کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے' لیکن ظاہر ہے...... اس کے مطالبے پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا' لہٰذا کھرل صاحب نے کوئی سنجیدہ کارروائی نہ کرتے ہوئے یہ معاملہ دبا دیا۔ جب کھرل صاحب نے چاچی کا مطالبہ پورا نہیں کیا تو اس نے یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ تھانے دار نے پٹواری کے اثر سے مرعوب ہو کر یہ معاملہ دبا دیا ہے' یہاں غریب اور کمزوروں کی فریاد سننے والا کوئی نہیں...... وغیرہ وغیرہ!''

''وہ مجھ سے بھی اسی حوالے سے ملی تھی۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ ''مجھے اس میں پاگلوں والی کوئی علامت نظر نہیں آئی مگر جو حالات تم نے بیان کیے ہیں' وہ تشویش ناک اور قابلِ غور ہیں۔''

اے ایس آئی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ بظاہر پاگل دکھائی نہیں دیتی' لیکن بکری والے معاملے میں اس نے جس رویے کا مظاہرہ کیا' اسے آپ کیا نام دیں گے۔ کیا وہ بکری چاچی کی بیٹی نرگس ہو سکتی ہے؟''

''وہ بکری کیا......کوئی بھی بکری اس کی بیٹی نرگس نہیں ہو سکتی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس نقطے پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ چاچی مریم اپنے مؤقف پر اتنی سختی سے کیوں ابھی تک جمی ہوئی ہے؟'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مریم کے اس فعل کے پیچھے کوئی نہ کوئی نفسیاتی پیچ ضرور چھپا ہوا ہے۔ اگر ہم اس پیچ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں' تو یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔ بس' ہمدردانہ انداز میں تھوڑی کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔''

اے ایس آئی نے اظہارِ رائے کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے خیال میں چاچی کی ذہنی کیفیت کا سبب نرگس کی المناک موت ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد وہ نرگس تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ نرگس اس کی اکلوتی اولاد تھی' لہٰذا اس کی توجہ کا مرکز ومحور تھی۔ جب نرگس نے خودکشی کی تو وہ بکھر کر رہ گئی تھی۔ تھوڑے عرصے کے بعد اس نے دو تین بکریاں پال لیں' اور ان بے زبان جانوروں کے ساتھ سگی اولاد جیسا سلوک کرنے لگی۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اسے بکریوں والی چاچی کہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بکریوں کے بارے میں......علی الاعلان کہتی تھی کہ وہ اس کی بیٹیاں ہیں۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''میرے خیال میں وہ اس بکری کو نرگس سمجھنے لگی تھی' جو مردہ حالت میں کھیتوں میں پڑی ملی تھی۔ نرگس کی موت نے چاچی کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔''

''تم ذہین' سمجھدار اور تجربہ کار پولیس آفیسر ہو۔'' اے ایس آئی کے خاموش ہونے پر میں نے ستائشی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''تم نے حالات و واقعات کی روشنی میں چاچی مریم کی ذہنی کیفیت کا بالکل درست تجزیہ کیا ہے۔ سارے حالات جاننے کے بعد میں بھی انہی خطوط پر سوچ رہا ہوں' لیکن اس سب کے باوجود بھی میرے ذہن

میں ایک بات کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے!''

''کون سی بات ملک صاحب؟'' اس نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

میں نے بتایا۔ ''وہ نرگس......میرا مطلب ہے' اپنی بکری کی موت کا ذمے دار پٹواری کے بیٹے ظفر محمود کو کیوں ٹھہرا رہی ہے؟''

''ہاں واقعی!'' وہ معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ واقعی قابلِ غور نقطہ ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اس گاؤں میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ اس کا اشارہ پٹواری کے بیٹے ہی کی جانب کیوں ہے؟ کہیں اس طرح وہ پولیس کو کسی سنسنی خیز امر کی جانب متوجہ تو نہیں کرنا چاہتی؟''

''مثلاً......کون سا سنسنی خیز امر؟'' اے ایس آئی نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''وہ ہلاک ہونے والی بکری کو اپنی بیٹی نرگس سمجھ رہی ہے۔'' میں نے اپنے ذہن میں اُبھرنے والے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ نرگس کی خودکشی والے واقعے میں کسی نہ کسی حوالے سے ظفر محمود یا پٹواری دوست محمد کا کوئی ہاتھ رہا ہو اور چاچی اس وقت ان باپ بیٹے کے خلاف کچھ نہ کہہ سکی ہو؟''

''جناب! وہ تو سیدھی سیدھی خودکشی کی واردات تھی۔'' اے ایس آئی نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''اگر پٹواری یا اس کے بیٹے کے حوالے سے ایسی کوئی بات تھی' تو اسے اسی وقت بولنا چاہیے تھا۔''

''وہ اس وقت کیوں خاموش رہی تھی' ہم یہ بھی جاننے کی کوشش کریں گے۔'' میں نے پُرعزم انداز میں کہا۔ ''سردست ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ اس وقت پٹواری اور اس کے بیٹے کے خلاف بول رہی ہے۔ اسی بنیاد پر ہمیں اپنی تفتیش کو آگے بڑھانا ہے۔ جس کام کی کھرل صاحب کو توفیق نہیں ہوئی' وہ میں پہلی فرصت میں کروں گا اور......اس مشن میں تم پوری طرح میرا ساتھ دو گے اعجاز حسین!''

''آپ مجھے ہر مرحلے پر اپنے ساتھ پائیں گے ملک صاحب!'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا۔ ''میں تم سے یہی توقع رکھتا تھا۔''

''ٹھیک ہے...... بتائیں' کرنا کیا ہے؟''

''کرنا کیا ہے......؟'' میں نے پُرخیال انداز میں اس کے الفاظ کو دہرایا پھر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''یہ میں تمہیں رات تک بتادوں گا۔کل صبح سے ہم اس مشن پر کام شروع کر دیں گے۔ فی الحال' مجھے دو تین اہم سوالات کے جوابات چاہئیں؟''

''جی ملک صاحب! پوچھیں' آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

میں نے پوچھا۔ ''مریم کے شوہر کی وفات کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔ ''لگ بھگ پانچ سال۔''

اعجاز حسین موضع رکھاں والی کا ہی رہنے والا تھا' اور میری معلومات کے مطابق اس گاؤں میں یہ ان کی تیسری پیڑھی تھی' لہٰذا مریم بی بی کے بارے میں اعجاز سے زیادہ تفصیل اور کوئی شخص مجھے نہیں بتا سکتا تھا۔ میں نے اس کے جواب پر اثبات میں گردن ہلائی' اور مزید پوچھا۔

''اعجاز! میرے سننے میں آیا ہے کہ کسی زمانے میں پٹواری دوست محمد اور مریم کے شوہر کے درمیان خاصا یارانہ تھا' لیکن جیسے ہی مریم کے خاوند کا انتقال ہوا' پٹواری نے ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں...... اس بات میں کس حد تک صداقت ہے؟''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''ملک صاحب! یہ بات سچ ہے کہ دوست محمد اور چاچی کے شوہر شوکت علی کے بیچ اچھے تعلقات تھے' اور دونوں کا ایک دوسرے کے گھر میں آنا جانا بھی تھا۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ شوکت کے انتقال کے بعد پٹواری نے مریم کے گھر میں آمدورفت ختم کر دی تھی' مگر اس میں مجھے تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔''

میں نے خاص اور عام کی بحث چھیڑے بنا اعجاز سے سوال کیا۔ ''ذرا سوچ کر بتاؤ' جن دنوں میں پٹواری دوست محمد' شوکت علی کے گھر جایا کرتا تھا۔ کیا انہی دنوں اس کا بیٹا ظفر محمود بھی اُدھر کا چکر لگا لیا کرتا تھا؟''

''جناب...... میں نے اپنی آنکھوں سے تو کبھی ظفر محمود کو شوکت علی کے گھر میں داخل ہوتے یا باہر نکلتے نہیں دیکھا۔'' اعجاز نے سادہ سے لہجے میں بتایا۔ ''لیکن سننے میں یہی آیا

ہے کہ ظفر کا اس گھر میں آنا جانا تھا۔''

''ہوں......!'' میں نے ہنکارا بھرا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا' پھر میں نے اسے رخصت کر دیا۔

رات کو گھر جانے سے قبل وہ میرے کمرے میں آیا اور بولا۔ ''ملک صاحب! اگر میرے بیٹے کی طبیعت خراب نہ ہوتی' تو میں اور کچھ دیر اِدھر رک جاتا۔''

''کوئی بات نہیں اعجاز حسین!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تھانے میں ایسا کوئی ہنگامی کام بھی نہیں ہے۔تم اطمینان کے ساتھ گھر جا سکتے ہو۔''

''لیکن...... وہ دن میں آپ نے کہا تھا' نا کہ......'' وہ یاددہانی کرانے والے انداز میں بولا۔ ''رات کو مریم بی بی والے معاملے پر ہم بات کریں گے۔''

''ہاں' ہاں......'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ!''

وہ بڑی فرماں برداری سے چپ چاپ بیٹھ گیا۔

میں نے پندرہ بیس منٹ میں اسے اپنی پلاننگ سے آگاہ کر دیا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی' اور سمجھنے والے انداز میں سر کو اثباتی جنبش دیتا رہا۔ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد میں نے اسے چند ضروری ہدایات دیں اور رخصت کر دیا۔

✱✱✱

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں علی الصبح اٹھنے کا عادی ہوں۔ عموماً میں رات کو عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سو جاتا ہوں۔ کبھی کارِسرکار یا کسی اور وجہ سے رات کو دیر تک جاگنا بھی پڑ جائے' تو اس سے میری بیداری کے معاملات متاثر نہیں ہوتے۔ زندگی میں شاید ہی کبھی میں نمازِ فجر سے محروم ہوا ہوں۔ اس روز بھی میں نے خاصا تگڑا ناشتہ کیا' اور اپنے کوارٹر سے باہر نکل آیا۔ وہ نومبر کا مہینہ تھا۔ موسم میں اچھی خاصی خنکی اتر آئی تھی اور صبح سویرے کھیتوں میں کھڑی فصلوں اور گھاس وغیرہ پر شبنم کے قطرے بڑا دلکش اور مسرور کن منظر پیش کر رہے تھے۔ میں تھانے سے نکل کر موضع رکھاں والی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔

میرا تھانہ گاؤں سے چند گز ہٹ کر ایک نیم پختہ سڑک کے کنارے واقع تھا' اور یہاں سے ایک ہموار پگڈنڈی سیدھی گاؤں تک جاتی تھی۔ میں اسی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے بکریوں والی چاچی کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ رات کو اے ایس آئی اعجاز حسین سے میں نے اس کے گھر کی لوکیشن اچھی طرح سمجھ لی تھی۔ میں اس وقت سادہ لباس میں تھا۔

گاؤں کے اندر داخل ہونے کے بعد میں مطلوبہ گلی میں پہنچا' پھر مدینہ مسجد سے ملحق گھر کے دروازے پر دستک دی۔ میری معلومات کے مطابق اس گھر میں بکریوں والی چاچی اپنی بکریوں کے ساتھ رہتی تھی۔

دستک کے جواب میں اندر سے مریم کی آواز ابھری۔ ''پتا نہیں...... یہ صبح صبح کون آ گیا۔''

اس استفسار کے ساتھ چلتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سنائی دی۔ یقیناً وہ دروازہ کھولنے اِدھر ہی آ رہی تھی۔ مریم نے دروازہ کھولنے سے پہلے بہ آواز بلند پوچھا۔ ''کون

ہے؟''

میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا' اور تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''چاچی! یہ میں ہوں۔ ملک صفدر حیات...... اس علاقے کا تھانہ انچارج......!''

''اوہ! تھانے دار صاحب آئے ہیں۔'' اس کی تشویش بھری آواز سنائی دی' اور اگلے ہی لمحے اس نے دروازہ کھول دیا۔

اس کے چہرے پر نظر پڑی تو میں مسکرایا۔ اس نے گلی میں دائیں بائیں دیکھا' اور الجھن زدہ انداز میں بولی۔ ''تھانے دار صاحب! اتنی صبح...... اور وہ بھی سادہ لباس میں۔ خیریت تو ہے نا؟''

''ابھی تک تو سب خیریت ہی ہے۔'' میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ ''صبح کی سیر کے لیے نکلا تھا۔ اِدھر سے گزرا تو سوچا کہ تم سے بھی ملتا چلوں۔ اسی لیے تمہارے دروازے پر آ گیا ہوں۔''

''سو بسم اللہ جی......!'' وہ جلدی سے بولی۔ ''آئیں' اندر آ جائیں۔''

میں اس کے گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ ایک سادہ سا دیہاتی مکان تھا۔ گھر کے پچھلے حصے میں دو کمرے پہلو بہ پہلو بنے ہوئے تھے' جن کے آگے ایک طویل برآمدہ تھا' اور اس کے بعد وسیع و عریض صحن' جو برآمدے سے شروع ہو کر بیرونی دروازے والی دیوار تک چلا گیا تھا۔ اسی صحن میں چند سایہ دار درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ بھوری بھینس کھڑی تھی۔ اس کے قریب ہی دو بکریاں کھونٹوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ میں صحن پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر چاچی کے ساتھ برآمدے میں آ گیا۔ اس نے مجھے وہاں بچھی ایک چارپائی پر بٹھایا' اور خود برآمدے کے کونے کی طرف بڑھ گئی۔

برآمدے کے اس حصے میں چولہا روشن تھا' اور اس چولہے پر ایک چھوٹی دیگچی رکھی دکھائی دے رہی تھی' جس کا صاف مطلب یہی تھا' کہ مریم کچھ پکا رہی تھی۔ چولہے کے قریب ہی فرش پر اور دیوار میں بنی دو چھتی پر برتن بھی رکھے نظر آ رہے تھے۔ ایک لحاظ سے برآمدے کے اس کونے کو باورچی خانہ کہا جا سکتا تھا۔ میں چارپائی پر بیٹھا بہ غور چاچی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کی حرکات وسکنات کا جائزہ لینے لگا۔

اکیلے انسان کی زندگی بھی کتنی عجیب اور محدود ہوتی ہے۔ اگر انسان ابتدا ہی سے اکیلا ہو تو وہ آسانی سے گزارہ کرتا ہے‘ لیکن مریم کے ساتھ جو حالات پیش آئے تھے‘ ان کے پیش نظر زندگی سے نباہ کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ لگ بھگ پانچ سال پہلے اس کے خاوند شوکت علی کا انتقال ہو گیا تھا‘ پھر کم وبیش ایک سال قبل اس کی بیٹی نرگس نے خودکشی کر لی تھی‘ جس کے بعد وہ بالکل ٹوٹ کر رہ گئی تھی‘ اور بکریوں سے دل لگا لیا تھا۔ دو بکریاں تو اس وقت گھر کے صحن میں بھوری بھینس کے برابر میں موجود تھیں۔ ایک بکری اے ایس آئی کے بیان کے مطابق کوئی چار سوا چار ماہ پہلے کھیتوں میں مردہ پائی گئی تھی۔ لوگوں کا بیان یہ تھا‘ کہ مریم دیوانگی میں اس بکری کو نرگس کہتی تھی‘ اور اس کے قتل کی رپورٹ درج کرانے تھانے پہنچی تھی۔ کل صبح اس نے مجھ سے بھی اسی نوعیت کی گفتگو کی تھی‘ اور بڑے دعوے سے کہا تھا‘ کہ اس کی بیٹی نرگس کے قتل میں پٹواری کے بیٹے ظفر محمود کا ہاتھ ہے‘ لیکن ازاں بعد اے ایس آئی اعجاز حسین سے ہونے والی تفصیلی بات چیت نے میری سوچ کو ایک نئی راہ دی تھی۔ اگر اے ایس آئی کا کہا درست تھا‘ تو پھر مریم کی ذہنی صحت پر شک کرنے کا جواز بنتا تھا‘ اور میں اسی تصدیقی مہم کے آغاز کے سلسلے میں صبح صبح تھانے سے نکل کر مریم کے گھر پہنچا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میں تفتیش کی شروعات کے لیے مضبوط پوائنٹس تلاش کر لوں گا۔

میں مریم پر نگاہ جمائے اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا‘ کہ وہ اٹھی اور اندر کمرے میں چلی گئی۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ میں پلیٹ تھام رکھی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ مذکورہ پلیٹ کے ساتھ کمرے میں برآمد ہوئی تو میں چونک اٹھا۔ پلیٹ میں رس (پاپے) بھرے ہوئے تھے۔ وہ چلتی ہوئی سیدھی میرے پاس آئی۔ ایک تپائی کو چارپائی کے ساتھ جوڑا اور رسوں سے بھری ہوئی پلیٹ کو مذکورہ تپائی پر رکھ دیا۔

میں نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ”یہ کیا ہے مریم؟“

”رس ہیں جی!“ وہ بڑی سادگی سے بولی۔

”وہ تو مجھے بھی نظر آ رہے ہیں۔“ میں نے جلدی سے کہا۔ ”لیکن...... یہ کس لیے؟“

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

”آپ کے پاس رکھ رہی ہوں‘ تو آپ ہی کے لیے ہیں۔“ وہ بدستور سادہ لہجے میں بولی۔ ”آپ صبح سویرے میرے گھر آئے ہیں‘ میں ناشتہ کرائے بغیر آپ کو جانے نہیں دوں گی۔ چائے تیار ہے...... بس ابھی لاتی ہوں۔“

میں نے قدرے احتجاجی انداز میں کہا۔ ”مگر میں تو ناشتہ کر کے اپنے کوارٹر سے نکلا ہوں۔ تم یہ تکلف نہ کرو!“

اس نے چونک کر بے یقینی سے مجھے دیکھا‘ اور الجھن زدہ انداز میں بولی۔ ”ناشتہ کر کے نکلے ہیں...... مگر آپ نے پہلے تو مجھے بتایا تھا‘ کہ صبح کی سیر کے لیے نکلے تھے‘ تو اِدھر آ گئے۔ صبح کی سیر تو ناشتے سے پہلے کی جاتی ہے نا...... اچھا میں سمجھ گئی...... تکلف میں نہیں...... آپ کر رہے ہیں۔ آپ میرے گھر میں ناشتہ نہیں کرنا چاہتے......“ وہ لمحے بھر کو رکی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ”اگر آپ کو چائے رس پسند نہ ہو تو میں مکھن‘ لسی‘ پراٹھا......“

”تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو مریم!“ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ”بات پسند یا ناپسند کی نہیں‘ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ میں ناشتہ کر چکا ہوں۔ آسانی کے لیے یوں سمجھ لو کہ میں ناشتے کے بعد سیر کے لیے نکلا تھا۔“

”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ اس مرتبہ اس نے میری بات کاٹ دی۔ ”آپ پہلی مرتبہ میرے گھر آئیں‘ اور کچھ کھائے پیے بغیر ہی چلے جائیں۔“

میں نے اس کے خلوص اور اخلاقی ضد کے سامنے جزوی طور پر ہتھیار پھینک کر صرف چائے کے لیے آمادگی ظاہر کر دی۔ ابھی تک وہ اپنے کسی بھی طور طریقے سے مجھے ذہنی مریضہ یا کھسکی ہوئی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کی نفسیاتی صحت کے حوالے سے بالکل درست اندازہ میں اسی وقت قائم کر سکتا تھا‘ جب میں اے ایس آئی سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں مریم سے تفصیلی گفتگو کرتا۔ ناشتے کے بعد میں اسے اسی طرف لے آیا۔

ہمارے درمیان ہلکی پھلکی باتوں سے گفتگو کا آغاز ہوا۔ اس نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ”تھانے دار صاحب! آپ نے نرگس کے قتل کے سلسلے میں تفتیش تو شروع کر دی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے نا؟'' وہ میرے سامنے ایک موڑھے پر جم کر بیٹھ گئی تھی۔

''بالکل شروع کر دی ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''تم سے یہ ملاقات اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ابھی ابتدا ہے' لیکن مجھے یقین ہے' میں بہت جلد انتہا تک پہنچ جاؤں گا۔''

اس نے بڑی گہری نظروں سے میری آنکھوں میں دیکھا' اور سوال کیا۔ ''ابتدائی تفتیش میں کوئی اہم بات سامنے آئی ہے؟''

''بہت ساری اہم باتیں سامنے آئی تو ہیں لیکن......''

''لیکن کیا تھانے دار صاحب؟'' اس نے بے تاب لہجے میں پوچھا۔

میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ''دیکھو' مریم بی بی! اب میں تم سے جو کچھ کہنے والا ہوں' اس کو سن کر تم خفا نہ ہونا۔ یہ میرے ذاتی خیالات نہیں ہیں' بلکہ گاؤں کے اکثر لوگوں کی تمہارے بارے میں متفقہ رائے ہے۔ تم جانتی ہو' مجھے اس تھانے میں تعینات ہوئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن گزرے ہیں۔ میری معلومات کے ذریعہ یہی لوگ ہیں...... فی الحال'' میں لمحے بھر کو رکا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال...... لیکن جیسے جیسے تفتیش آگے بڑھے گی' ممکن ہے حالات پلٹا کھائیں' اور سب کچھ بدل جائے۔ اس لیے میں تم سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں' کہ اگر تمہیں میری کوئی بات ناگوار گزرے تو اس پر غصہ دکھانے کے بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرنا...... تم میرا مطلب سمجھ رہی ہو نا؟''

''میں سمجھ رہی ہوں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں کوئی پاگل نہیں ہوں جو آپ کی نیت پر شک کروں۔ آپ تو بڑے بھلے اور بی بے تھانے دار ہیں...... جو بھی کہنا ہو' بلا جھجک کہیں۔ میں اس گاؤں کے لوگوں' اور ان کے کرتوت سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

مریم کے آخری دو جملوں نے مجھے خاصا اخلاقی حوصلہ دیا' اور میں اس سے بعض ناقابلِ برداشت باتیں بھی کرنے کی پوزیشن میں آ گیا۔ میں نے تشکر آمیز لہجے میں اس سے کہا۔

''مریم......! یہ تو تمہارا اعلیٰ ظرف ہے' جو تم مجھ پر اتنا اعتبار کر رہی ہو۔''

''تھانے دار صاحب!'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ ''کل صبح جب میں تھانے جا کر آپ سے ملی تھی نا...... تو اسی وقت میں نے آپ کے برتاؤ اور باتوں سے یہ اندازہ قائم کر لیا تھا' کہ آپ ایک ایماندار' فرض شناس اور قابلِ بھروسا پولیس افسر ہیں لہٰذا......''

وہ سانس درست کرنے کے لیے رکی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ ''لہٰذا آپ بے فکر ہو کر مجھ سے ہر بات کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی کسی بات کا بُرا مناؤں گی' اور نہ ہی اس پر غصہ دکھاؤں گی۔''

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس ادھیڑ عمر دیہاتن کو دیکھنے لگا۔ وہ بظاہر ایک سادہ سی عورت نظر آتی تھی' لیکن اس کی گفتگو میں بعض جملے بڑے معنی خیز اور فلسفے سے معمور تھے' اور ایک لمحے کے لیے بھی یہ گمان نہیں گزرتا تھا' کہ وہ کسی ذہنی عارضے یا نقص کا شکار ہو گی۔

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا' کہ بات کہاں سے شروع کروں کہ وہ یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے تشویش بھری نظروں سے صحن کی جانب دیکھا' اور اضطراری لہجے میں بولی۔

''ایک منٹ تھانے دار صاحب؟...... میں ابھی آتی ہوں۔''

میں نے دیکھا' وہ برآمدے سے نکل کر صحن میں گئی' پھر اس کا رخ بھوری بھینس کی جانب ہو گیا۔ میں بڑی توجہ سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگا۔

وہ بھینس اور بکریوں کے پاس پہنچی' ان کے سامنے موجود کنڈلیوں اور ان کے اندر پڑے چارے کے ساتھ تھوڑی چھیڑ چھاڑ کی' اور واپس میرے پاس آ گئی۔ موڑھے پر بیٹھتے ہوئے اس نے سرسری انداز میں کہا۔ ''یہ بھوری' میری سلمیٰ اور قیصرہ کے ساتھ بڑی زیادتی کرتی ہے۔''

میں نے چونک کر مریم کو دیکھا۔ وہ میرے پاس سے اٹھ کر بھینس اور بکریوں کے پاس گئی تھی۔ اس کے جملے میں موجود ''بھوری'' سے اگر بھینس مراد لی جاتی تو پھر اس کا مطلب یہ تھا کہ سلمیٰ اور قیصرہ سے اس کی مراد وہ دو بکریاں تھیں' جو بھینس کے ساتھ کھڑی تھیں۔ مریم کو بکریوں والی چاچی اسی لیے کہا جاتا تھا' کہ اس نے بڑی محبت اور چاہ سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چند بکریاں پال رکھی تھیں۔ ان لمحات میں اے ایس آئی اعجاز حسین سے ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ تازہ ہوا کے جھونکے کے مانند میرے ذہن میں مہک رہا تھا۔

یہ بات طے تھی کہ چاچی نے نرگس کی موت کے بعد ہی وہ بکریاں پالی تھیں۔ ان بکریوں سے اس کی محبت اور انسیت کا عالم یہ تھا' کہ جب چار سوا چار ماہ پہلے اس کی ایک بکری کھیتوں میں مردہ پائی گئی' تو وہ بے حد جذباتی ہوگئی تھی۔ اس بکری کے حوالے سے اس کا دعویٰ یہ تھا' کہ وہ اس کی بیٹی نرگس ہے' جسے پٹواری دوست محمد کے بیٹے ظفر محمود نے قتل کیا ہے۔

اس تناظر میں مریم کے جملے نے مجھے ذہنی طور پر اور بھی الجھا دیا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اگر مریم کے نزدیک' کھیتوں میں مردہ پائی جانے والی بکری اس کی بیٹی نرگس تھی' تو پھر یہ قیصرہ اور سلمیٰ (دو بکریاں) اس کی کیا لگتی تھیں؟ میری معلومات کے مطابق مریم اور مرحوم شوکت علی کی صرف ایک ہی اولاد تھی۔ یعنی ان کی بیٹی......نرگس!

مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر مریم نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔ ''سمندر ہو' جنگل ہو یا کوئی آبادی......طاقتور اور کمزور کے لیے ایک ہی اصول کارفرما نظر آتا ہے۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ طاقتور کمزور کو کچل ڈالتا ہے' اور مضبوط جانور اپنے سے کم تر جانور کے ساتھ زیادتی کرنے سے باز نہیں آتا۔ اب آپ اسی بھوری کو دیکھ لیں!''

میں نے اس کی ہدایت کے عین مطابق صحن میں بندھی بھوری بھینس کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے چاچی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''بھوری' سلمیٰ اور قیصرہ سے طاقت' توانائی اور قد کاٹھ میں کہیں زیادہ ہے۔ اسی لیے وہ اکثر وبیشتر ان کے ساتھ زیادتی کر جاتی ہے۔ قیصرہ اور سلمیٰ کے لیے چارے کی الگ کنڈلی ہے' اور بھوری کی بالکل علیحدہ' لیکن وہ اپنی کنڈلی سے کم کھاتی ہے' اور ان دونوں کی کنڈلی میں زیادہ منہ مارتی ہے۔ میں یہی دیکھنے گئی تھی......''

میں یک ٹک خاموش نظروں سے اسے دیکھتا چلا گیا۔

اس نے صحن کی جانب سے توجہ ہٹائی' اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''تھانے دار صاحب! آپ مجھے اپنی تفتیش کے حوالے سے کچھ بتانے والے تھے؟''

میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا' اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مریم! کل صبح تم نے مجھے بتایا تھا' کہ چار سوا چار ماہ پہلے پٹواری دوست محمد کے بیٹے ظفر محمود نے تمہاری بیٹی نرگس کو قتل کر کے اس کی لاش کھیتوں میں پھینک دی تھی۔ ایک بات تو تم بھی تسلیم کرو گی' کہ کوئی کسی کو بلاوجہ موت کے گھاٹ نہیں اتارتا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ظفر محمود کی نرگس سے کیا دشمنی تھی؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جمادی' اور ابھرنے والے تاثرات کا بغور جائزہ لینے لگا۔

جواب دینے سے پہلے اس کی آنکھوں اور چہرے پر کچھ اس قسم کے تاثرات نمودار ہوئے' جیسے وہ بری طرح الجھ کر رہ گئی ہو کہ کیا کہے' اور کیا نہ کہے۔ تاہم اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا' اور مضبوط لہجے میں بولی۔

''بعض لوگ جانوروں کا شکار کرتے ہیں' اور بعض کو انسانوں کے شکار کا شوق ہوتا ہے۔ یہ دونوں طبقے شکاری کہلاتے ہیں۔ جانوروں کا شکار کرنے والے کو قدر اور بہادری کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے' چاہے وہ کمزور ہو یا طاقتور' اس کے عمل کو سراہا جاتا ہے' لیکن......جو لوگ انسانوں کا شکار کرتے ہیں' وہ ظالم اور قاتل کہلاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر وہ طاقتور اور بااختیار ہیں' تو کوئی ان کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرتا اور وہ لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر قانون کو اپنی مرضی کے مطابق موڑ لیتے ہیں' جیسا کہ نرگس کے قتل کے معاملے میں پٹواری دوست محمد نے کیا۔ آپ میری بات تو سمجھ رہے ہیں نا......!'' اس نے رک کر سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔ ''ظالم لوگ بغیر کسی دشمنی کے محض اپنے شوق کی خاطر بھی کسی انسان کی جان لینے سے دریغ نہیں کرتے۔''

''جب تم نے مجھے اپنی بیٹی نرگس کے قتل کے بارے میں بتایا' تو مجھے اس المناک واقعے کا سن کر بہت دکھ اور افسوس ہوا تھا۔ اسی روز شام میں' میں نے قبرستان جا کر نرگس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا سوچا۔ میں نے تھانے کے عملے سے نرگس کی قبر کے بارے میں پوچھا' تو مجھے بتا دیا گیا کہ مذکورہ قبر' قبرستان کے کس حصے میں واقع ہے۔ میں سیدھا قبرستان پہنچ گیا' اور جب میں نے نرگس کی قبر کی حالت دیکھی' تو مجھے اپنی آنکھوں پر بالکل

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یقین نہیں آیا......!"

اتنا کہہ کر میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا' اور سوالیہ نظروں سے مریم کی کیفیت کا جائزہ لینے لگا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا چہرہ متغیر ہوا' لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اصولی طور پر میرے خاموش ہوتے ہی اسے پوچھنا چاہیے تھا...... میں نے نرگس کی قبر پر ایسا کیا دیکھ لیا' جس نے مجھے اچنبھے میں مبتلا کر دیا' لیکن اس کے بجائے وہ خاموش نظروں سے مجھے دیکھتی چلی گئی۔

جب وہ خاموش ہی رہی تو میں نے کہا۔ "مریم بی بی! تمہیں پتا ہے' میں نے نرگس کی قبر پر کیا دیکھا ہے؟"

"نہیں!" اس نے نفی میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "میں نے نرگس کی قبر پر لگی تختی دیکھی تو چونک اٹھا۔ مذکورہ تختی کے مطابق نرگس بنت شوکت علی کا انتقال لگ بھگ ایک سال پہلے ہوا تھا۔ قبر کی حالت بھی یہی بتاتی ہے کہ وہ چار سوا چار ماہ پہلے نہیں بنائی گئی۔ یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا......" میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر گیند کو اس کی کورٹ میں پھینک دیا۔

مریم بی بی کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہوئے۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا' وہ اچانک پھٹ پڑے گی' لیکن میرا احساس غلط ثابت ہوگیا۔ وہ خاصے مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے موڑھے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی' اور سنسناتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"نرگس میری بیٹی تھی۔ آپ کو اس کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے جانا ہی تھا' تو مجھ سے کہا ہوتا۔ میں آپ کو خود اپنے ساتھ لے کر جاتی۔ مجھ سے زیادہ اس کی قبر اور تاریخِ وفات کو اور کون جان سکتا ہے!"

میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور دھیمے لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے...... تم مجھے ابھی نرگس کی قبر پر لے چلو!"

"تو میں اور کیا کرنے جا رہی ہوں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "آپ آئیں میرے ساتھ۔ میں آپ کو دکھاتی ہوں' میری نرگس کس قبر میں دفن ہے' اور وہ کتنا عرصہ

پہلے موت کی آغوش میں جا سوئی تھی۔"

بات ختم کرتے ہی وہ حرکت میں آ گئی۔ میں نے تو اپنی دانست میں یہی سمجھا تھا' کہ وہ صحن کو عبور کر کے بیرونی دروازے کی سمت بڑھے گی' لیکن وہ نپے تلے قدموں کے ساتھ برآمدے کے دوسرے کونے کی جانب بڑھنے لگی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

برآمدے کے اس کونے کو میں نے پہلے تنقیدی نظروں سے نہیں دیکھا تھا' اب جو اِدھر دھیان دیا' تو وہاں مجھے ایک پردہ سا تنا ہوا دکھائی دیا۔ ایک دیوار سے دوسری دیوار تک کوئی ڈوری باندھ کر اس کی مدد سے ایک پردہ لٹکایا گیا تھا' جو برآمدے کے مذکورہ کونے کو مکمل طور پر کور کیے ہوئے تھا۔

میں اس کے پیچھے چلتے ہوئے مذکورہ پردے کے قریب پہنچ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے پردے کو ایک جانب ہٹا کر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لیں' تھانے دار صاحب...... یہ ہے میری نرگس کی قبر!"

میں نے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ پردے کے پیچھے' برآمدے کے اس کونے میں کچے فرش پر ایک چھوٹی سی قبر بنی دکھائی دے رہی تھی۔ قبر کے سائز کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا' کہ وہ پانچ چھ...... یا زیادہ سے زیادہ آٹھ سال کے کسی بچے کی قبر ہوگی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مذکورہ قبر کے سرہانے ایک تختی بھی نصب تھی' جس کے مطابق وہاں دفن ہونے والی کا نام نرگس بنت شوکت علی تھا' اور تاریخ وفات چار سوا چار ماہ پہلے کی تھی۔

میں نے قبر کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد مریم بی بی کی طرف دیکھا' اور گمبھیر لہجے میں کہا۔ "ہوں...... تو یہ ہے تمہاری نرگس کی قبر' جسے چار ماہ پہلے پٹواری کے بیٹے ظفر نے قتل کر کے ادھر کھیتوں میں پھینک دیا تھا؟"

"جی......!" اس نے سپاٹ انداز میں جواب دیا اور پوچھا۔ "میں پردہ کھینچ دوں یا آپ کو اور کچھ بھی دیکھنا ہے؟"

"نہیں' مجھے اور کچھ نہیں دیکھنا۔" میں نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ اس نے ایک جھٹکے سے پردہ کھینچ کر اس کونے کو خفیہ بنا دیا۔

ہم ایک مرتبہ پھر وہیں آ بیٹھے جہاں سے تھوڑی دیر پہلے اٹھ کر گئے تھے۔ اس نے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''تھانے دار صاحب! اب تو آپ کو یقین آ گیا ہو گا کہ میری نرگس کتنا عرصہ پہلے فوت ہوئی تھی؟''

میں نے زبان سے کوئی جواب دینے کے بجائے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ برآمدے کے باپردہ کونے پر ڈالی پھر صحن میں بندھے ہوئے بے زبان جانوروں کو دیکھنے لگی۔

یہ بات سمجھنے میں مجھے قطعاً کوئی دشواری نہ ہوئی کہ مریم نے چار ماہ قبل ہلاک ہونے والی بکری کو اپنے گھر کے برآمدے کو کونے میں دفن کر رکھا تھا۔ یہ امر میرے لیے شدید حیرت کا باعث تھا' کہ وہ ایک پالتو بکری کے لیے اس قدر جذباتی بھی ہو سکتی تھی' کہ اسے اپنی حقیقی بیٹی کی جگہ تصور کرنے لگے۔ نہ صرف یہ کہ اسے اپنی بیٹی سمجھنے لگے' بلکہ اس کی موت کے بعد وہ اپنے گھر میں اس بکری کی لاش کو بھی دفن کر کے اس کی باقاعدہ ایک قبر بنا ڈالے۔ بہرحال ایسا ہوا تھا' اور سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ مریم کا یہ نفسیاتی جذباتی اقدام نرگس سے شدید محبت کا مظہر تھا' لیکن ایک بات طے تھی' کہ وہ ذہنی طور پر نارمل عورت نہیں تھی۔ اس کے حوالے سے گاؤں والوں کا رویہ اب بے سبب نہیں رہا تھا' اور یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ سابق تھانہ انچارج نے اس کی فریاد اور دہائی کو درخور اعتنا کیوں نہیں جانا تھا!

یہ سارے حقائق' سارے دلائل اور سارے واقعات اپنی جگہ درست سہی' لیکن میرے ذہن کو صرف ایک سوال کا جواب درکار تھا' اور وہ چبھتا ہوا سوال یہ تھا' کہ...... مریم بی بی اپنی بیٹی نرگس یا اپنی بکری نرگس کی موت کا ذمے دار پٹواری دوست محمد کے بیٹے مظفر محمود کو کیوں ٹھہرا رہی تھی؟ اس کا مطلب یہی تھا' وہ دونوں باپ بیٹا یا ان میں سے کوئی ایک کسی نہ کسی حوالے سے نرگس کی موت کے معاملے میں بلاواسطہ یا بالواسطہ ضرور ملوث تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مریم بی بی سے فارغ ہونے کے بعد میں آج دن میں کسی وقت ان دونوں سے ضرور ملوں گا۔ شاید' اس الجھی ہوئی ڈور کا کوئی سلجھا ہوا سرا ہاتھ آ جائے!

میں نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی اس دکھی عورت کو مخاطب کرتے ہوئے ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''مریم! اگر تمہاری بیٹی نرگس یہاں دفن ہے تو پھر اُدھر قبرستان میں

اس نام اور ولدیت سے کس کی قبر ہے؟''

اس کا چہرہ متغیر ہو گیا' لیکن کسی برہمی کا اظہار کرنے کے بجائے اس نے انتہائی لاتعلقی سے کہا۔ ''تھانے دار صاحب! میں صرف اپنی نرگس اور اس کی قبر کو جانتی ہوں اور...... وہ میں نے آپ کو دکھا دی ہے۔ اُدھر قبرستان میں کون دفن ہے' مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں...... بس!''

اس کے قطعی انداز کے باوجود بھی میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ ''اسی قبرستان میں تمہارا شوہر شوکت علی بھی دفن ہے' جس کا پانچ سال پہلے انتقال ہوا تھا' اور...... نرگس کی قبر شوکت علی کی قبر کے پہلو میں بنی ہوئی ہے۔''

''قبرستان میں دفن کسی بھی شخص سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی قطع کلامی کرتے ہوئے جارحانہ لہجے میں بولی۔

عجیب عورت تھی یہ مریم بی بی۔ جس طرح ایک تجربہ کار اور کامیاب ماہر نفسیات' نفسیاتی مریض کو ''مریض'' کے بجائے ''کلائنٹ'' کہہ کر ڈیل کرتا ہے اور بالآخر اس کے ذہنی اور نفسیاتی عارضے کو رفع کر کے دم لیتا ہے۔ بالکل اسی انداز میں مجھے بھی مریم کی سوچ اور خیالات کی کھلم کھلا تردید کیے بنا نہایت ہی چابک دستی سے اپنا کام جاری رکھنا تھا۔ اس پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ہی اس گتھی کو سلجھایا جا سکتا تھا' چنانچہ ماحول کی کشیدگی کو دور کرنے کی خاطر میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

''مریم! تمہارا بہت بہت شکریہ تم نے تو میرے ذہن کا بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔''

اس نے چونک کر الجھن زدہ نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔ ''کیا مطلب جی!''

''دیکھو نا...... میں تمہارے لیے خوامخواہ ہی فکرمند ہو رہا تھا۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''اس بات نے مجھے مطمئن کر دیا ہے کہ تم اس گھر میں سلمیٰ و قیصر اور نرگس کی یادوں کے ساتھ خوش ہو...... میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ یہ سلمیٰ اور قیصرہ کون ہیں۔ کیوں کہ ظاہر ہے' یہ تمہارا خالص ذاتی معاملہ ہے!''

میرا حربہ ایک سو ایک فیصد کارگر رہا۔ وہ اضطراری لہجے میں ترت بولی۔ ''آپ ضرور پوچھیں جی...... اور اگر آپ نہیں بھی پوچھیں گے' تو میں آپ کو سلمیٰ اور قیصرہ کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بارے میں ضرور بتاؤں گی...... وہ دیکھیں......'' اس نے صحن میں بھوری بھینس کے ساتھ بندھی ہوئی بکریوں کی جانب اشارہ کیا اور مجھے بتانے لگی۔'' وہ قیصرہ اور سلمٰی ہیں...... میری بیٹیاں...... یہ دونوں نرگس سے چھوٹی ہیں۔''

''اور نرگس اِدھر برآمدے کے کونے میں دفن ہے؟'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''جی...... میں نے آپ کو اس کی قبر دکھائی ہے نا!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

''ہوں......!'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

میرے جی میں تو یہ آئی کہ مریم سے پوچھوں اگر وہ دونوں بکریاں اس کی بیٹیاں سلمٰی اور قیصرہ ہیں، تو پھر بھوری بھینس یقیناً اس کی اماں جان ہوگی! مگر میں اس سے ایسا کوئی تلخ اور نکیلا استفسار نہ کر سکا۔ اس کی کیفیت دیکھ کر ان لمحات میں مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ وہ احساسِ محرومی کے ہاتھوں بڑی عجیب سی جذباتی اور نفسیاتی کشمکش...... بہ الفاظ دیگر ذہنی کسمپرسی کا شکار تھی۔ نرگس کی موت نے اس کے حواس کو بڑے ظالمانہ انداز میں متاثر کیا تھا۔ اس کی خودکشی کے بعد ہی اس نے بکریاں پال لی تھیں، اور ان تین بکریوں میں سے ایک کو اس نے نرگس سمجھنا اور کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہ تو مجھے ابھی اسی کی زبانی پتا چلا تھا، کہ باقی دو بکریوں کو بھی وہ اپنی بیٹیاں سلمٰی اور قیصرہ تصور کرتی ہے۔ میری معلومات کے مطابق مریم کی صرف ایک ہی بیٹی نرگس تھی۔ قیصرہ اور سلمٰی کے حوالے سے میرا ذہن الجھا تو میں نے اسی سے پوچھنا مناسب سمجھا، لیکن قبل اس کے کہ میں اس سے کوئی سوال کرتا، وہ بولی۔

''تھانے دار صاحب! آپ اس طرح خاموش کیوں بیٹھے ہیں۔ اگر میری کوئی بات بُری لگی ہو تو میں اس کے لیے......''

''ایسی کوئی بات نہیں مریم۔'' میں نے اس کا معذرت خواہانہ جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔'' میں دراصل سلمٰی اور قیصرہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

وہ صحن میں بندھی بکریوں کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''آپ ان کے بارے میں کیا سوچ رہے تھے؟''

''یہی کہ...... میں نے تو تمہاری صرف ایک ہی بیٹی کے بارے میں سنا تھا، جس کا

نام نرگس تھا۔'' میں نے بڑی رسان سے جواب دیا۔'' پھر یہ سلمٰی اور قیصرہ؟''

میں نے دانستہ سوالیہ انداز میں بات ادھوری چھوڑی، تو وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔'' تھانے دار صاحب! یہاں کے لوگوں نے آپ کو ادھوری معلومات دی ہیں۔ سلمٰی اور قیصرہ، نرگس سے چھوٹی ہیں، اور میں نرگس کو تو واپس لا نہیں سکتی، انہی دونوں کے سہارے زندہ ہوں۔ آپ سے میں ایک مرتبہ پھر منت کرتی ہوں کہ نرگس کے قاتل کو ضرور قانون کی گرفت میں لائیں۔ جب تک ظفر محمود اپنے حقیقی انجام کو نہیں پہنچے گا، نرگس کی روح کو قرار نہیں آئے گا، اور...... جب تک نرگس کی روح بے چین رہے گی، میں تڑپتی رہوں گی۔ آپ میری بات کو سمجھ رہے ہیں نا؟''

آخری جملہ مریم نے بہت امید اور آس سے ادا کیا تھا، لہٰذا میں نے گہری سنجیدگی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

'' مجھے یقین ہے......'' وہ پُرجوش انداز میں بولی۔'' آپ بہت جلد نرگس کے قاتل کو گرفتار کر کے سزا دلوائیں گے...... میں غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں نا؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔'' مریم! میں پوری تندہی سے اس کیس کی گمشدہ کڑیاں ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں، اور مجھے امید ہے، جلد ہی میں کسی منطقی نتیجے پر بھی پہنچ جاؤں گا، لیکن اس کام کے لیے مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے تھانے دار صاحب!'' وہ پُرمعنی انداز میں سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی۔'' بتائیں! اس سلسلے میں میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

میں نے اس کی نفسیات اور ذہنی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے محتاط انداز میں اسے کریدنا شروع کیا۔'' دیکھو! میری کسی بات کا برا نہیں منانا۔ میں تو اس علاقے میں بالکل نیا ہوں۔ مجھے یہاں کے لوگوں نے تمہارے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، میں اس کی تصدیق یا تردید کے لیے تم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں، تاکہ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹایا جا سکے۔ تم سمجھ رہی ہونا، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔'' جی، میں سمجھ رہی ہوں۔ آپ بتائیں، یہاں کے لوگ میرے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں؟''

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا۔ ''یہاں کے اکثر لوگوں کو تمہاری ذہنی صحت پر شبہ ہے!''

''ان کے اپنے دماغ خراب ہوئے ہیں' جو وہ میرے بارے میں ایسا سوچتے ہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

میں نے اسی احتیاط کے ساتھ سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ ''ان کا خیال ہے کہ تمہاری یہ حالت نرگس کی المناک موت کے سبب ہوئی ہے۔ تمہیں اپنی بیٹی سے شدید محبت تھی۔ اس کی جدائی نے تمہاری دماغی رو کو بھٹکا دیا ہے' جبھی تم بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔''

''تھانے دار صاحب! دنیا میں کوئی ایسی ماں نہیں ہوگی' جسے اپنی اولاد سے محبت نہ ہو۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''اور بیٹیاں تو ماں کے کچھ زیادہ ہی قریب ہوتی ہیں۔ ہاں! یہ بات سولہ آنے سچ ہے کہ مجھے اپنی نرگس سے بے پناہ محبت تھی...... بلکہ ہے۔ اس محبت کا ثبوت بھی میں آپ کو دکھا چکی ہوں۔ اسی لیے میں نے نرگس کو قبرستان کے بجائے اپنے گھر ہی میں دفن کر دیا ہے۔ تاکہ وہ آخری سانس تک میرے سامنے رہے...... اور جہاں تک لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ نرگس کی جدائی کے صدمے نے میرا دماغ الٹ دیا ہے' تو یہ سراسر غلط اور زیادتی والی بات ہے۔ کیا میں آپ کو پاگل دکھائی دیتی ہوں؟''

میں نے الفاظ میں کوئی جواب دینے کے بجائے نفی میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ بھرپور انداز میں بولی۔ ''یہی تو بات ہے جو اس گاؤں کے کم عقلوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے آپ کو تجربہ کار اور عقل مند اسی لیے کہا ہے تھانے دار صاحب کہ آپ مجھے اور میرے مسئلے کو اچھی طرح جان گئے ہیں۔''

''لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہاری بیٹی نرگس نے کوئی ایک سال پہلے خودکشی کی تھی' اور اس کی قبر......''

''بکواس کرتے ہیں۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی تڑخ کر بولی۔ ''خودکشی وہ لوگ کرتے ہیں جن کی زندگی میں کوئی ایسا دکھ ہو' جس کا مداوا کرنا ممکن نہ ہو...... آپ بتائیں تھانے دار صاحب! میری نرگس کی زندگی میں ایسا کون سا دکھ تھا...... بتائیں؟''

اس کا بھڑک کر مجھ سے بے ساختہ استفسار کرنا' اس امر پر دلالت کرتا تھا کہ نرگس کی زندگی میں واقعی کوئی ایسا دکھ تھا' جس کا مداوا ممکن نہ ہو' جبھی وہ خودکشی پر مجبور ہوئی تھی۔

''مریم!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔ تم جو کچھ بھی کہہ رہی ہو' وہ غلط نہیں۔ میں تو تمہیں لوگوں کے خیالات سے آگاہ کر رہا تھا۔''

''جب دماغ میں فتور بھرا ہو تو وہاں ایسے ہی الٹے سیدھے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''یہاں کے لوگوں کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔''

''تم نے کل تھانے میں مجھے بتایا تھا' کہ کسی زمانے میں تمہارے شوہر اور پٹواری دوست محمد کے درمیان دوستانہ مراسم تھے۔'' میں نے مریم سے کہا۔ ''دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا' لیکن شوکت علی کے انتقال کے بعد پٹواری نے آنکھیں پھیر لیں۔''

''ہاں! میں نے بتایا تھا۔'' وہ سرسری انداز میں بولی۔ ''لیکن اب اس ذکر کا کیا فائدہ!''

میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ اس موضوع سے دانستہ کترانے کی کوشش کر رہی تھی' لیکن میں یہ سوال کرنا نہیں بھولا۔ ''مجھے پتا چلا ہے کہ پٹواری کے علاوہ اس کے بیٹے ظفر کا بھی تمہارے گھر میں آنا جانا تھا؟''

ظفر کے ذکر پر اس نے برا سا منہ بنایا' اور ایک لمحے کو ناگوار خاموشی کے بعد اس نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ اس شیطان ظفر کو میرے گھر کے ساتھ نتھی نہ ہی کریں تو اچھا ہے۔ وہ میری نرگس کا قاتل ہے۔ میں اس سے شدید نفرت کرتی ہوں۔''

اس کا یہ احتراز' اس شک کی مضبوط بنیاد رکھتا تھا' کہ ظفر کا کسی نہ کسی حوالے سے اس گھر سے کوئی تعلق ضرور تھا' اور میرے اندازے کے عین مطابق یہ تعلق نرگس کے سلسلے میں ہو سکتا تھا۔

مریم کے رویے نے میرے دماغ میں سنسنی سی بھر دی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ تمہیں ظفر محمود سے شدید نفرت ہے' اور تمہارے خیال میں وہ نرگس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا قاتل ہے' لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں؟''

اس نے زخمی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔'' جب شوکت علی حیات تھا' تو پٹواری دوست محمد ہمارے گھر میں آیا کرتا تھا' اور......اس کا مردود بیٹا بھی چکر لگا لیا کرتا تھا' لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ اب مزید کسی سوال و جواب کے قابل نہیں رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی کن پٹیوں کو سہلانے لگتی تھی۔ اس کی حرکات سے ظاہر ہوتا تھا' جیسے وہ کسی تکلیف یا اذیت میں مبتلا ہو۔

میں نے اس کا اچھا خاصا انٹرویو کرڈالا تھا' اور آج کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اگر میں اس پر زیادہ زور ڈالتا' تو وہ زچ ہو کر تعاون سے ہاتھ کھینچ سکتی تھی' اور اس کے ساتھ ہی اس کا مجھ پر سے اعتماد بھی اٹھ جاتا۔ میں ایک لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے غیر محسوس انداز میں اس سے اچھی خاصی معلومات حاصل کر چکا تھا۔ باقی کام اے ایس آئی کی رپورٹ کے بعد بھی کیا جا سکتا تھا۔ میں نے موجودہ حالات کے پیش نظر اعجاز حسین کے ذمے ایک اہم کام لگایا تھا' جو اس نے اپنی بیوی رضیہ کی مدد سے انجام دینا تھا۔ مجھے امید تھی' اے ایس آئی کی تحقیق کے بعد مجھے کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے زیادہ پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے' اور مریم اور اس کی بیٹی نرگس والا معاملہ چٹکی بجاتے میں حل ہو جاتا۔

اسی خوش آئند سوچ کے ساتھ میں اٹھ کھڑا ہوا اور مریم سے کہا۔'' اب میں چلتا ہوں۔ تم نے بڑا تعاون کیا ہے' اور مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی تعاون کرتی رہو گی۔''

وہ بھی میری تقلید میں کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔'' تھانے دار صاحب! آپ کو جو کچھ بھی پوچھنا ہو' مجھ سے پوچھیں۔ میں آپ کو بتاؤں گی کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔ یہاں کے لوگوں کا کوئی بھروسا نہیں۔ اگر آپ نے ان کی باتوں پر توجہ دی تو راہ سے بھٹک جائیں گے۔''

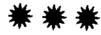
میں نے اس کی تسلی کی خاطر کہہ دیا۔'' ٹھیک ہے مریم! میں تمہارے مشورے کو ذہن میں رکھوں گا۔''

''اور اس مشورے کے ساتھ آپ نے ذہن میں یہ بھی رکھنا ہے کہ پٹواری کا بیٹا

ظفر سزا سے بچ نہ پائے۔ وہ میرا......میری بیٹی کا مجرم ہے' نرگس کا قاتل ہے۔''

'' تم فکر نہ کرو۔'' میں نے دروازے کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔'' میں نے اس سلسلے میں عملی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ انشاء اللہ میں بہت جلد تمہیں کوئی اچھی خبر سناؤں گا۔''

اس نے مجھے ڈھیروں دعائیں دی اور بیرونی دروازے تک چھوڑنے آئی۔ میں نے اسے خدا حافظ کیا اور اس کے گھر سے نکل آیا۔



PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

میں جب تھانے پہنچا' تو وہاں خاصی ہل چل دکھائی دی۔

یہ تشویش بھری حرکات میرے اچانک غائب کے سبب تھیں۔ میں صبح ہی صبح اپنے کوارٹر سے نکل کر مریم کی طرف چلا گیا تھا' اور مجھے وہاں اچھا خاصا وقت لگ گیا تھا۔ میں چونکہ اس تھانے میں نیا تھا' لہٰذا عملے کا تشویش اور فکر میں مبتلا ہونا بے جا نہ تھا۔ میں بھی تو کسی کو کچھ بتائے بغیر ہی نکل گیا تھا۔

بہرحال...... میں نے کوارٹر میں آ کر جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے عوامی پہناوے کی جگہ یونیفارم نے لے لی۔ اگلے ہی لمحے میں کوارٹر سے نکل کر تھانے میں داخل ہو چکا تھا۔ میں جیسے ہی اپنے کمرے میں پہنچا' اے ایس آئی اعجاز حسین میرے پاس آ گیا۔ اس نے بہ آواز بلند مجھے سلام کیا۔

''السلام علیکم ملک صاحب!''

میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جواباً کہا۔

''وعلیکم السلام!''

وہ ایک کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔

علیک سلیک کے بعد میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اعجاز! تمہارے بیٹے فرہاد کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''کل شام تک اس کا بخار اتر گیا تھا۔ کمزوری دور ہونے اور مکمل صحت یابی میں ابھی چند دن تو لگیں گے۔ ویسے ماشاء اللہ! بخار اترتے ہی اس نے کھیلنا شروع کر دیا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''بچوں میں' بڑوں کی بہ نسبت صحت یابی کا عمل اور ہمت قدرے زیادہ ہوتی ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ چھوٹی موٹی بیماری اور بخار وغیرہ کو خاطر میں نہیں لاتے' خاص طور پر کھیل کود کے معاملے میں۔''

''جی! یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''ملک صاحب! صبح ہی صبح آپ کہاں چلے گئے تھے؟''

میں نے ایک بوجھل سانس خارج کی' اور اسے مریم سے ہونے والی ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی' اور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''جناب! یہ تو مجھے معلوم تھا' چاچی بکریوں والی کھسکے ہوئی دماغ کی ہے' لیکن یہ تو آپ بڑی عجیب بات بتا رہے ہیں' کہ اس نے اپنے گھر کے برآمدے میں مُردہ بکری کو دفن کر کے اس کی باقاعدہ قبر بنا رکھی ہے!''

''کیا تمہیں واقعی مریم کی اس دیوانی حرکت کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا؟'' میں نے ٹٹولنے والے انداز میں دریافت کیا۔

''جناب! میں آپ سے غلط بیانی کیوں کروں گا۔ ساری کہانی میں آپ کو سنا چکا ہوں ...... بہرحال نرگس کی قبر والی بات میرے لیے بالکل نئی ہے۔ کسی اور شخص سے بھی میں نے ایسا ذکر نہیں سنا۔''

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر نہ آیا ہوتا' تو شاید مجھے بھی یقین نہ آتا۔''

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''بہرحال! اس بات پر میں بھی حیران ہوں کہ یہاں گاؤں میں کسی کو اس قبر کے بارے میں معلوم نہیں۔''

''اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

''وہ یہ کہ پہلے ہی ان کے گھر میں زیادہ لوگوں کا آنا جانا نہیں تھا' پھر نرگس کی خودکشی کے بعد مریم کی ذہنی کیفیت ایسی ہوگئی تھی' کہ لوگ اس سے میل جول رکھتے ہوئے گھبرانے لگے تھے۔ وہ بات بات پر بھڑک جاتی' اور لڑائی جھگڑے پر اتر آتی۔ جب وہ خود ہی لوگوں سے کٹ کر اپنی بکریوں تک محدود ہوگئی' تو گاؤں والوں نے بھی اس سے فاصلہ قائم کرلیا۔ آپ جانتے ہیں' کسی پاگل کے ساتھ کوئی کتنے دن تک مراسم رکھ سکتا ہے اور پاگل بھی ایسا کہ جو جانوروں میں مگن ہو' انہیں اپنی اولاد سمجھتا ہو...... انسانوں سے اس کسی قسم کا کوئی سروکار ہی نہ ہو!''

''ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''لیکن ایک عجیب بات میری سمجھ میں نہیں آئی......!''

''کون سی بات ملک صاحب؟'' میں نے الجھن زدہ انداز میں توقف کیا تو اے ایس آئی اعجاز حسین نے پوچھا

میں نے کہا۔

''تم نے مجھے بتایا تھا' کہ مریم کی ایک ہی بیٹی تھی......نرگس!'' میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''اور نرگس کے انتقال کے بعد مریم نے ایک بکری کو اپنی بیٹی یعنی نرگس تصور کرنا شروع کردیا تھا۔''

میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''پھر جب وہ بکری کھیتوں میں مردہ پڑی ملی' تو وہ پٹواری کے بیٹے کو اس بکری یعنی اپنی بیٹی نرگس کا قاتل گردانتے ہوئے تھانے پہنچ گئی تھی۔''

''جناب! بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔'' وہ متذبذب نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے؟''

''وہ بات یہ ہے اعجاز حسین......!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے مریم نے مجھے بتایا ہے کی اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑی نرگس تھی' جسے ظفر محمود نے قتل کر کے کھیتوں میں پھینک دیا تھا۔ نرگس سے چھوٹی سلمیٰ اور قیصرہ ہیں' جو اس کے ساتھ رہتی ہیں...... یہ کیا معمہ ہے' اے ایس آئی صاحب؟''

اس نے جھرجھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کہیں وہ باقی دو بکریوں کو سلمیٰ اور قیصرہ نہیں کہہ رہی؟''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔''

میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

''وہ ایسا ہی سمجھ رہی ہے' اور اس نے ان دو بکریوں کو سلمیٰ اور قیصرہ بتاتے ہوئے ان کے بارے میں مجھ سے گفتگو بھی کی ہے مگر......'' میں لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر میرے لیے الجھن اور حیرت کا باعث یہ ہے کہ جب اس کی ایک ہی بیٹی تھی' تو پھر یہ سلمیٰ اور قیصرہ کہاں سے پیدا ہوگئیں۔''

''ایک پاگل اور دیوانی عورت جو بھی کرے' کم ہے......'' وہ اتنا کہہ کر رکا اور چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

مجھے یوں محسوس ہوا' جیسے وہ لاشعوری طور پر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات سچے اور عین فطری تھے۔

میں نے آنکھیں سکیڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا ہوا اعجاز حسین...... تم کس الجھن میں پڑ گئے؟''

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے استفسار کیا۔

''ملک صاحب! وہ اپنی بیٹیوں...... میرا مطلب ہے' اپنی بکریوں کے نام کیا لے رہی تھی...... سلمیٰ اور قیصرہ؟''

''ہاں! ہاں...... اس نے یہی نام بتائے تھے!'' میں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"بات دراصل یہ ہے کہ مریم نے واقعی تین لڑکیوں کو جنم دیا تھا۔ سب سے بڑی لڑکی نرگس تھی' جس نے اٹھارہ سال کی عمر میں خودکشی کر لی تھی۔ اس کے بعد سلمٰی پیدا ہوئی تھی' جو چھ ماہ بعد فوت ہو گئی۔ اس کے بعد قیصرہ کی پیدائش ہوئی' جس کا انتقال پانچ سال کی عمر میں ہوا۔ سلمٰی اور قیصرہ چونکہ اپنی عمر کے ابتدائی حصے ہی میں چل بسی تھیں' لہٰذا لوگ اس کی ایک ہی بیٹی نرگس سے واقف ہیں۔" اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"ہوں......"

میں نے ایک بوجھل سانس خارج کی' اور معنی خیز انداز میں گردن ہلانے لگا۔

اعجاز حسین رپورٹ پیش کرنے والے انداز میں بولا۔ "ملک صاحب! میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق کل رات ہی کو رضیہ سے بات کی تھی۔ وہ ہماری منصوبہ بندی میں عملی حصہ لینے کو تیار ہے۔ وہ آج سے باقاعدہ اس مہم کو شروع کر دے گی۔ انشاء اللہ! ایک دو روز میں آپ کی مطلوبہ معلومات سامنے آ جائیں گی۔"

رضیہ' اعجاز حسین کی بیوی کا نام تھا۔ میں مریم اور خصوصاً اس کی بیٹی نرگس کے بارے میں چند اہم نوعیت کی باتیں جاننا چاہتا تھا' اور یہ کام رضیہ کے توسط سے بہ آسانی ہو سکتا تھا۔ عورتوں کو ایسے معاملات میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی ہوتی ہے' اور وہ چٹ پٹی معلومات اکٹھا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتی ہیں۔

اعجاز حسین کی وضاحت کے جواب میں میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے...... ان ایک دو دنوں میں میں پٹواری' دوست محمد اور اس کے بیٹے ظفر محمود کو ٹٹول کر دیکھ لیتا ہوں۔ ذرا پتا تو چلے کہ وہ لوگ بکریوں والی چاچی کے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں؟"

"آپ یہ کوشش ضرور کر کے دیکھیں' لیکن مجھے نہیں امید کہ کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہو گا۔"

وہ مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"ان کے خیالات بھی گاؤں کے دوسرے لوگوں جیسے ہوں گے۔ بہرحال' کوشش کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔"

"کوئی نئی بات معلوم ہو یا نہ ہو۔"

میں نے پُر وثوق انداز میں کہا۔

"لیکن اعجاز حسین! یہ ضرور ہے کہ کم از کم میں یہ راز جاننے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ مریم کے دل میں چھپی ہوئی نفرت کا اصل سبب کیا ہے؟ وہ لوگ اس پاگل عورت کے بارے میں جو بھی رائے دیں گے' وہ میرے لیے بہت اہم ہو گی۔ ہم شام میں پٹواری دوست محمد کی طرف چکر لگائیں گے!"

"اُدھر چکر لگانے کی کیا ضرورت ہے ملک صاحب!" اعجاز نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کھرل صاحب کے زمانے میں دوست محمد اکثر تھانے آتا رہتا تھا۔ کھرل صاحب سے اس کی بڑی دوستی تھی۔ میں پیغام بھیج کر پٹواری کو اِدھر تھانے ہی بلوا لیتا ہوں۔ آپ سے تعاون بھی ہو جائے گا اور تھوڑی گپ شپ بھی رہے گی۔"

میں نے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں اعجاز حسین!"

اس نے حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا' کہ "ضرورت" کے حوالے سے میں نے کس امر کی جانب اشارہ کیا ہے۔

اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا اس میں کوئی قباحت ہے جناب؟"

"بات قباحت اور راحت کی نہیں ہے اعجاز حسین!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اپنے اپنے انداز اور طریق کار کی ہے۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں جناب!" وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "تھوڑی وضاحت کریں گے؟"

میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"تھانہ انچارج مجید کھرل اور پٹواری دوست محمد کے درمیان کس نوعیت کی دوستی تھی' اور پٹواری تھانے میں اکثر آتا تھا یا بیشتر' مجھے ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ میرا کام کرنے کا ایک اپنا اسٹائل ہے۔ اگر پٹواری کو مجھ سے کوئی کام ہوتا' تو اسے خود چل کر میرے پاس تھانے آنا ہو گا' اور اگر مجھے اس سے کوئی کام پڑے گا' تو میں اس کے پاس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پہنچوں گا...... اور مریم والے معاملے میں' میں خود ہی اس سے مل کر کریدنے کی کوشش کروں گا۔ اس کیس میں وہ فریقِ ثانی ہے۔ اسے بڑی احتیاط سے گھسنا پڑے گا۔"

اے ایس آئی نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا' جیسے میں اس دنیا کا پولیس والا نہ ہوں۔ تاہم اس نے کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے صرف اتنا کہا۔ "ٹھیک ہے ملک صاحب...... آپ جو کہہ رہے ہیں وہ مناسب ہے!"

"اور جب میں پٹواری کی طرف جاؤں گا' تو تم بھی میرے ساتھ ہو گے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوکے سر!"

وہ فرماں برداری سے بولا۔

"جب اُدھر چلنا ہو' آپ مجھے اشارہ کر دیجیے گا۔ میں ایک دم ریڈی ہو جاؤں گا۔"

میں نے چند ضروری ہدایات کے بعد اسے اپنے کمرے سے رخصت کر دیا' اور روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اس تھانے میں چونکہ میں نیا آیا تھا' لہٰذا ابتدا میں مجھے زیادہ کام کرنا تھا۔ کسی بھی نئی جگہ جائیں تو سسٹم کو سیٹ کرنے میں تھوڑا وقت لگتا ہے۔

***

اس روز میں پٹواری دوست محمد یا اس کے بیٹے ظفر محمود سے ملاقات کے لئے نہ جا سکا۔ دوپہر کے بعد تھانے میں ہنگامی صورتِ حال پیش آ گئی۔ موضع رکھاں والی سے تھوڑے فاصلے پر جسکانی پور نامی ایک گاؤں تھا۔ وہاں کسی لڑکی کی شادی تھی۔ بارات ایک قریبی دیہات سلطان آباد سے آئی تھی۔ واضح رہے کہ گاؤں دیہات میں شادی بیاہ دن کے وقت ہوتے ہیں۔ بڑے شہروں کی طرح یہ نہیں کہ آدھی آدھی رات کو بارات آ رہی ہے اور رخصتی رات کے آخری پہر ہو رہی ہے اور دولہا دلہن جب سیج پر پہنچیں' تو قریبی مسجد میں اذانِ فجر گونجنے لگے۔ گاؤں وغیرہ میں عموماً سہ پہر میں رخصتی کر دی جاتی ہے' اور سورج غروب ہونے سے پہلے دلہا دلہن کے ساتھ گھر پہنچ جاتا ہے۔

سلطان آباد والے جب دلہن کو لے کر واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا۔ جسکانی پور اور سلطان آباد میں لگ بھگ آٹھ میل کا

فاصلہ تھا' اور درمیان میں جنگل کا ایک حصہ پڑتا تھا۔ جب بارات جنگل کے اس حصے میں پہنچی' تو ڈاکوؤں کے ایک مسلح گروہ نے آناً فاناً ان پر ہلہ بول دیا۔

یہ ایک لوٹ مار کی واردات تھی' لہٰذا مالی نقصان زیادہ ہوا۔ بارات میں شامل جن افراد نے مزاحمت کی کوشش کی' ڈاکوؤں کی طرف سے انہیں زدوکوب کیا گیا۔ چند افراد کو معمولی نوعیت کی چوٹیں آئیں' ایک دو کو شدید زخمی کیا گیا' اور ایک مزاحمتی کی ٹانگ میں گولی بھی لگی۔ ڈاکوؤں نے باراتیوں پر اپنی دہشت بٹھانے کے لیے ہوائی کے علاوہ زمینی فائرنگ بھی کی تھی' جس کے نتیجے میں گولی ایک شخص کی ٹانگ میں لگی تھی۔

الغرض...... باراتیوں کی جانیں سلامت رہیں' دلہا دلہن کو بھی کسی ڈاکو نے ہاتھ نہیں لگایا' اور تمام تر زیورات' نقدی اور قیمتی سامان لوٹ کر لے گئے۔ جسکانی پور' سلطان آباد نامی وہ دونوں گاؤں میرے تھانے کی حدود میں آتے تھے۔ اس واردات کی اطلاع مجھ تک پہنچی' تو میں فوراً سے بیشتر حرکت میں آ گیا۔

میں نے چار اہلکاروں پر مشتمل ایک پولیس پارٹی ترتیب دی' اور انہیں ڈاکوؤں کے تعاقب میں جنگل کی جانب روانہ کر دیا۔ وہ اس جنگل کا آخری کنارہ تھا' جہاں لوٹ مار کی یہ واردات پیش آئی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا' کہ ڈاکوؤں کا مسلح گروہ جائے وقوعہ کے آس پاس ہی قیام پذیر ہو۔ وہ اس مذموم کارروائی کے بعد یقیناً گھنے جنگل کی طرف چلے گئے ہوں گے' اور ان تک رسائی کے امکانات زیادہ روشن نہیں تھے۔ پولیس پارٹی کو جنگل کی سمت دوڑانے کے بعد میں بھی موقع واردات پر پہنچ گیا۔

وہ دن...... اور اس کے بعد کے دو روز اسی واقعے کی نذر ہو گئے۔ میں نے ڈاکوؤں کے گروہ کی گرفتاری کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلے' اور اس لوٹ مار کے کیس کو کیسے حل کیا۔ یہ ایک الگ دلچسپ اور سنسنی خیز داستان ہے' جو علیحدہ کہانی کا تقاضا کرتی ہے۔ انشاء اللہ! بہت جلد اس واردات کی داستان میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

میں اس ہنگامی صورتِ حال میں پٹواری دوست محمد اور اس کے بیٹے ظفر محمود پر توجہ نہ دے سکا۔ ان سے ملاقات کا خیال پس پشت چلا گیا پھر اس سے پہلے کہ میں دوبارہ اس مہم کا آغاز کرتا' اے ایس آئی اعجاز حسین کی بیوی رضیہ نے کام دکھا دیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس دوران وہ اللہ کی بندی اس مشن پر جاتی رہی تھی' جو میں نے اعجاز کے توسط سے اسے سونپا تھا۔ ایک صبح اعجاز حسین میرے پاس آیا۔ میں اس وقت آ کر اپنی کرسی پر بیٹھا ہی تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے اعجاز حسین...... بڑے جوش میں نظر آ رہے ہو؟''

''بات ہی ایسی ہے ملک صاحب!''

وہ ایک کرسی سنبھالتے ہوئے بولا۔

''سنیں گے تو آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔''

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا' اور پوری توجہ اس کی جانب مبذول کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر ایسا ہے تو فوراً سناؤ' کیا بات ہے۔ پچھلے دو تین دن میں خوش ہونے کا کوئی موقع ہاتھ نہیں لگا۔''

''جناب! میرا اشارہ رضیہ کی طرف ہے۔'' وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''میری بیوی نے اپنی کوششوں سے بڑی اہم معلومات حاصل کی ہیں......نرگس اور ظفر کے بارے میں!''

میں نے چونک کر اے ایس آئی کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''اور وہ معلومات کیا ہیں؟''

''ملک صاحب!'' مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا' نرگس نے کوئی سال بھر پہلے خودکشی کر لی تھی۔ ایک روز وہ اپنے بستر پر اس طرح مردہ پڑی ملی تھی' کہ اس کی کلائیوں پر واقع خون والی بڑی رگیں......''

''یہ ساری تفصیل تم مجھے بتا چکے ہو۔''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

''میں وہ باتیں جاننے کے لیے بے تاب ہوں' جو رضیہ نے کھوج کر نکالی ہیں؟''

''میں اسی طرف آ رہا تھا' جناب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بڑی رسان سے بولا۔ ''جب تک مریم کا خاوند شوکت علی زندہ تھا۔ پٹواری دوست محمد کا ان کے گھر میں آنا جانا تھا' اور اس کے بیٹے ظفر محمود کی بھی وہاں آمدورفت جاری تھی' پھر شوکت علی کے انتقال کے بعد جیسا کہ مریم نے بھی آپ کو بتایا ہے' پٹواری نے ان کی طرف سے منہ

پھیر لیا تھا۔ پٹواری کی دیکھا دیکھی ظفر محمود نے بھی آنا جانا بند کر دیا' لیکن کچھ عرصے کے بعد ظفر نے ایک مرتبہ پھر مریم کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ شوکت علی کا انتقال لگ بھگ پانچ سال پہلے ہوا تھا' اور نرگس نے کم و بیش ایک سال قبل خودکشی کی تھی۔ میں نے ظفر محمود کی مریم کے گھر میں دوبارہ آمدورفت کا جو ذکر کیا ہے' وہ نرگس کی موت سے چند ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔ رضیہ نے اسی دور سے متعلق بعض سنسنی خیز باتیں دریافت کی ہیں' جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں......اور یہ باتیں آپ کے شک کو بھی تقویت دیتی ہیں' جس کا اظہار آپ نے ظفر اور نرگس کے حوالے سے کیا تھا۔ میں نے آپ کو......''

مجھے ایک مرتبہ پھر قطع کلامی کرنا پڑی۔ میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''زیادہ بہتر یہی ہوگا اعجاز حسین......کہ تم مجھے صرف وہی باتیں بتاؤ' جو رضیہ کی تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں سامنے آئی ہیں۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے' ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''پتا یہ چلا ہے کہ ظفر محمود کی دوبارہ آمدورفت کو پٹواری نے پسند نہیں کیا تھا۔ وہ اس بات کے حق میں نہیں تھا' کہ ظفر' مریم کے گھر جائے۔ اس نے ظفر کو مختلف حیلوں بہانوں سے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ بظاہر سمجھ بھی گیا' اور اس نے مریم کے گھر جانا ترک کر دیا' لیکن یہ دراصل اس کی چال تھی۔ وہ پٹواری کے علم میں لائے بغیر چھپ چھپا کر وہاں جاتا رہا۔ کبھی مریم کی موجودگی میں اور کبھی اس کے غیاب میں۔ مریم جب موجود ہوتی تو وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی کہ اگر باپ اس کا یہاں آنا پسند نہیں کرتا' تو وہ نہ آیا کرے۔ یہ بات بھی پتا چلی ہے کہ ظفر جب مریم کی غیر موجودگی میں وہاں جاتا تھا' تو نرگس اس کی آمد کا ذکر اپنی ماں سے نہیں کیا کرتی تھی' اور یہی سب سے زیادہ خطرناک بات تھی۔ ایک اندازے کے مطابق نرگس اور ظفر میں کھچڑی پک رہی تھی' اور مریم اس کھچڑی کی مخصوص خوشبو سے آشنا تھی۔ یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی کہ مریم کو اس کھچڑی کے پکنے پر اعتراض تھا' یا اتفاق......بہرحال دیکھنے میں یہ آیا کہ نرگس کی خودکشی والے واقعے سے چند دن پہلے ظفر نے ان کے گھر آنا جانا بند کر دیا تھا۔ یہ چند دن مریم اور نرگس نے بڑی الجھن میں گزارے تھے۔ نرگس نے تو گھر سے باہر نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔ ان آخری دنوں کے نرگس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور مریم کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر کی وجہ سے وہ دونوں بہت ڈسٹرب ہو گئی تھیں' اور پھر......نرگس نے خودکشی کر لی!''

اے ایس آئی اتنا بتا کر خاموش ہو گیا' اور ایسے مجھے دیکھنے لگا' جیسے میری جانب سے کسی تبصرے کا انتظار کر رہا ہو۔ میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اعجاز حسین! اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا شک درست تھا۔ اگر مریم' ظفر محمود کو اپنا اور نرگس کا مجرم گردان رہی ہے' تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر کسی نہ کسی حوالے سے نرگس کی موت میں ملوث ہے!''

''اب یہ پتا چلانا آپ کا کام ہے کہ اس معاملے میں ظفر کا کتنا ہاتھ ہو سکتا ہے۔'' اعجاز حسین نے امید بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تفتیش کے لیے ایک راہ تو متعین ہو گئی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو اعجاز حسین۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''تفتیش کی راہ واضح ہوئی ہے تو تفتیش بھی ہو گی' اور بڑے ٹھیک ٹھاک طریقے سے ہو گی......'' میں لمحے بھر کو رکا پھر اے ایس آئی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''اعجاز حسین! جس زمانے میں نرگس نے خودکشی کی تھی' تم اسی تھانے میں ڈیوٹی کر رہے تھے' تمہیں ان دنوں پیش آنے والے دیگر واقعات بھی یاد ہوں گے؟''

''جی......جی......بالکل۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے پُرسوچ انداز میں پوچھا۔ ''نرگس کی موت پر مریم نے کیا ردِ عمل ظاہر کیا تھا؟''

وہ الجھن زدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں سمجھا نہیں جناب!''

''میں نے کوئی ایسا مشکل سوال بھی نہیں پوچھا اعجاز حسین؟''

''وہ روئی دھوئی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''چیخی چلائی تھی اور بس......!''

''روئی دھوئی تھی' چیخی چلائی تھی۔'' میں نے خود کلامی کے سے انداز میں دہرایا۔ ''ظاہر ہے......جوان بیٹی کی ناگہانی موت پر ایک ماں کو اپنی تکلیف اور دکھ کا اظہار اسی طرح کرنا چاہیے' لیکن میں کچھ اور پوچھنا چاہ رہا تھا!''

وہ خاموش رہ کر سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''کیا اس موقع پر مریم کھرل صاحب کے پاس کسی قسم کی رپورٹ درج کرانے نہیں آئی تھی؟''

''نہیں جناب......!'' اے ایس آئی کی الجھن میں اضافہ ہو گیا۔ ''جب تو اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

میں نے کہا۔ ''اس وقت مریم نے کسی شخص کو موردِ الزام ٹھہرایا ہو......کسی کو نرگس کی موت کا ذمے دار قرار دیا ہو؟''

''بالکل نہیں جناب۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ مریم نے نرگس کی ناگہانی موت کو ذہن اور دل سے قبول کر لیا تھا۔ اس نے کسی شخص کے خلاف ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا اور رو دھو کر صبر کر لیا۔''

''تمہارے بیان کے مطابق نرگس کی موت ایک سیدھا سادہ خودکشی کا واقعہ تھا۔'' میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔

''ظاہر ہے' کسی خودکشی کے واقعے پر علاقے کا تھانہ اور تھانہ انچارج خاموش ہو کر تو نہیں بیٹھ سکتے۔ اس صورت میں قانونی کارروائی لازمی ہو جاتی ہے۔''

''کھرل صاحب نے اس واقعے پر تفتیش تو کی تھی' لیکن یہ کارروائی پوچھ گچھ سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی' لہٰذا کھرل صاحب نے اس معاملے پر مٹی ڈالی اور بات آئی گئی ہو گئی۔''

''زبانی پوچھ گچھ کی نہیں' میں باقاعدہ قانونی کارروائی کی بات کر رہا ہوں اعجاز حسین۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''سابق تھانہ انچارج نے نرگس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرایا تھا؟''

اعجاز حسین نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں جواب دیا۔ ''کھرل صاحب! اس قسم کے بکھیڑوں اور جھمیلوں میں پڑنے والے انسان نہیں تھے ملک صاحب! انہوں نے جتنی تفتیش ضروری سمجھی' کی اور......کیس داخل دفتر کر دیا۔''

''تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ مجھے بکھیڑوں اور جھمیلوں میں بڑا مزہ آتا ہے۔''

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میرے خیال میں اگر اس موقع پر تمہارے کھرل صاحب نرگس کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال بھجوا دیتے تو اس شک کی تحریری تصدیق ہو جاتی' جو میں نرگس اور ظفر کے حوالے سے ظاہر کر چکا ہوں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے اس سبب کو آشکار کر دیتی' جس نے نرگس کو خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''اچھی طرح سمجھ رہا ہوں ملک صاحب!'' وہ معنی خیز انداز میں سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''اور یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ آپ نرگس کی لاش کو بخشنے والے نہیں ہیں۔''

''اگر میں ضرورت محسوس کروں گا' تو اس نیک کام میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں ہو گی۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اعجاز حسین! تمہیں یہ بات تو معلوم ہی ہو گی کہ مردے کے جسم پر گوشت رہے یا نہ رہے' اس کی بعض ہڈیاں سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی محفوظ رہتی ہیں' مٹی کی سفاک کارروائی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑتی۔ انہی ہڈیوں کا مخصوص لیبارٹری ٹیسٹ بہت سے سربستہ راز کھول دیتا ہے' نرگس کی موت کو تو ابھی صرف ایک سال ہی گزرا ہے۔ مجھے پوری امید ہے' اگر ضرورت محسوس ہونے پر نرگس کی ''لاش'' کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے تو یہ کیس چٹکی بجاتے میں حل ہو سکتا ہے۔''

''انشاء اللہ!'' اس نے کہا' پھر پوچھا۔ ''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی ملک صاحب؟''

''کون سی بات؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ بولا۔ ''پوسٹ مارٹم کے سلسلے میں آپ ''ضرورت محسوس ہوئی'' کے الفاظ پر زور دے رہے ہیں۔ پوسٹ مارٹم کروانا ہے تو بس کروانا ہے۔ اس میں اگر مگر کی کیا گنجائش ہے؟''

''بہت گنجائش ہے اعجاز حسین!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اب تک اس کیس کے جتنے پہلو میری نگاہ میں آ چکے ہیں' ان کی روشنی میں مریم بی بی مجھے پاگل نظر نہیں آتی بلکہ وہ دانستہ' کسی خاص مقصد کی خاطر پاگل پنے کی باتیں کرتی ہے' جس کا مطلب ہے' اس کے سینے میں کوئی عظیم راز دفن ہے' جس کی وہ حفاظت کرتی چلی آ رہی ہے۔ میں

بکریوں والی چاچی سے ایک ملاقات اور کروں گا' اور مجھے یقین ہے اس ملاقات میں' میں اپنا مقصد حاصل کر لوں گا۔ اگر میرا نفسیاتی حربہ کامیاب رہا' تو پھر نرگس کی ہڈیوں کے لیبارٹری ٹیسٹ کی ضرورت پیش نہیں آئیگی۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی ہاں! اب آپ کی بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ پہلے سیدھی انگلی سے گھی نکالنے کی کوشش کریں گے......!''

''یہ ایک اصولی بات ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''جب کسی بیماری کا علاج دواؤں اور انجیکشن سے ہو سکتا ہو تو پھر آپریشن کی کیا ضرورت ہے! ایک اچھا معالج اور ایک اچھا پولیس آفیسر ''ٹیسٹ'' وغیرہ کی طرف اسی وقت جاتا ہے' جب معاملہ اس کی سمجھ اور اختیار سے باہر ہوتا ہے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں؟''

''ضرور بتاؤں گا...... اگر ضرورت محسوس ہوئی تو!'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''پہلے میں مریم سے ایک اور بھرپور ملاقات کر لوں۔''

''ٹھیک ہے ملک صاحب!'' وہ رسان سے بولا۔

میں نے اعجاز حسین کو چند اہم ہدایات دے کر فارغ کر دیا۔



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آئندہ روز میں تھانے سے اٹھا اور ٹہلتے ہوئے مریم کے گھر کی طرف چل پڑا۔ صرف اے ایس آئی اعجاز حسین کو یہ بات معلوم تھی' کہ میں کہاں جا رہا ہوں' میں نے یہ سوچتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے جانا ضروری نہیں سمجھا تھا' کہ ہو سکتا ہے' اس کی موجودگی میں مریم کھل کر بات نہ کرے ورنہ اعجاز کی تو بڑی خواہش تھی کہ میرے ساتھ جائے۔ ویسے میں نے اسے بتا دیا تھا' کہ اگر کسی ہنگامی صورتِ حالات میں میری ضرورت پیش آ جائے' تو وہ مجھے بلانے کے لیے مریم کے گھر آ سکتا ہے۔

اس روز بھی میں علی الصبح ہی مریم کے گھر پہنچا تھا' لیکن یہ کوشش کی تھی کہ اس وقت تک مریم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو جائے۔ میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ جب میں نے سادہ لباس میں اس کے گھر میں قدم رکھا تو وہ ناشتے کے دھلے ہوئے برتن سمیٹ کر انہیں دوچھتی پر سجا رہی تھی۔

اس نے حسبِ دستور مجھ سے چائے پانی کا پوچھا' اور میں نے بڑی خوب صورتی سے انکار کر دیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ مقصد کی بات پر آ گئی اور مجھ سے پوچھنے لگی۔

''تھانے دار جی! آپ کو ظفر محمود کے خلاف کوئی ثبوت ملا یا نہیں؟''

''ہاں! مریم ثبوت تو میں نے حاصل کر لیا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میری نظر میں وہ مجرم تو ہے!''

''اللہ آپ کا بھلا کرے تھانے دار صاحب!'' وہ دعائیہ انداز میں بولی۔ ''اب آپ اس کمینے کو جلدی سے گرفتار کر کے جیل بھجوا دیں۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے مریم بی بی!'' میں نے سوچے سمجھے نفسیاتی حربے کا استعمال

شروع کر دیا۔ ''اس سلسلے میں کچھ پیچیدگیاں آڑے آ رہی ہیں۔''

''کیسی پیچیدگیاں؟'' وہ الجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ ''جب آپ کی نظر میں وہ مجرم ہے' تو پھر اس کی گرفتاری میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''میں تمہیں غلط نہیں سمجھتا مریم!'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور ساری پیچیدگی اسی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے!''

''میں کچھ سمجھی نہیں تھانے دار جی!'' اس کی الجھن میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

''میں سمجھاتا ہوں۔'' میں نے چند لمحے کی پُرسوچ خاموشی کے بعد بولنا شروع کیا۔ ''دیکھو مریم بی بی! اس گاؤں کے لوگ تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں' کیا سوچتے ہیں' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم نے کسی بھی مرحلے پر مجھ سے غلط بیانی نہیں کی۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی' بالکل ٹھیک۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بولی۔ ''اللہ کا شکر ہے......کوئی تو ہے اس گاؤں میں جو میری بات سمجھتا ہے۔ مجھے امید ہے تھانے دار جی! آپ ضرور میری بیٹی کے قاتل کو جیل کی دیواروں کے پیچھے پہنچائیں گے۔''

''انشاءاللہ۔'' میں نے تہ دل سے کہا۔ ''لیکن پیچیدگی دور ہونے کے بعد!''

''لیکن آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ وہ پیچیدگی ہے کیا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''مریم بی بی! میری بات دھیان سے سننا۔ میں چند اہم باتیں دہراؤں گا' جو تمہاری زبانی ہی مجھ تک پہنچی ہیں۔ اگر اس میں سے کوئی بات غلط ہو یا میں بیان کرنے میں کوئی بات غلطی کر رہا ہوں تو تم فوراً مجھے ٹوک دینا۔ ٹھیک ہے؟''

اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے جناب!''

میں نے بولنا شروع کیا۔ ''مریم بی بی! تم نے مجھے بتایا تھا' کہ جب تمہارا شوہر شوکت علی زندہ تھا' تو پٹواری دوست محمد کا تمہارے گھر میں بہت آنا جانا تھا' اور اس

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا ناخلف بیٹا بھی اکثر چکر لگاتا رہتا تھا' پھر شوکت کے انتقال کے بعد پٹواری کا رویہ بدل گیا۔ بہرحال' تمہیں اس کی ذرا بھی پروا نہیں ...... ہے نا؟''

''پٹواری جائے جہنم میں!'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ میری بیٹی کا قاتل کسی بھی طور بچ نہ پائے۔''

''تم جیسا چاہتی ہو' بالکل ویسا ہی ہوگا' مریم بی بی! کسی بھی قاتل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آزادی سے دندناتا پھرے......'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے مریم بی بی سے پوچھا۔ ''مریم! کیا تمہیں یاد ہے کہ...... جب دوست محمد پٹواری نے تمہارے گھر آنا چھوڑ دیا تھا' تو کیا اسی وقت ظفر بھی تمہارے گھر کا راستہ بھول گیا تھا' یا...... وہ بعد میں بھی آتا رہا تھا؟''

''باپ کی آمدورفت ختم ہوئی تو بیٹا بھی غائب ہوگیا تھا۔'' وہ ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی۔ ''لیکن میں آپ کو بتا چکی ہوں نا' مجھے ان لوگوں کے اپنے گھر میں آنے جانے سے کوئی مطلب نہیں ہے!''

''ہاں ہاں! مریم بی بی! میں تمہاری بات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں تو صرف واقعات کو ترتیب میں لانے کے لیے یہ سب دہرا رہا ہوں۔''

وہ مطمئن نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''مریم! اچھی طرح سوچ کر بتاؤ' تمہارے شوہر شوکت علی کے انتقال کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ ''لگ بھگ پانچ سال!''

''اور شوکت علی کے انتقال کے فوراً بعد ان باپ بیٹے نے تمہارے گھر آنا چھوڑ دیا تھا؟'' میں نے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

''جی......'' وہ ایک لمحے کے لیے متذبذب نظر آئی۔ ''جی ہاں!''

''اور پھر پانچ سال کے بعد...... یہی کوئی چار سوا چار ماہ پہلے پٹواری دوست محمد کے بیٹے ظفر محمود نے نرگس کو قتل کر ڈالا۔'' میں نے کہا' پھر برآمدے کے ایک کونے کی جانب

اشارہ کرتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''اور...... اپنی سب سے بڑی بیٹی نرگس کو تم نے وہاں دفن کر رکھا ہے؟''

اس کی الجھن میں اضافہ ہوگیا' تاہم اس نے کوئی سوال نہیں کیا' اور میکانکی انداز میں سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''جی ہاں...... میری نرگس کی قبر یہی ہے۔''

''اور ادھر قبرستان میں......'' میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''شوکت علی کے پہلو میں جو کسی نرگس کی قبر ہے' اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں......'' لمحاتی وقفے کے بعد میں نے اضافہ کر دیا۔ ''میں اس نرگس کی بات کر رہا ہوں' جس نے سال بھر پہلے اپنی کلائیوں کی رگیں کاٹ کر خودکشی کی تھی؟''

میرے استفسار نے اسے بڑی مشکل میں ڈال دیا۔ وہ قبرستان میں موجود نرگس کی قبر سے مکمل لاتعلقی کا اظہار کر چکی تھی۔ اگر اب اقرار کرتی تو میری نظر میں جھوٹی قرار پاتی۔ چند لمحات کے تذبذب کے بعد اس نے دل کڑا کر کے کہہ ہی دیا۔

''میں نے آپ کو کچھ بھی غلط نہیں بتایا تھا۔ میں صرف اپنی بیٹی نرگس سے واقف ہوں' جسے چار سوا چار ماہ پہلے پٹواری کے بیٹے ظفر محمود نے قتل کر دیا ہے اور اس کی قبر میرے گھر کے برآمدے میں ہے!''

''ٹھیک ہے......'' میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''مریم بی بی! یہ بتاؤ پچھلے پانچ سال میں...... شوکت علی کے انتقال سے لے کر نرگس کے قتل تک ظفر اور دوست محمد پٹواری میں سے کوئی تمہارے گھر میں آتا رہا ہے؟''

''نہیں جی...... بالکل نہیں......'' وہ صاف مکر گئی۔

''پچھلے پانچ سال میں ان دونوں میں سے کوئی بھی تمہارے گھر میں نہیں آیا' اور پھر چار سوا چار ماہ پہلے ظفر محمود نے نرگس کو قتل کر کے اس کی لاش کو کھیتوں میں پھینک دیا۔ تم روتی کرلاتی رہیں' لیکن کسی نے تمہاری بات کا یقین نہیں کیا حتیٰ کہ اس وقت کے تھانے دار مجید کھرل نے بھی تمہیں پاگل قرار دے دیا۔'' میں نے ایک انتہائی غیرسنجیدہ بات کو گہری سنجیدگی سے بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''مریم بی بی! اب تم مجھے واضح الفاظ میں بتاؤ گی کہ ظفر محمود کو نرگس سے ایسی کیا دشمنی تھی' جو اس نے نرگس کی جان لے لی؟''

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

"میں نے آپ کو تفصیل سے بتا دیا ہے کہ...... بعض لوگ جانوروں کا شکار کرتے ہیں اور بعض کو انسانوں کے شکار کا شوق ہوتا ہے!"

"ہاں ہاں! مجھے یاد آ گیا۔ وہ پوری تفصیل میرے ذہن میں ہے...... اس کا مطلب ہے پھر تو پوسٹ مارٹم ہی کرنا پڑے گا!" میں نے کہا۔

میرے آخری اور سنجیدہ جملے نے اسے چونکا دیا اور وہ تڑپ کر بولی۔ "پوسٹ مارٹم یعنی چیر پھاڑ؟"

"اگر لاش کے بدن پر گوشت پوست موجود ہو تو اس کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے۔" میں نے مریم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوری سفاکی سے کہا۔ "اور اگر قبر کی مٹی نے گوشت اور پوست کو اپنا رزق بنا لیا ہو تو پھر ہڈیوں کی کم بختی آتی ہے۔ ہڈیوں کا لیبارٹری ٹیسٹ کروانا پڑتا ہے تاکہ یہ پتا چلایا جا سکے کہ اس شخص کی موت کب' کیسے اور کن حالات میں واقع ہوئی تھی!"

"لیکن آپ کس کی لاش کا...... پوسٹ مارٹم اور لیبارٹری ٹیسٹ کروانا چاہتے ہیں؟" وہ وحشت زدہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "م...... کچھ سمجھ نہیں سکی ہوں۔"

"دونوں کا......!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "ایک وہ جس کی قبر ادھر قبرستان میں ہے اور ایک یہ جو تمہارے برآمدے کے کونے میں مٹی اوڑھے سو رہی ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چل جائے گا کہ نرگس کون ہے اور بکری کون!"

"آپ ایسا نہیں کر سکتے......" وہ بپھری ہوئی شیرنی کے مانند غرائی۔ "تھانے دار صاحب! میں آپ کو ہرگز ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ آپ...... آپ قبرستان والی قبر...... کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے...... آپ میری بات...... سمجھ رہے ہیں نا؟"

"میں اس قبر کو کیوں ہاتھ نہیں لگا سکتا!" میں نے اس کی وحشت کی پروا کیے بغیر قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ "اس قبر سے تو تم اپنی لاتعلقی ظاہر کر چکی ہو۔ تم نہیں جانتی ہو' وہاں قبرستان میں' تمہارے شوہر کے پہلو میں کس کی قبر ہے۔ تمہاری بیٹی نرگس تو یہاں دفن ہے نا...... تم زیادہ سے زیادہ اس برآمدے والی قبر پر کوئی حق جتا سکتی ہو......"

"لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

احتجاجی لہجے میں بولی۔ "آپ یہ سب کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

میں نے اپنے نفسیاتی ڈرامے کو فائنل کرتے ہوئے مریم کے سوال کا جواب دیا۔

"میں نے تمہیں شاید بتایا نہیں کہ پچھلی رات میں نے ظفر محمود کو گرفتار کیا ہے۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف بھی کر لیا ہے' لیکن اس کا اصرار یہ ہے کہ اس نے جس نرگس کی جان لی تھی' وہ ادھر قبرستان میں دفن ہے۔ میں دونوں قبروں کو کھود کر لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعے فیصلہ کرنا چاہتا ہوں کہ تم سچی ہو یا ظفر؟"

"کک...... کیا واقعی آپ نے ظفر کو گرفتار کر لیا ہے؟" وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے دروغ مصلحت آمیز کا سہارا لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں! میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"اور...... اس نے نرگس کا قتل بھی...... قبول کر لیا ہے؟" اس کی آنکھوں کی الجھن آمیز حیرت دوچند ہو گئی۔

میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ جس ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہی تھی' ظفر کی گرفتاری کی اطلاع سن کر وہ غائب ہو گئی تھی۔ گویا وہ اداکاری ترک کر کے نارمل رویے کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"جرم تو اس نے قبول کر لیا ہے' لیکن اس کے بیان کو چیک کرنے کے لیے لاش کی باقیات کا لیبارٹری ٹیسٹ ضروری ہے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ بتاؤ! میں دونوں قبروں کو کھود ڈالوں یا پھر......؟" میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"وہ کمینہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میری نرگس ادھر قبرستان ہی میں دفن ہے اور...... آپ کو اس کی قبر کھولنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو بتاتی ہوں...... کہ اس خبیث نے میری نرگس کو...... کیوں موت کے گھاٹ اتارا تھا...... مجھ سے زیادہ بھلا کون جانتا ہے۔"

بات ختم کرتے ہی وہ زار و قطار رونے لگی۔ اس کی برداشت کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ ضبط و ہمت اور صبر سب نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھول گئی کہ پچھلے چار پانچ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماہ سے کیا اداکاری کرتی چلی آ رہی ہے۔ میں نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ یہی رونا اس کے دکھوں کا مداوا تھا۔ اس کے دل و دماغ کا غبار اگر آنکھوں کے راستے بہہ جاتا، تو اس کی روح کو سکون مل سکتا تھا۔ اسی وقت مریم سے کوئی معقول بات کی جا سکتی تھی۔

دس منٹ کے بعد وہ گفتگو کرنے کے قابل ہو گئی۔ میرے تعاون اور ہمدردانہ رویے نے اس کا حوصلہ بڑھایا، اور اس نے اپنا دل کھول کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں اس سربستہ راز کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

بکریوں والی چاچی کے مطابق ظفر محمود پٹواری دوست محمد کی بیوی زلیخا کے بطن سے پیدا ہوا تھا، لیکن درحقیقت وہ شوکت علی کی اولاد تھا۔ یہ خوفناک راز ایک نازک مرحلے پر شوکت علی کی زبان سے پھسل کر مریم کی سماعت تک پہنچ گیا، اور شوکت علی نے اسے قسم دی کہ یہ بات آگے نہ بڑھے۔ مریم اپنے شوہر سے عقیدت کی حد تک محبت کرتی تھی، لہٰذا شوکت علی کی لغزش پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے اپنے لبوں پر مہرِ خاموشی ثبت کر لی۔ شوکت علی کے انتقال کے بعد پٹواری اور اس کے بیٹے نے ان کے گھر آنا جانا بند کر دیا تھا، لیکن ایک سال پہلے جب ظفر نے دوبارہ آمدورفت شروع کی، اور مریم نے دیکھا کہ وہ نرگس میں دلچسپی لے رہا ہے، تو اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ دونوں آپس میں بھائی بہن تھے۔ ان کا ملاپ انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا، لہٰذا اس نے پیار و محبت سے نرگس کو سمجھایا، لیکن ایسے معاملات میں کوئی مشکل ہی سے سمجھتا ہے۔

جب مریم نے پانی سر سے اٹھتے دیکھا، تو اس نے نرگس کو حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ نرگس کو بالکل یقین نہ آیا۔ وہ چند روز گم صم سی رہی، پھر ایک روز پتا چلا کہ نرگس نے اپنی کلائیوں کی نسیں کاٹ کر خودکشی کر لی ہے۔ مریم یہی سمجھی کہ شاید وہ تعلقات میں ظفر کے ساتھ اتنا آگے بڑھ گئی تھی، کہ حقیقت کے انکشاف نے اسے اپنی جان لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ روئی دھوئی اور بکریوں سے دل لگا لیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس وقت وہ بھی یہی سمجھی کہ نرگس نے خودکشی کی ہے، اسی لیے اس نے ظفر کے خلاف زبان نہیں کھولی۔ چار پانچ ماہ پہلے اسے پتا چلا کہ نرگس کو دراصل ظفر نے اس طرح قتل کیا تھا، کہ وہ سیدھا سادہ خودکشی کا

واقعہ نظر آئے۔ اس نے اپنے ایک قریبی دوست حق نواز کو اس راز سے آگاہ کیا، اور بات کسی طرح اُڑتی اُڑتی مریم تک پہنچ گئی۔ واقعات کے مطابق پٹواری نے اپنے بیٹے ظفر کو مریم کے گھر جانے سے روکنے کے لیے ایک خطرناک چال چلی۔ اس نے ظفر کو بتایا کہ دراصل نرگس اسی کی بیٹی ہے، اور اس رشتے سے وہ ظفر کی بہن لگتی ہے۔ ظفر کا تو دماغ ہی گھوم کر رہ گیا۔ وہ نرگس کے ساتھ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ پہلے اس نے خود کو ختم کرنے کے بارے میں سوچا، لیکن پھر اسے اس ننھے وجود کا خیال آ گیا، جو ان کے ملاپ کی نشانی کے طور پر نرگس کی کوکھ میں زندگی پکڑ چکا تھا۔ جب کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا، تو اس نے نرگس ہی کو ختم کر دیا۔ جب مریم کو حقیقت کا علم ہوا، تو اس نے ظفر سے انتقام لینے کی منصوبہ بندی کی۔ اپنی بکری کو خود کاٹ کر اس نے کھیت میں ڈالا، اور ایک دیوانی عورت کا کردار ادا کرتے ہوئے، وہ تھانہ انچارج مجید کھرل کے پاس پہنچ گئی۔ اس کے بعد سے اب تک جو واقعات پیش آئے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ بالآخر مریم عرف بکریوں والی چاچی میری توجہ حاصل کر کے اپنی بیٹی کے قاتل اور اس کی عزت کے ہتھیارے کو سزا دلوانے میں کامیاب ہو گئی۔

میں نے اس کے بیان کی تصدیق کے لیے فوری طور پر ظفر محمود کے دوست حق نواز کو تھانے بلایا تاکہ ظفر کی حقیقی گرفتاری کی راہ ہموار کی جا سکے۔ حق نواز ایک ہٹا کٹا شخص تھا۔ اس کی گواہی ظفر کو پھانسی کے پھندے تک لے جا سکتی تھی۔ میری ابتدائی پوچھ تاچھ کے جواب میں تو وہ ٹس سے مس نہ ہوا، لیکن جب میں نے ٹرائل روم سے منسوب مخصوص حربے آزمائے، تو وہ زبان کھولنے پر تیار ہو گیا۔ مریم کے بیان میں کوئی جھول نہیں تھا۔

''تھانے دار صاحب!'' وہ سراسیمہ لہجے میں بولا۔ ''اگر ظفر کو پتا چل گیا کہ میں نے اس کے خلاف بیان دیا ہے، تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو حق نواز'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں اس سورما کو اس قابل بھی نہیں رہنے دوں گا، کہ وہ اپنی ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی اُڑا سکے۔ تمہیں قانون پورا تحفظ دے گا۔''

وہ چند لمحات تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا، پھر مجھ سے تعاون کا وعدہ کرتے ہوئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس نے صورتِ حال بیان کر دی۔ اس کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں' میں نے حرکت کی اور اسی رات پٹواری دوست محمد کے بیٹے ظفر محمود کو نرگس کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ یہ عمل خاصا دشوار ثابت ہوا تھا۔ تاہم میں نے کسی لچک کا مظاہرہ نہیں کیا' اور پٹواری کی ہزار دھمکیوں کے باوجود قانون کے تقاضے نبھائے۔

چاچی بکریوں والی یعنی مریم ایک وفا پیشہ عورت ثابت ہوئی تھی۔ ایک راز اس کے سینے میں برسوں سے دفن تھا' جس تک صرف میں رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

***

راضی برضا

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے' جب سیلاب نے سرزمین پنجاب کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا تھا۔ پانچ دریاؤں کی دھرتی اکثر وبیشتر موسم برسات میں سیلاب کی مہربانیوں کا نشانہ تو بنتی ہی رہتی ہے' لیکن کبھی کبھی اس مہربان مہمان کی آمد ایسی تباہ کن اور ہلاکت خیز ثابت ہوتی ہے کہ میزبان دھرتی کو سنبھلنے اور سدھرنے میں مہینوں لگ جاتے ہیں۔ اس دوران ایسے سنسنی خیز اور عبرت ناک واقعات بھی جنم لیتے ہیں کہ جن کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

وہ سال بھی اسی نوعیت کے واقعات کا منظر نامہ تھا۔

ایک روز میں حسبِ معمول تیار ہو کر تھانے پہنچا' تو ایک چونکا دینے والی اطلاع میری منتظر تھی۔ کانسٹیبل حق نواز نے میرے کمرے میں آ کر بتایا کہ کھیتوں میں سے ایک جوان لڑکی کی لاش ملی ہے!

کس کے کھیتوں میں؟ میں نے دریافت کیا۔

کانسٹیبل نے جواب دیا۔ ''حاجی مبارک کے کھیتوں میں جناب!''

حاجی مبارک اسی علاقے کا رہائشی ایک چھوٹا زمیندار تھا' اور اس کی زمین دریا کے کنارے سے لگی ہوئی تھی۔ میں نے کانسٹیبل سے پوچھا۔ ''اس واقعے کی اطلاع کس نے دی ہے؟''

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"سراج دین لاش کے بارے میں اطلاع دینے تھانے آیا تھا۔" کانسٹیبل نے بتایا۔

"وہ بھی اسی قصبے میں رہتا ہے۔ وہ صبح کھیتوں میں سے گزر کر دریا کی طرف جا رہا تھا' تو اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی۔ وہ سیلاب زدہ زمین پر ایک جوان لڑکی کو بےسدھ پڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اندرونی تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ مذکورہ لڑکی کے قریب چلا گیا' اور جبھی اس پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ لڑکی کی زندگی کی رونق سے خالی ہو چکی ہے۔ اس کے بعد وہ سیدھا تھانے چلا آیا تھا۔"

کانسٹیبل حق نواز نے ایک ہی سانس میں لڑکی کی لاش اور اطلاع کنندہ کے بارے میں تفصیل بیان کر دی' تو میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "سراج دین اس وقت کہاں ہے؟"

"وہ تو چلا گیا جناب!" کانسٹیبل نے بتایا۔

"کمال ہے!"

میں نے تیز نظروں سے کانسٹیبل کو گھورا۔

"مجھ سے ملے بغیر وہ کیسے چلا گیا؟"

"بات دراصل یہ ہے جناب!" کانسٹیبل وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"سراج کی بیوی زچگی کے عمل سے گزرنے والی ہے۔ وہ دریا کے اس پار ایک دائی کے پاس جا رہا تھا۔ کھیتوں میں پڑی لڑکی کی لاش دیکھ کر وہ مجبور ہو گیا' کہ پہلے اس واقعے کی تھانے میں اطلاع دے' اس کے بعد دائی کو بلانے کے لیے دریا کی دوسری جانب جائے۔ اس کے جذبے نے مجھے بے حد متاثر کیا' لہٰذا میں نے اسے فوراً جانے کی اجازت دے دی۔"

کانسٹیبل سانس درست کرنے کے لیے متوقف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"سراج دین نے وعدہ کیا ہے کہ وہ دائی کو اپنی بیوی کے پاس چھوڑ کر دوبارہ تھانے آئے گا' پھر ہم اس سے ضروری پوچھ گچھ کر سکتے ہیں!"

"ابھی قیامت کو آنے میں کافی دیر لگے گی!" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"قیامت......؟"

اس نے حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔

میں نے اس کی حیرت کو نظرانداز کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"حق نواز! میں نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ' جب تک انسانیت سے بھرپور کوئی ایک انسان بھی اس روئے زمین پر باقی ہے' قیامت نہیں آ سکتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ اچھے لوگوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے' لیکن میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں' ابھی اس دنیا میں ایسے نیک دل' ہمدرد اور مہربان افراد موجود ہیں' جن کے دم سے انسانیت کا بھرم قائم ہے اور......سراج دین بھی انہی میں سے ایک ہے۔"

میں نے لحاتی توقف کیا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو! اس اللہ کے بندے کی گھر والی بچے کو جنم دینے والی ہے۔ وہ اس عمل کو آسان اور محفوظ بنانے کے لیے دریا کے اس پار سے ایک دائی کو لینے جا رہا تھا' لیکن انسانی......ہمدردی اور اخلاقی فرض نے اسے روک لیا' پہلے اس نے تھانے میں اطلاع دی پھر اپنے مقصد کے حصول کے لیے آگے بڑھا۔ دوسروں کے کام آنا ہی انسانیت کی معراج ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب!"

حق نواز تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"میں سراج کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ واقعی بڑا ہی بابندہ ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "چودھری فرید کہاں ہے؟"

فرید نامی کانسٹیبل میرے تھانے کے عملے میں شامل تھا۔ اس کا کسی چودھری خاندان سے کبھی کوئی تعلق رشتہ نہیں رہا تھا' اس کے باوجود بھی اس کے نام کے ساتھ "چودھری" کا لفظ جڑا ہوا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ کانسٹیبل فرید کو ہر کام' ہر معاملے میں پیش پیش رہنے کا بہت شوق تھا۔ وہ خود کو لیڈر سمجھتا تھا۔ اس کے اسی چودھرانہ اسٹائل نے اسے "چودھری فرید" مشہور کر دیا تھا۔ مذاق مذاق میں جوڑا جانے والا یہ لفظ اب اس کے نام کا حصہ بن چکا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حق نواز نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ’’ملک صاحب! فرید تو امدادی پارٹی کے ساتھ گیا ہوا ہے۔‘‘

اس سال سیلاب نے جس طوفانی انداز میں تباہ کاری مچائی تھی اس کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت کی جانب سے ہر علاقے کے تھانے کو یہ احکام موصول ہوئے تھے کہ وہ امدادی پارٹیاں تشکیل دیں' جو گردونواح کے علاقوں کا گشت کریں اور سیلاب زدگان کی ہر ممکنہ مدد اور بحالی کے لیے کام کریں' چناں چہ میں نے اپنے تھانے کے عملے میں سے تین افراد کی ایک امدادی پارٹی ترتیب دی تھی' جن کی قیادت کانسٹیبل چودھری فرید کے ذمے تھی۔ یہ لوگ علاقے کے افراد کے ساتھ مل کر فوری امدادی کاموں میں مصروف تھے' لہٰذا ان تینوں کا زیادہ تر وقت تھانے سے باہر ہی گزرتا تھا۔ فرید کے ساتھ دوسرے دو کانسٹیبل آفتاب اور منظور تھے۔

پہلے میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا' کہ میں فرید کو اپنے ہم راہ جائے وقوعہ پر لے جاؤں گا مگر اس کی عدم دستیابی کو دیکھتے ہوئے میں نے حق نواز کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کرلیا اور اس فیصلے سے اسے آگاہ بھی کر دیا۔ میرا اشارہ پاتے ہی وہ ضروری تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد ہم جائے وقوعہ کی جانب روانہ ہو گئے۔



حاجی مبارک کی زمین دریا کے کنارے سے لگی ہوئی تھی۔ ایسی زمین کی زرخیزی میں کوئی کلام نہیں ہوتا' لیکن جب کبھی بھی دریا میں طغیانی آجائے اور اس کا پیمانہ چھلک جائے تو سب سے زیادہ نقصان بھی اسی قطعۂ اراضی ہی کو پہنچتا ہے۔ یہ تو ایک آفاقی فارمولا بھی ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ فائدہ جس شے سے حاصل ہو رہا ہو' اگر وہ شے اس سے بگڑ جائے تو سب سے زیادہ ضرر رساں بھی وہی ثابت ہوتی ہے!

اس سیلاب نے دریا کے کناروں کو مختلف مقامات سے اس قابل نہیں رہنے دیا تھا' کہ وہ دریائی پانی پر قابو رکھ سکیں۔ دریا کے کنارے دو مضبوط اور توانا بازوؤں کے مانند ہوتے ہیں' جن کی مدد سے وہ بہنے والے پانی کو اپنی آغوش میں سمیٹے رکھتا ہے۔ اگر کسی شخص کے دونوں بازو کندھوں سے کٹ جائیں تو اپنی آغوش میں موجود کسی شے پر گرفت

قائم رکھنا اس کے بس میں نہیں رہتا۔ کچھ ایسا ہی حال اس دریا کا بھی تھا!

سیلاب نے دریا کے اس کنارے کو بُری طرح پچھاڑ ڈالا تھا' جو ہمارے علاقے سے لگا ہوا تھا۔ حاجی مبارک کی اراضی چوں کہ دریا کے کنارے سے لگی ہوئی تھی لہٰذا اسے اچھا خاصا نقصان پہنچا تھا۔ اس جوان لڑکی کی لاش اسی زیرِ آب زمین پر پڑی ملی تھی۔ چند منٹ کے بعد ہم جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔

ہم سے پہلے بھی چند افراد وہاں موجود تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ ایک طرف ہٹ گئے۔ میں مذکورہ لاش کے قریب چلا گیا اور باریک بینی سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس بات کا یقین مجھے پہلی نظر ہی میں ہو گیا تھا' کہ وہ لڑکی زندگی سے بہت دور جا چکی تھی۔

میں نے اس کی لاش کو الٹ پلٹ کر ضروری اُمور کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی موت واقع ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ یہ عین ممکن تھا' کہ اس نے گزشتہ شام یا رات کے ابتدائی حصے میں موت کو گلے لگایا ہو۔ اس کے بدن پر بظاہر ایسی کوئی چوٹ نظر نہیں آرہی تھی' جسے اس کی موت کا سبب سمجھا جاتا۔ صحیح صورتِ حال کا اندازہ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور لاش کے تفصیلی معائنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے موقع پر موجود نصف درجن افراد سے باری باری اس متوفی لڑکی کے بارے میں سوال کیا۔

ان سب کا تعلق اسی گاؤں یعنی موضع چک جمال سے تھا۔ انہوں نے مختلف الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے ایک جیسا جواب دیا...... اور وہ جواب یہ تھا' متوفی بدنصیب چک جمال کی رہنے والی نہیں تھی!

یہ جواب خاصا فکرانگیز اور تشویش ناک تھا۔ اگر وہ چک جمال سے تعلق نہیں رکھتی تھی تو پھر کہاں سے آئی تھی؟ اسے کس نے موت کے حوالے کیا اور کیوں؟

یہ تمام وہ سوالات تھے' جن کے جوابات مجھے تلاش کرنے تھے تاکہ اس اجنبی لڑکی کی پُراسرار موت کا معمہ حل کیا جا سکے۔ اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ ایک حسین وجمیل لڑکی تھی۔ اس کی عمر بھی میرے محتاط اندازے کے مطابق انیس بیس سال ہوگی۔

ایک خطرناک سوال میری سوچ کو خاصا منتشر اور بے چین کر رہا تھا۔ یہ جاننے کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بعد کہ وہ چک جمال کی رہنے والی نہیں تھی' ایک خاص قسم کی تشویش نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس بات کے امکانات بہت کم تھے کہ اس...... بدنصیب کی موت طبعی ہوئی ہو گی۔ اگرچہ اس کے بدن کے کھلے حصوں پر مجھے ایسے آثار دکھائی نہیں دیے تھے' جس سے یہ اندازہ قائم کیا جاتا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ ہاں پوسٹ مارٹم سے حالات کی اصلی صورت سامنے آ سکتی تھی۔ فی الوقت میں اس اجنبی لڑکی کی موت کے حوالے سے کوئی حتمی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری اسپتال بھجوانے سے پہلے میں نے گاؤں سے مزید افراد کو جائے وقوعہ پر طلب کیا اور ان سے متوفی لڑکی کے بارے میں استفسار کیا۔ دراصل میں اپنے طور پر یہ تسلی کرنا چاہتا تھا' کہ کیا واقعی وہ لڑکی چک جمال رہنے والی نہیں!

چک جمال میں بسنے والے متعدد معتبر افراد نے جب مجھے یقین دلایا کہ اس لڑکی کا ان کے گاؤں سے کوئی تعلق نہیں تو میں نے جلدی جلدی موقع کی ضروری کارروائی نمٹائی اور مذکورہ لڑکی کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دیا۔

جائے وقوعہ پر موجود افراد سے میں نے ضروری پوچھ گچھ کر لی تھی اور اس کوشش سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا' نہ ہی کوئی ایسا اشارہ مل سکا' جو اس لڑکی کی شناخت یا موت کے معاملے پر روشنی ڈال سکتا۔ حاجی مبارک بھی وہاں موجود تھا۔

اس نے مجھے ایک طرف لے جا کر کہا۔ ''ملک صاحب! یہ لڑکی مجھے کسی اور علاقے کی لگتی ہے!''

''ظاہر ہے حاجی صاحب!''

میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''جب وہ اس علاقے کی نہیں تو کسی دوسرے علاقے ہی کی ہو گی۔''

وہ دریا کے ٹوٹے ہوئے کنارے کی جانب دیکھنے لگا۔ میں اس کی نگاہ کا مطلب سمجھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''حاجی صاحب! یہ نکتہ ہے میرے ذہن میں بھی۔ آپ فکر نہ کریں' انشاء اللہ! میں

اسے ضرور چیک کروں گا!''

''جی......!'' وہ الجھن زدہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اپنی مبہم بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''حاجی صاحب! یہ آپ کی زمین کے ساتھ ساتھ جو دریا رواں ہے نا' اس نے اس سال کھڑی فصلوں کے علاوہ خالی کھیتوں کو بھی بڑا نقصان پہنچایا ہے...... خاص طور پر وہ مقامات' جہاں جہاں سے دریا کا کنارہ ٹوٹا ہے' اُمنڈ آنے والے سیلابی ریلوں نے تو قیامت ہی برپا کر دی ہے۔ آپ کی زمین بھی ایسے ہی متاثرہ قطعات اراضی میں شمار ہوتی ہے۔ سیلاب کا پانی اپنے ساتھ پتا نہیں' کون کون سی چیزوں کو بہا لے آیا ہے۔ اس بات کے قویّ امکانات ہیں کہ یہ اجنبی لڑکی بھی دریا میں بہتے ہوئے کہیں اور سے یہاں پہنچی ہو لہٰذا......!''

میں نے سانس درست کرنے کے لیے توقف کیا پھر لمحاتی خاموشی کے بعد اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اس دریا کے ساتھ ساتھ بالائی جانب پائے جانے والے تمام گاؤں دیہات کو چیک کروں گا۔ ہو سکتا ہے' یہ مصیبت کی ماری ہوئی کوئی لڑکی ہو۔ اس کا گھر' خاندان' سب کچھ سیلاب کی نذر ہو گیا ہو اور اسی قیامت خیزی میں یہ بھی موت کے منہ میں جا گری ہو' پھر اس کی لاش دریا کے پانی کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے ہمارے علاقے میں پہنچ گئی ہو اور یہاں سے دریا کا کنارہ ٹوٹا ہونے کے سبب وہ آپ کے کھیتوں میں نکل آئی ہو......!''

''آپ بہت ذہین پولیس آفیسر ہیں تھانیدار صاحب!'' حاجی مبارک نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ نے بڑے منطقی انداز میں موجودہ حالات کا تجزیہ کیا ہے۔''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اس میں ذہانت سے زیادہ موقع شناسی اور معاملہ فہمی کو دخل ہے۔ بہر حال' یہ سب تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ تھانے داری کوئی آسان کام تو نہیں نا!''

وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یہ دریا مشرق سے مغرب کی سمت بہتے ہوئے ہمارے گاؤں چک جمال کے قریب سے گزرتا ہے۔ اگر ہمارا اندازہ درست ہے تو پھر یہ بدقسمت لڑکی اوپر کے کسی گاؤں کی رہنے والی ہے۔ میری معلومات کے مطابق بالائی جانب لگ بھگ تین میل کے فاصلے پر پہلا گاؤں کوٹلی مراد ہے۔ میرا خیال ہے' آپ سب سے پہلے اسی گاؤں کو چیک کرنا پسند فرمائیں گے!"

"نہیں......!" میں نے قطعیت سے نفی میں گردن ہلائی اور گہری سنجیدگی سے کہا۔

"میں کوٹلی مراد سے پہلے کسی اور شے کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی اور شے......؟" وہ متذبذب نظروں سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے انکشاف انگیز انداز میں کہا۔

"اور......وہ شے ہے' حاجی مبارک علی!"

"کک......کیا......آپ مجھے چیک...... کریں گے......؟" وہ لکنت زدہ لہجے میں بولا۔

"حاجی صاحب!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ کے پاس یہی زمین ہے یا اس کے علاوہ بھی کسی قطعۂ اراضی کے مالک ہیں آپ؟"

حاجی مبارک علی میری معلومات کے مطابق ایک چھوٹا زمیندار تھا' لیکن میں نہیں جانتا تھا' کہ اس کے پاس کتنی زمین ہے۔

وہ اپنی حیرت اور الجھن کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔ "جناب! میرے پاس بس یہی چودہ ایکڑ زمین ہے۔"

"اور یہ ساری کی ساری زمین زیرآب آ چکی ہے؟"

میں نے دریا کی سمت انگلی اٹھا کر ادھر سے ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"لہٰذا آج کل آپ کو خاصی فرصت ہوگی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا؟"

"آپ کہہ تو بالکل درست رہے ہیں۔" وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔ "مگر یہ فرصت بڑی تکلیف دینے والی اور افسوس ناک ہے!"

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے آپ کے نقصان اور پریشانی کا بہ خوبی اندازہ ہے حاجی صاحب......اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک آپ کے لیے زمینداری کا کام نہیں نکلتا' آپ میرے ساتھ مل کر کام کریں۔ اس طرح آپ کا دل بھی بہلا رہے گا اور وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ کیا آپ کو میری یہ پیش کش منظور ہے؟"

"تو......یہ آپ......مجھے......چیک کر رہے ہیں؟" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا۔ "بالکل ٹھیک سمجھے آپ......پھر کیا ارادہ ہے؟"

"لیکن میں آپ کے ساتھ مل کر کیا کام کر سکتا ہوں؟"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے جن معاملات میں آپ کی خدمات کی ضرورت ہوگی' میں آپ کو بتا دیا کروں گا۔"

"مجھے خوشی ہوگی' آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے کی۔" وہ قدرے جوش بھرے لہجے میں بولا۔

حاجی مبارک خاصا معقول اور پڑھا لکھا انسان تھا۔ اس نے پرائمری تک تعلیم حاصل کر رکھی تھی۔ اس زمانے میں تعلیم کا معیار آج کل کے مقابلے میں بہت بلند ہوا کرتا تھا۔ جو بچہ میٹرک پاس کر لیتا تھا' وہ بابو کہلاتا تھا' اور کیوں نہ ہو' اس زمانے کے میٹرک کو جتنا کچھ آتا تھا' وہ قابلیت اور اہلیت آج کل ایم اے پاس لوگوں میں بھی نظر نہیں آتی۔ حاجی مبارک کو فارغ دیکھ کر میں نے اس کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اس علاقے اور گردونواح کے گاؤں دیہات وغیرہ کے تاریخ جغرافیے پر اتھارٹی مانا جاتا تھا۔ ویسے بھی ان دنوں سیلاب کی تباہ کاریوں نے کچھ اس نوعیت کے ہنگامی حالات پیدا کر دیے تھے کہ تھانے کا عملہ کم پڑنے لگا تھا۔ ایسے میں مفید لوگوں کا ساتھ خاصا کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے حاجی مبارک علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"حاجی صاحب! آپ دوپہر کے کھانے کے بعد تھانے آ جائیں۔ میں اس متوفی لڑکی کا اتا پتا لگانے مشرق کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں' آپ میرے ساتھ چلیں۔"

"ٹھیک ہے جناب! جو آپ کا حکم۔" وہ فرماں برداری سے بولا۔ "میں کھانے کے بعد تھانے میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

جائے وقوعہ کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد میں نے نامعلوم لڑکی کی لاش پوسٹ مارٹم کی غرض سے سرکاری اسپتال بھجوا دی تھی' لہٰذا اب وہاں میرے لیے کوئی کام باقی نہیں بچا تھا۔ اس بات نے صورتِ حال کو کافی حد تک الجھا کر رکھ دیا تھا' کہ متوفیہ اس گاؤں سے تعلق نہیں رکھتی تھی لہٰذا اس کی شناخت اور معلومات کے لیے مجھے زیادہ سرگرمی دکھانے کی ضرورت تھی۔ میں کانسٹیبل حق نواز کے ہمراہ واپس تھانے کی جانب چل پڑا۔

ہم تھانے سے ابھی چند گز دور ہی تھے کہ سامنے سے ایک شخص تیز قدموں سے چلتے ہوئے ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ میں اس شخص کی صورت سے آشنا نہیں تھا' لہٰذا الجھن زدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ حق نواز نے میری الجھن کو فوراً دور کر دیا۔

"ملک صاحب! یہ تو سراج دین ہے۔" حق نواز سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "بڑی تیزی میں نظر آ رہا ہے۔"

اتنی دیر میں سراج دین ہمارے قریب پہنچ گیا۔

سراج دین نے میری جانب دیکھتے ہوئے خوشی سے کہا۔ "تھانے دار صاحب! سوہنے اللہ نے مجھے بیٹی دی ہے!"

"بہت بہت مبارک ہو بھئی سراج دین۔" میں نے خلوصِ دل سے کہا۔ "بیٹیاں تو اللہ کی رحمت ہوتی ہیں۔ یہ سمجھو اللہ نے بیٹی کی شکل میں تم پر اپنی رحمت نچھاور کر دی ہے۔"

حق نواز نے بھی باپ بننے پر اسے مبارک دی۔ سراج دین شاید بیٹی کی ولادت پر اس لیے بھی بہت زیادہ خوش تھا' کہ یہ اس کے گھر میں پیدا ہونے والا پہلا بچہ تھا۔

وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"ملک صاحب! صبح ادھر پہلی والا جانا بہت ضروری تھا' اس لیے میں تھانے میں رک نہیں سکا...... میں ابھی اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ نے مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہو' اب پوچھ لیں۔"

میں نے پوچھا۔ "سراج دین! کیا تمہیں دائی حنیفاں اپنے گھر میں مل گئی تھی؟"

اس سوال پر سراج دین نے چونک کر مجھے دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"جی' وہ اپنے گھر ہی میں موجود تھی۔"

میں نے سوال اس لیے کیا تھا' کہ میری معلومات کے مطابق حنیفاں بے حد مصروف دائی تھی۔ اس کی مانگ اتنی زیادہ تھی کہ وہ اکثر و بیشتر گاؤں سے باہر کہیں نہ کہیں گئی ہوتی تھی۔ تاہم حالیہ سیلابی حالات نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس کے "کام" کو بھی بڑی حد تک متاثر کیا تھا' جبھی سراج دین کو وہ بہ آسانی گھر پر مل گئی تھی۔ بہرحال...... اس مصروفیت کے دو بڑے سبب تھے۔ نمبر ایک اس علاقے میں اور کوئی قابلِ ذکر دائی موجود نہیں تھی۔ نمبر دو' وہ اپنے کام...... بلکہ فن میں اس قدر ماہر تھی کہ لوگ اس پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے دس منٹ تک سراج دین سے پوچھ گچھ کی۔ اس نے میرے سوالات کے معقول اور سادہ جواب دیے اور وہ تمام جوابات میرے کسی کام کے نہیں تھے۔ چک جمال کے دیگر افراد کی طرح وہ بھی نامعلوم نوجوان متوفی لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس نے آج صبح زندگی میں پہلی مرتبہ اس کو...... بلکہ اس کی لاش کو دیکھا تھا...... میں نے اس پوچھ گچھ کے اختتام پر اسے ہدایت کی کہ اگر متوفی لڑکی کے حوالے سے اسے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی پتا چلے تو وہ فوراً تھانے آ کر مجھے اطلاع دے۔ اس نے یقین دلایا کہ من وعن میری ہدایات پر عمل کرے گا۔

میں نے قدرے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "اور جب تھانے کی طرف چکر لگے تو خالی ہاتھ نہیں آنا!"

"جی...... جی......"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ بڑی تیزی سے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔

''آپ فکر نہ کریں جناب! آپ کی مٹھائی تو میں سب سے پہلے پہنچاؤں گا۔''

''بھئی سراج دین! تم تو بہت ہوشیار آدمی ہو۔'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''میرے مٹھائی والے اشارے کو تم نے فوراً سمجھ لیا۔''

''بس جناب! بچی کی اتنی خوشی ہے کہ دل چاہتا ہے' پورے چک جمال کے لوگوں کو مٹھائی کھلاؤں۔''

وہ جذبات سے مغلوب لہجے میں بولی۔

میں نے تہ دل سے کہا۔ ''اللہ تمہاری بچی کا نصیب اچھا کرے!''

پھر ہم سراج دین سے الگ ہو کر تھانے کی طرف قدم اٹھانے لگے اور وہ اپنے گھر کی سمت بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کانسٹیبل حق نواز نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''ملک صاحب! میں آپ کی بات کا قائل ہو گیا ہوں!''

''کون سی بات بھئی!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''وہی جناب کہ...... قیامت کو آنے میں ابھی بہت وقت لگے گا۔''

''ہاں! یہ تو ٹھیک ہے' لیکن کس وجہ سے تم قائل ہوئے یہ تو بتاؤ؟''

''سراج دین کے گھر میں بچی پیدا ہوئی ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے بچوں کی پیدائش کا عمل رک جائے گا اور جس وقت قیامت برپا ہو گی' روئے زمین پر کوئی بھی معصوم چھوٹا بچہ موجود نہیں ہو گا!''

ہم اسی موضوع پر باتیں کرتے ہوئے تھانے پہنچ گئے۔

***

اس سال وقت سے پہلے بارشیں شروع ہو گئی تھیں اور معمول سے بڑھ کر ہوئی تھیں۔ موسمِ برسات کا آغاز عموماً ساون کی آمد کے ساتھ ہوا کرتا تھا' جو جولائی کے وسط میں شروع ہوتا ہے' لیکن اس دفعہ اساڑھ کے آخری دنوں ہی میں برسات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا' جو کہ اب تک ساون کے اختتام پر بھی جاری تھا۔ اسی بارش نے دریا کے سینے کو بھر کر اُمنڈنے پر مجبور کر دیا تھا' جو سیلاب کی صورت اختیار کر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک من مانیاں کرتا پھر رہا تھا۔ ہزاروں گھر اور کھیت کھلیان زیرِ آب آ گئے تھے۔ بعض علاقوں میں کھڑی فصلوں کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا۔ اگر اس سال کی سیلابی تباہ کاریوں کو رقم کیا جاتا تو ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک عبرت انگیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی ضخیم کتاب مرتب کی جا سکتی تھی۔ حاجی مبارک علی کے کھیتوں میں جو نا معلوم نوجوان لڑکی کی لاش ملی تھی' وہ بھی اسی خرابے کا ''کارنامہ'' تھا۔

اس روز حسبِ پروگرام حاجی مبارک علی دوپہر کے کھانے کے بعد مجھ سے ملنے تھانے پہنچ گیا' لیکن ہم بالائی جانب واقع کوٹلی مراد نہ جا سکے اور اس کا سبب اچانک شروع ہو جانے والی بارش تھی۔ لگ بھگ دو بجے دوپہر جب ہم تھانے سے نکلنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ بارش نے ہماری راہ کھوٹی کر دی۔ ہم اس کے رکنے کا انتظار کرنے پر مجبور تھے کیونکہ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے طوفانی ڈھنگ اختیار کر لیا تھا۔

ہمیں دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ چک جمال سے کوٹلی مراد کی سمت بڑھنا تھا' اور تین میل کا یہ فاصلہ ہم سائیکلوں پر سوار ہو کر طے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس چھاجوں برستی بارش نے کچے راستے کو اتنا مخدوش اور پھسلن زدہ بنا دیا تھا' کہ اس پر سفر کرنا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انتہائی خطرناک ثابت ہوتا۔ جیسے جیسے بارش رکنے کے لیے ہمارا انتظار طویل ہو رہا تھا' ویسے ہی بارش کی تندی اور تیزی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا' بالآخر مغرب کے وقت ہم نے ہار مان لی اور اس پروگرام کو آئندہ روز کے لیے اٹھا دیا۔ حاجی مبارک واپس اپنے گھر چلا گیا۔

دوسری صبح مطلع صاف و شفاف تھا۔ آسمان پر دور دور تک بادل کی کوئی چھوٹی سی ٹکڑی بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ گزشتہ روز دوپہر کے بعد برسات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ کم و بیش نصف شب جا کر تھما تھا۔ میں تیار ہو کر تھانے پہنچا تو حاجی مبارک علی بھی آ گیا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔ "ملک صاحب! اس سے پہلے کہ دوبارہ بارش شروع ہو جائے' ہمیں کوٹلی مراد روانہ ہو جانا چاہیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔

"اگرچہ اس وقت دور دور تک بارش کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا' لیکن ساون کا کوئی بھروسا نہیں اور یہ تو ویسے بھی ساون کا اختتام چل رہا ہے۔ اپنی رخصت کے وقت تو یہ اور بھی شدید اور غضب ناک ہو جاتا ہے۔"

میں نے حوالدار حکمت یار کو اپنے پاس بلا کر چند ہدایات دیں تاکہ میری غیر موجودگی میں ان لوگوں کو کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ کانسٹیبل چودھری فرید اپنی امدادی پارٹی کے ہمراہ واپس آ گیا تھا۔ اس کے تھانے میں ہوتے ہوئے مجھے امید تھی کہ کسی قسم کی کوئی مشکل سر نہیں اٹھائے گی۔

ہم سائیکلوں پر سوار ہو کر کوٹلی مراد کی جانب روانہ ہو گئے۔

ایک لحاظ سے یہ میرا ایک غیر روایتی سا دورہ تھا' کیونکہ اس محکمہ جاتی کارروائی میں میرے عملے کے کسی فرد کے بجائے علاقے کا کوئی شخص میری فرمائش پر حصہ لینے جا رہا تھا۔ میں پیچھے اس امر کی وضاحت کر چکا ہوں۔

بارش اگرچہ رک گئی تھی بلکہ اسے تھمے ہوئے بھی کئی گھنٹے گزر چکے تھے' لیکن اسکے باوجود بھی کچے راستے کی خطرناکی اور تباہ کاری ابھی باقی تھی' لہٰذا ہمیں بہت سنبھل سنبھل

کر سائیکل چلانی پڑ رہی تھی۔ کوٹلی مراد اور چک جمال میں لگ بھگ تین میل کی دوری تھی۔ اگر حالات سازگار ہوتے تو یہ فاصلہ بڑی آسانی سے آدھے پونے گھنٹے میں طے کیا جا سکتا تھا۔ حالات چونکہ موافق اور سازگار نہیں تھے' اس لیے ہمیں چک جمال سے کوٹلی مراد پہنچنے میں کم و بیش ڈھائی گھنٹے کا وقت لگا۔

کوٹلی مراد نامی وہ چھوٹا سا گاؤں بھی دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ چودھری قادر بخش اس گاؤں کی بااثر شخصیت تھا۔ پورے گاؤں پر اس کا حکم چلتا تھا۔ وہاں رہنے والے اسے اپنا آقا' اپنا بادشاہ سمجھتے تھے۔ میں نے چودھری کی حویلی جانے کا فیصلہ کیا کہ وہاں سے مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر ہم ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر نامعلوم متوفی لڑکی کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے تو اس طرح بہت سا وقت ضائع ہوتا اور پریشانی الگ سے اٹھانی پڑی۔

چودھری قادر بخش اس وقت اپنی حویلی میں ہی موجود تھا۔ اس کے نمک خواروں نے فوراً مجھے اور حاجی مبارک کو ایک سجی سجائی بیٹھک میں پہنچا دیا۔ میں اس بیٹھک کی آرائش و زیبائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایک چھوٹے سے گاؤں کے حکمراں کی بیٹھک ایسی مزین اور شان دار ہو سکتی ہے' یہ میرے تصور میں نہیں تھا۔ بہرحال' اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ اللہ نے اگر کسی شخص کو بے تحاشا دولت کے ساتھ ذوقِ جمال اور شوقِ آرائش بھی دے رکھا ہو تو پھر خوب صورتی اور دل کشی کے ایسے ہی مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد چودھری قادر بخش بہ نفس نفیس وہاں موجود تھا۔ چودھری سے یہ میری پہلی ملاقات تھی' البتہ حاجی مبارک پہلے بھی کئی بار چودھری سے شرفِ ملاقات حاصل کر چکا تھا' لہٰذا حاجی پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں شناسائی کی مخصوص چمک ابھر آئی تھی۔ میں اس وقت سرکاری وردی میں تھا' اور مجھے یقین تھا' ہماری آمد کی اطلاع دینے والے نے چودھری کو ضرور بتایا ہوگا کہ اس علاقے کا تھانے دار اس سے ملنے آیا ہے۔ کوٹلی مراد نامی وہ گاؤں تھانے کی حدود ہی میں آتا تھا۔

چودھری قادر بخش نے بڑے تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''ملک صاحب! دیکھیں' یہ کیسا اتفاق ہے کہ میں سوچتا ہی رہا اور آپ نے پہل کر دی۔''

میں نے مذاق کے رنگ میں کہا۔ ''چودھری صاحب! اسی لیے سیانوں نے کہا ہے...... سوچی پیا' تے بندہ گیا!''

''مطلب...... جس نے بہت زیادہ سوچ بچار کی' وہ گیا کام سے!''

''آپ کو اس تھانے کا چارج سنبھالے ہوئے ایک سال ہونے کو آ رہا ہے' لیکن ہماری ملاقات آج ہو رہی ہے۔'' چودھری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں نے کئی مرتبہ پروگرام بنایا کہ سلام کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں' لیکن کسی نہ کسی وجہ سے معاملہ ٹلتا رہا۔ یہ اچھا ہوا کہ آپ خود ہی تشریف لے آئے۔ چلو آپ سے ملاقات تو ہو گئی۔''

''چودھری صاحب! شاید ہماری قسمت میں اتفاقیہ ملاقات ہی لکھی تھی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک اندوہناک واقعے کی تفتیش نے مجھے چک جمال سے یہاں آپ کے پاس آنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر نامعلوم لڑکی کی لاش چک جمال کے کھیتوں میں پڑی نہیں ملتی تو ہو سکتا ہے' ہماری ملاقات میں کچھ اور تاخیر ہو جاتی!''

''لاش...... نامعلوم لڑکی......!'' چودھری قادر بخش کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے چونکتے ہوئے مجھ سے دریافت کیا۔ ''کیا کسی لڑکی کا قتل شتل ہو گیا ہے؟''

''ابھی اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''قتل' خودکشی' حادثاتی موت...... کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لڑکی کی شناخت کا مسئلہ حل ہو جائے تو پھر اس سلسلے میں تفتیش کی گاڑی کو آگے بڑھانے میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔ میں نے کل ہی اس نامعلوم متوفی لڑکی کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے سرکاری اسپتال بجھوا دیا تھا۔'' میں لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا' پھر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے چودھری کو بتایا۔

''اس بات کا میں نے اچھی طرح پتا لگا لیا ہے کہ وہ لڑکی چک جمال کی رہنے والی

نہیں۔ اس کی لاش حاجی صاحب کے کھیتوں میں پڑی ملی ہے۔'' میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے حاجی مبارک کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ ''ان کی زمین دریا کے کنارے سے لگی ہوئی ہے اور وہاں سے دریا کا کنارہ بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ اغلب امکان اس بات کا ہے کہ وہ لاش دریا کے پانی میں بہتے ہوئے حاجی صاحب کے کھیتوں تک پہنچی ہے۔ چک جمال سے دریا کی آمد کا کی رخ پر سفر کیا جائے تو تین میل کے فاصلے پر آپ کا گاؤں کوٹلی مراد پڑتا ہے۔ اسی لیے میں نے اپنی تفتیش کا آغاز آپ کے گاؤں سے کیا ہے۔ اگر وہ لڑکی یہاں کی رہائشی بھی ثابت نہ ہوئی تو پھر میں اس کا سراغ لگانے کے لیے اور اوپر جاؤں گا......!''

میں ایک مرتبہ پھر متوقف ہوا' ایک گہری سانس خارج کی اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تو کل دوپہر ہی میں آپ کی طرف آنے کا ارادہ رکھتا تھا' لیکن موسلادھار بارش نے کوئی پیش نہ چلنے دی' مجبوراً اس کے سامنے مجھے ہتھیار پھینکنے پڑے اور آج ادھر کا رخ کیا ہے۔ اب تو آپ میری آمد کی غرض و غایت کو بہ خوبی سمجھ گئے ہوں گے!''

''وہ تو ٹھیک ہے' لیکن وہ بدنصیب لڑکی کون ہو سکتی ہے؟'' چودھری نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔

''یہی جاننے کے لیے تو میں چک جمال سے یہاں آیا ہوں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اب...... تلاش اور شناخت کے سلسلے میں آپ ہی میری مدد کریں گے؟''

''ہوں......!'' وہ ایک مرتبہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

چودھری قادر بخش کی عمر ساٹھ کے قریب ہو گی' لیکن وہ اپنی صحت اور رکھ رکھاؤ سے پینتالیس سے زیادہ کا نظر نہیں آتا تھا۔ اسے ان لوگوں میں شمار کیا جا سکتا تھا' جو خود کو بہت سنبھال کر رکھنا جانتے ہیں۔ واقعتاً آج یہ ہماری پہلی ملاقات تھی۔ میں اس سے قبل چودھری قادر بخش سے کبھی نہیں ملا تھا' لیکن اس کے باوجود مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے میں نے پہلے کہیں اسے دیکھا ہے۔ اس کے چہرے کے خال و خط شناسا سا نظر آتے تھے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

باوجود کوشش کے بھی میں یہ یاد نہ کرسکا کہ پہلے میں نے اسے کب اور کہاں دیکھا ہوگا۔ یہ ہوسکتا تھا' میں نے چودھری کی مشابہت رکھنے والے کسی شخص کو کہیں دیکھا ہو۔

چودھری چندلمحات کی خاموشی کے بعد گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔'' ملک صاحب! آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں پتا کرتا ہوں کہ کوٹلی مراد میں بسنے والوں کی کوئی لڑکی گھر سے غائب تو نہیں۔ آپ کو جس بدنصیب لڑکی کی لاش ملی ہے' اس کا تعلق اگر میرے گاؤں سے ہے تو ابھی معلوم ہو جائے گا۔ ویسے اگر ایسا کوئی واقعہ یہاں پیش آیا ہوتا تو مجھے فوراً اس کی خبر ہو جاتی!''

وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا' پھر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔'' آپ لوگ اطمینان سے یہاں بیٹھیں' میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ بیٹھک سے نکل گیا۔

حاجی مبارک علی نے کہا۔'' ملک صاحب! مجھے یقین ہے' وہ اپنے بندوں کو ہدایات دینے گیا ہے تاکہ وہ اس بات کا پتا لگائیں کہ جو لڑکی مردہ حالت میں ہمیں ملی ہے' اس کا تعلق کوٹلی مراد سے ہے یا نہیں!''

'' اگر وہ یہی سب کرنے گیا ہے تو میری نظر میں' اس سے بڑا نیکی کا اور کوئی کام نہیں ہوسکتا۔'' میں نے حاجی مبارک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' ویسے یہ چودھری قادر بخش خاصا معقول انسان لگتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے حاجی صاحب؟''

'' آپ کی تو چودھری قادر بخش سے یہ پہلی ملاقات ہے۔'' وہ ایک معنی خیز گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔'' لیکن میں اس کے ماضی سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

میں نے چونک کر حاجی مبارک کی طرف دیکھا اور پوچھا۔'' آپ کی بات کے انداز سے لگتا ہے' چودھری کے ماضی میں کوئی پراسرار کہانی چھپی ہوئی ہے؟''

'' ہاں! ایسی ہی بات ہے!'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میں نے پوچھا۔'' اس '' ایسی ہی بات'' کی تفصیلات کیا ہیں؟''

حاجی مبارک نے چندلمحات تک گہری خاموش نظروں سے مجھے دیکھا' پھر ایک بوجھل سانس چھوڑتے ہوئے چودھری قادر بخش کے بارے میں بتانے لگا۔

'' ملک صاحب! کہتے ہیں' جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ بندہ دیوانہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ چودھری قادر بخش پر بھی کبھی جوانی آئی تھی اور یہ کچھ زیادہ ہی دیوانہ ہو گیا تھا' اس کی آنکھوں پر جوانی اور طاقت کے نشے نے ایسے پٹی باندھی کہ یہ بُرے بھلے کی تمیز کھو بیٹھا۔ اس کی مذموم سرگرمیاں روز بروز بڑھتی چلی گئیں۔ اس زمانے میں بڑے چودھری صاحب رحیم بخش زندہ تھے۔ اللہ بخشے' انہوں نے اپنے بیٹے کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی' لیکن یہ کسی کی نہیں سنتا تھا' پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ چودھری قادر بخش کی دنیا ہی بدل کر رہ گئی۔ یہ نامعقول سے مردِ معقول بن گیا۔''

حاجی مبارک علی کی وضاحت خاصی دل چسپ اور سنسنی خیز تھی۔ وہ سانس لینے کے لیے متوقف ہوا تو میں نے اضطراری لہجے میں پوچھ لیا۔

'' ایسا کون سا واقعہ پیش آ گیا تھا' حاجی صاحب؟''

وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔'' بڑے چودھری صاحب کی زندگی میں ایک درویش بزرگ کبھی کبھی کوٹلی مراد کا چکر لگایا کرتے تھے اور چودھری رحیم بخش سے بھی ان کی ملاقات ہوتی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا' وہ بزرگ کون ہیں؟ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں؟ یہاں تک کہ کسی کو ان کا اصل نام بھی معلوم نہیں تھا۔ ہر چھوٹا بڑا انہیں '' سائیں جی'' کہہ کر پکارتا تھا۔ وہ کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ جس سے سامنا ہوتا' بس اس کے لیے دعا کر دیتے۔ ہاں! سائیں جی کے بارے میں ایک بات بہت مشہور تھی اور وہ یہ کہ جس شخص کے بارے میں جو کچھ بھی کہہ دیتے' وہ بالآخر پورا ہو کر رہتا تھا۔ ایک روز چودھری رحیم بخش سے سائیں جی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

'' چودھری صاحب! قدرت کا قانون بڑا عجیب ہے۔ اس دنیا میں زندگی کا ہر رنگ' ہر ڈھنگ اور ہر انداز دیکھنے کو ملتا ہے۔ کہیں ولی کے گھر میں شیطان پیدا ہوتا ہے اور کہیں شیطان کے گھر میں ولی۔ اس کے نظام کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔''

چودھری رحیم بخش' سائیں جی کے اشارے کو سمجھ گیا۔ سائیں جی نے اس کے بیٹے قادر بخش کی جانب توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی تھی جو مزاج' عادات اور کردار میں اپنے باپ سے بالکل مختلف تھا۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چودھری رحیم بخش نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''ایک انسان کسی دوسرے انسان کو سمجھا ہی سکتا ہے' سو اس سلسلے میں' میں نے پوری کوشش کی ہے اور گاہے بگاہے کرتا ہی رہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتا رہتا ہوں کہ اللہ اسے ہدایت دے!''

''اللہ ہدایت ضرور دیتا ہے' لیکن اس کام کے لیے بھی اس کا اپنا ایک خاص طریقہ ہے۔'' سائیں جی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا!''

''سائیں جی!'' چودھری رحیم بخش نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''آپ جانتے ہیں' اولاد جب تک بچہ ہوتی ہے' والدین انہیں راہِ راست پر لانے کے لیے ہر حربہ بڑی آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں حتیٰ کہ اگر ضرورت پیش آئے تو انہیں مارا پیٹا بھی جا سکتا ہے' لیکن جب یہی اولاد جوان اور طاقت ور ہو جاتی ہے تو والدین ایک لحاظ سے ان کے سامنے بے بس اور مجبور ہو کر رہ جاتے ہیں۔''

''والدین مجبور ہو سکتے ہیں' لیکن قدرت نہیں!'' سائیں جی نے اٹل انداز میں کہا۔

''سائیں جی! قادر بخش کے لیے آپ ہی دعا کریں۔''

''میں نے کہانا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سائیں جی نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''انشاء اللہ! بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے!'' چودھری رحیم بخش نے تہ دل سے کہا۔

اور پھر واقعی سب کچھ ٹھیک ہو گیا......!

حاجی مبارک کے آخری جملے نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں پوچھے بنا نہ رہ سکا ''سب کچھ کیسے ٹھیک ہو گیا حاجی صاحب؟''

اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''درویش کی پیش گوئی کے چند روز بعد چودھری قادر بخش بیمار پڑ گیا۔ بظاہر اسے بخار چڑھا اور ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ کمزور ہوتا چلا گیا۔ ڈاکٹروں' حکیموں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' وہ کس قسم کا بخار ہے' جو کسی دوا دارو سے ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا۔ ہر جتن' ہر ٹوٹکا بھی آزمایا گیا' لیکن اطمینان بخش نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کے علاج کے ساتھ ساتھ دعا ودم اور پڑھنا پڑھوانا بھی جاری تھا' خصوصاً قادر بخش کے بیوی بچے اس کی بیماری سے بے حد

پریشان تھے۔ اس کا بڑا بیٹا نادر بخش' باپ کی حالت دیکھتا تو اس کا دل کٹنے لگتا۔ لگتا تھا' جیسے قادر بخش ہڈیوں کا ڈھانچا بن کر رہ گیا ہے۔ اس کے بدن پر بقول شخصے' گوشت کی ایک بوٹی نظر نہیں آتی ہے۔ یہ سب چل ہی رہا تھا' کہ ایک روز قادر بخش کا بخار اتر گیا......''

حاجی مبارک چند لمحات کے لیے خاموش ہوا' دو تین گہری سانسیں لے کر اس نے اپنے تنفس کو ہموار کیا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''ڈاکٹروں کا دعویٰ تھا' کہ ان کے علاج سے چھوٹے چودھری کا بخار اترا ہے' دوسری جانب حکیموں کا کہنا تھا' کہ ان کی معجونوں نے کمال دکھایا ہے۔ بہرحال' چودھری قادر بخش کا بخار ختم ہوا اور وہ بڑی تیزی سے روبہ صحت ہونے لگا۔ حیرت انگیز طور پر مہینے' ڈیڑھ مہینے میں وہ پہلی والی صحت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اسی وقت ایک خوفناک انکشاف ہوا......'' حاجی مبارک نے لمحاتی توقف کیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''چودھری کی جسمانی اور ذہنی صحت تو بحال ہو گئی' لیکن اس کا مان اور غرور خاک میں مل کر رہ گیا۔ وہ اپنی جس طاقت کے بل بوتے پر غیر نصابی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے' وہ اس کے وجود میں کہیں ڈھونڈنے سے نہیں مل رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی امنگ اور ترنگ کا فیوز اُڑ گیا ہو' جیسے لائٹ چلے جانے سے گہری تاریکی چھا جاتی ہے' کچھ ایسا ہی بے حال اس کے من کا بھی ہو گیا۔ چودھری کے وجود میں پھیلے ہوئے سناٹے اور تاریکی کو دور کرنے کے لیے ڈاکٹروں کو نظر انداز کر کے صرف حکیموں کی خدمات حاصل کی گئیں' لیکن تمام کُشتے' معجونیں اور روغنیات فیل ہو گئے۔ سارے تجربہ کار حکیم مل کر بھی قادر بخش کی محرومی کو ایک انچ ادھر سے ادھر ہلا نہ سکے۔ وہ شاخ ہری بھری نہ ہو سکی' جس پر کبھی بلبل چہکا کرتا تھا۔ اب اس ٹنڈ منڈ ٹہنی پر ہر وقت اُلو بولتے رہتے تھے۔ سائیں جی نے بالکل ٹھیک کہا تھا' کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا......واقعی' اللہ کا ہدایت دینے کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔ وہ کسی ایک شخص کو ''ہدایت'' فرما کر اس جیسے بہت سوں کے لیے درسِ عبرت کا بندوبست کر دیتا ہے۔''

حاجی مبارک نے یہاں تک بتانے کے بعد تھوڑا توقف کیا' پھر اپنی بات کو مکمل

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہوئے بولا۔ "وہ دن اور آج کا دن...... چودھری قادر بخش اپنی اسی محرومی کے ساتھ زندہ ہے اور دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی معقولیت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ آپ کو ایک سدھرے ہوئے قادر بخش کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ چودھری رحیم بخش کا عرصہ پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ اب قادر بخش ہی کوٹلی مراد کا بڑا چودھری ہے۔ اس کا بڑا بیٹا نادر بخش "چھوٹا چودھری" کہلاتا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ نادر بخش اپنے باپ کی تاریخ کو دہرانے کی کوشش کر رہا ہے...... رب خیر کرے ملک صاحب!"

"رب تو ہمیشہ خیر ہی کرتا ہے حاجی صاحب!" میں نے اس کی بات سننے کے بعد کہا۔ "یہ بندہ ہی بڑا ظالم ہے جو دوسروں پر ظلم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور خود پر بھی ظلم کرنے سے نہیں چوکتا۔"

حاجی مبارک علی نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "اللہ چودھری نادر علی کو ہدایت دے!"

میں نے قدرے تلخی سے کہا۔ "اگر چھوٹے چودھری نے اپنی روش جاری رکھی تو اللہ اس کو بھی کوئی عبرت ناک ہدایت ہی دے گا...... پتا نہیں، انسان کی عقل کہاں گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔ باپ کا حسرت ناک انجام اس کے سامنے ہے، اس کے باوجود بھی وہ ہوش کے ناخن نہیں لے رہا...... ویسے ایک بات ہے حاجی صاحب......؟"

میں نے رک کر مبارک علی کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔ "کون سی بات ملک صاحب؟"

"حاجی صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ رہائشی تو چک جمال کے ہیں، لیکن کوٹلی مراد کے چودھریوں کی ہسٹری آپ کو زبانی یاد ہے؟"

وہ کھسیاہٹ بھرے انداز میں بولا۔ "وہ جی، بات دراصل یہ ہے کہ جب ہسٹری دلچسپ اور مسالے دار ہو تو اسے یاد رکھنے کی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ وہ خود بہ خود ازبر ہو جاتی ہے۔ چودھری قادر بخش کا معاملہ بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے۔"

"ہاں! یہ تو آپ بالکل درست فرما رہے ہیں حاجی صاحب......!"

ادھر میری بات ختم ہوئی، اُدھر چودھری قادر بخش بیٹھک میں داخل ہوا۔ اس کے عقب میں دو ملازم صورت افراد بھی نظر آ رہے تھے۔ جن میں سے ایک نے ڈھکی ہوئی

خاص بڑی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس بات میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ کپڑے سے ڈھکی مذکورہ ٹرے میں خاطر داری کے لوازمات ہوں گے، میں دل چسپ نظروں سے چودھری قادر بخش اور اس کے ملازمین کی کارروائی کا جائزہ لینے لگا۔

ایک ملازم نے کونے میں پڑی بڑی سی چوبی میز اٹھا کر ہمارے سامنے سجا دی، دوسرے نے اپنے ہاتھوں میں اٹھائی ہوئی ٹرے کو مذکورہ میز پر رکھ دیا، پھر وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اپنے آقا کو دیکھنے لگے۔ چودھری نے نگاہ ہی نگاہ میں انہیں وہاں سے جانے کا اشارہ کر دیا۔

جب وہ وہاں سے چلے گئے تو چودھری قادر بخش نے ٹرے سے کپڑا ہٹا دیا اور بولا۔

"ملک صاحب! بسم اللہ کریں!"

میں نے ٹرے میں موجود لوازمات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ ایک بڑی سی پلیٹ کے اندر کٹے ہوئے آم رکھے تھے، جن کی خوشبو ہی سے اندازہ ہو جاتا تھا، کہ وہ آموں کی کس نسل اور کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آموں کی ایک بڑی مقدار کے علاوہ ایک کٹورے میں پکی ہوئی جامن بھری ہوئی تھیں، جنہیں مناسب مسالا لگا کر یہاں تک پہنچایا گیا تھا۔ نمک کے ساتھ ہی ان پر بھنے اور پسے ہوئے زیرے کے آثار بھی دکھائی دے رہے تھے۔ تیسرا آئٹم کچی نمکین لسی سے بھرا ہوا ایک جگ تھا۔ جگ کے ساتھ دو کنگ سائز پیتل کے گلاس بھی رکھے ہوئے تھے۔ موسم کی مناسبت سے یہ ایک...... خوبصورت "ریسپشن" تھا۔

میں نے جائزہ مکمل کرنے کے بعد چودھری قادر بخش کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اس تکلف کی کیا ضرورت تھی چودھری صاحب؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں ملک صاحب!" وہ دوستانہ انداز میں بولا۔ "آپ پہلی مرتبہ میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کچھ کھائے پیے بغیر یہاں سے چلے جائیں۔ یہ تو ابتدائی تواضع ہے۔ آپ بسم اللہ کریں۔ میں نے دوپہر کے کھانے کے لیے بھی خصوصی احکام دے دیے ہیں۔ آج آپ میرے مہمان ہیں۔"

"چودھری صاحب!" میں نے جلدی سے کہا۔ "مہمان نوازی کے لیے آپ کو اور بھی مواقع ملتے رہیں گے۔ شاید بھول رہے ہیں کہ میں یہاں آپ کے پاس ایک بہت

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

ضروری اور ہنگامی نوعیت کے کام سے آیا ہوں۔ میں آپ کے جانے کے بعد یہی سمجھ رہا تھا' کہ......؟''

''آپ بالکل ٹھیک سمجھ رہے تھے ملک صاحب!'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔''میں آپ کی آمد کے مقصد کو بالکل نہیں بھولا ہوں۔ میں نے اپنے بندوں کو کام پر لگا دیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں پتا چل جائے کہ کوٹلی مراد کی کوئی جوان لڑکی اپنے گھر سے غائب ہے یا نہیں۔ آپ خیر سے بسم اللہ کریں جناب!''

اور......ہم نے بسم اللہ کردی۔

قدرت کا ہر نظام بڑا ہی مکمل اور جامع ہے۔ وہ موسم اور جغرافیائی حالات کے مطابق' پھل اور سبزیاں پیدا کرتی ہے۔ موسمِ گرما میں حدت اور حرارت کے توڑ کے لیے تمام سبزیاں اور پھل گرم تاثیر رکھنے والے ہوتے ہیں' اسی طرح موسمِ سرما میں پیدا ہونے والی سبزیاں اور پھل ٹھنڈی تاثیر کے حامل ہوتے ہیں۔ ''لوہا لوہے کو کاٹتا ہے......'' کے اصول کے مطابق' یہ سبزیاں اور پھل انسان کی صحت کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوتے ہیں۔ جس طرح قدرت ایک دوسرے کا توڑ پیدا کرتی ہے' ویسے ہی میل بھی پیدا کرتی ہے۔ اگر گرمیوں کے موسم میں ملیریا پھیلانے کے لیے مچھر نمودار ہوتا ہے تو اس سے پہلے ہی میٹھا مارکیٹ میں آ جاتا ہے۔ باقاعدگی سے میٹھے چوسنے والوں کو ملیریا ہوتا ہے اور نہ ہی ٹائیفائیڈ۔ ہیضہ پھیلانے والی مکھی کا مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ لیموں اور پیاز کا استعمال کرنا چاہیے۔ آم کے جوش' حدت اور تندی کو کنٹرول کرنے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ جامن بھی آ جاتی ہیں۔ کہتے ہیں' آپ چاہے ایک جگہ بیٹھ کر سیروں آم کھا جائیں اور ان کے اوپر سے چند جامنیں کھالیں تو ہر قسم کے مضر اثرات سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اس طرح نمکین کچی لسی بھی آم کی گرمی کے توڑ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

چودھری قادر بخش نے آموں کی وافر مقدار کے ساتھ اس کے ممکنہ دونوں توڑ بھی ہماری خدمت میں پیش کر دیے تھے۔ احتیاط کا تقاضا یہ تھا' کہ ان میں سے' ایک وقت میں صرف ایک توڑ کا استعمال کیا جائے!

''یہ آم میرے ذاتی باغ کی سوغات ہیں۔'' چودھری قادر بخش نے فخریہ لہجے میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بتایا۔''دسہری آم مجھے بہت پسند ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں جناب کہ دانے دانے پر مہر لگی ہوتی ہے۔ آموں کا موسم تقریباً ختم ہونے والا ہے۔ آپ کا نصیب کھینچ کر لے آیا ہے لہٰذا......''

اس نے معنی خیز انداز میں توقف کیا' پھر بولا۔

''لہٰذا کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں چلے گا ملک صاحب!'' ہم نے خوب سیر ہو کر آم کھائے۔ ہم نے آموں سے انصاف کرنے کے تمام تر تقاضے نبھا دیے تھے۔ اس دعوتِ آم سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ پتا چلا' چودھری قادر بخش نے جن بندوں کو کام سے دوڑایا تھا' وہ واپس آ گئے ہیں اور اپنے ساتھ ایک بوڑھی عورت کو بھی پکڑ کر لائے ہیں۔ اطلاعات لے کر آنے والے شخص کا نام معراج دین عرف ماجھو تھا۔

''ماجھو! کس مائی کو پکڑ لائے ہو؟''

چودھری نے اطلاع کنندہ سے پوچھا۔

''چودھری صاحب! وہ اللہ رکھی ہے نا......خوشیا اندھے کی بیوی۔''

ماجھو نے باادب باملاحظہ ہو کر چودھری کو بتایا۔

''خوشیا تو کہیں آنے جانے کے قابل نہیں' ہم اللہ رکھی کو حویلی میں لے آئے ہیں' اس کی بیٹی چھیمو کے بارے میں پتا چلا کہ وہ دو دن سے غائب ہے......ہو سکتا ہے وہ لڑکی چھیمو ہی ہو' جس کی لاش ادھر چک جمال کے کھیتوں میں پڑی ملی ہے!''

چودھری قادر بخش نے اپنے بندوں کو روانہ کرنے سے پہلے اس معاملے کے حوالے سے کافی تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اس نے تحکمانہ انداز میں ماجھو سے کہا۔''اللہ رکھی کو ادھر لے کر آؤ۔''

پھر وہ ہماری جانب دیکھتے ہوئے الجھن زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

''اگر اللہ رکھی کی بیٹی چھیمو دو دن سے غائب ہے تو اس نے اس بات کو چھپا کر کیوں رکھا ہے!''

میں نے محسوس کیا کہ اللہ رکھی اور چھیمو کا ذکر سن کر چودھری قادر بخش کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔ تاہم میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہا کہ اس کی پریشانی کا سبب اور نوعیت کیا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ فوری طور پر میری سمجھ میں یہی آیا کہ وہ چونکہ کوٹلی مراد کا چودھری ہے‘ اس لیے اس کے گاؤں کی ایک لڑکی کی گم شدگی نے اسے گہری تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔

اللہ رکھی بیٹھک میں داخل ہوئی اور چودھری کے اشارے پر ایک طرف جا کر بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بڑی چپ چپ اور اداس سی تھی۔ میں نے گہری نظروں سے اللہ رکھی کا جائزہ لیا۔ وہ کہیں سے بھی مجھے بوڑھی مائی نظر نہ آئی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہو گی‘ تاہم اداسی اور غمزدگی کی کیفیت نے اس کی عمر میں پانچ چھ سال کا اضافہ ضرور کر دیا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں بھی کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہ جوانی میں بڑی حسین و دلکش رہی ہو گی۔ اللہ رکھی سے ابتدائی پوچھ گچھ چودھری قادر بخش ہی نے کی۔

’’چھیمو دو دن سے غائب ہے اور تم منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھی ہو اللہ رکھی؟‘‘

وہ نظریں جھکائے گہری سنجیدگی سے بولی۔

’’چودھری صاحب! مجھے کیا پتا کہ وہ اچانک کہیں غائب ہو جائے گی۔ وہ تو ابھی ابھی ماجھو نے......‘‘

وہ بولتے بولتے رک گئی۔

’’کیا مطلب ہے تمہارا؟‘‘

چودھری نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

’’کیا چھیمو پچھلے دو دن سے گھر میں نہیں تھی؟‘‘

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ چھیمو کا اصل نام شمیم بی بی تھا۔

اللہ رکھی نے بدستور نگاہ جھکائے ہوئے جواب دیا۔

’’چودھری صاحب! آپ تو جانتے ہیں‘ اس سال سیلاب نے کیا تباہی مچائی ہے۔ ہمارے گھر کو بھی بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ دو کمروں کی تو دیواریں ہی بیٹھ گئی ہیں‘ صحن میں بھی پانی بھرا ہوا ہے۔ صرف ایک کمرہ سلامت بچا ہے جس میں ہم میاں بیوی نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔‘‘ وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے رکی پھر اپنی بپتا کو آگے بڑھاتے ہوئے بتانے لگی۔

’’دو دن پہلے سخی ہمارے گھر آیا تھا۔‘‘

پتا چلا کہ سخی‘ اللہ رکھی کے دیور کا نام تھا۔

’’اس نے ہمارے گھر کی حالت دیکھی تو کہنے لگا‘ تم سب لوگ ہمارے گھر چلو۔ سخی کا گھر قدرے بلندی پر واقع ہے اور سیلاب کے ریلوں نے اسے بہت کم نقصان پہنچایا ہے۔ میں اور چھیمو تو تیار تھیں‘ لیکن خوشیا اَڑ گیا۔ کہنے لگا‘ یہ وقتی پریشانی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد دور ہو جائے گی۔ چودھری صاحب! آپ کو تو پتا ہے‘ دونوں بھائیوں میں زیادہ نہیں بنتی......‘‘

وہ ایک بار پھر متوقف ہوئی‘ ایک گہری سانس خارج کی اور بولی۔

’’جب خوشیا نے سخی کے گھر جانے سے صاف انکار کر دیا تو وہ ضد کر کے چھیمو کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سخی کی دو بیٹیاں رضوانہ اور سلطانہ چھیمو کی عمر ہی کی ہیں اور ان کے ساتھ چھیمو کی اچھی بنتی ہے‘ میں نے یہ سوچ کر اسے جانے دیا کہ چلو دو تین دن وہ ان کے پاس گزارے گی۔ میں تو اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ چھیمو اپنے چاچے کے گھر میں ہے۔‘‘ بولتے بولتے اس کی آواز بھیگ گئی۔ ’’یہ تو جب ماجھو نے بتایا کہ ادھر چک جمال میں کسی اجنبی نوجوان لڑکی کی لاش ملی ہے اور ایک تھانے دار تفتیش کرتے ہوئے ہمارے گاؤں آیا ہے تو مجھے پریشانی ہوئی......‘‘

چودھری قادر بخش نے اللہ رکھی کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میرا تعارف کرا دیا۔ ’’یہ ملک صفدر حیات صاحب ہیں۔ اس علاقے کے تھانہ انچارج۔ یہی اس سارے معاملے کی تفتیش کر رہے ہیں۔‘‘

اللہ رکھی نے نگاہ اٹھا کر دزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھا اور ایک مرتبہ پھر گردن جھکا لی‘ چودھری قادر بخش نے چونکہ میرا تعارف کرا دیا تھا‘ اس لیے میں فوراً ڈائریکٹ ہو گیا۔

میں نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی ادھیڑ عمر افسردہ عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

’’اللہ رکھی! جب تمہیں ماجھو کی زبانی پتا چلا کہ چک جمال میں کسی لڑکی کی لاش ملی ہے اور میں اسی لڑکی کا سراغ لگانے وہاں سے کوٹلی مراد پہنچا ہوں تو تم نے کیا کیا؟‘‘

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"چھیمو کا باپ تو اپنی آنکھوں سے مجبور ہے۔" وہ گلوگیر آواز میں بتانے لگی۔

"اس کی بینائی اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ لوگوں نے تو اسے اندھا خوشیا کہنا شروع کر دیا......"

وہ چند لمحات کے لیے خاموش ہوئی پھر اسی غم زدہ لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ "میں نے خوشیا کو گھر میں چھوڑا اور سیدھی ماجھو کے ساتھ سخی کے گھر پہنچ گئی اور وہاں سے مجھے ایک بہت ہی بری خبر سننے کو ملی۔ سخی تو اس وقت گھر میں موجود نہیں تھا' لیکن اس کی بیوی اور دونوں بیٹیوں نے مجھے بتایا کہ چھیمو جس صبح وہاں گئی تھی' اسی شام واپس آ گئی تھی۔ اس نے رضوانہ اور سلطانہ سے کہا تھا' کہ اس کا دل نہیں لگ رہا' لہٰذا وہ واپس اپنے گھر جا رہی ہے۔ وہ لوگ تو یہی سمجھ رہے ہیں کہ چھیمو اپنے گھر میں ہے اور ہم میاں بیوی کا یہ خیال تھا کہ چھیمو اپنے چاچا کے گھر میں ہے۔"

وہ جذبات سے بوجھل آواز میں متوقف ہوئی' پھر دعائیہ انداز میں بولی۔ "اللہ کرے......وہ میری چھیمو نہ ہو!"

"وہ" سے اس کی مراد ظاہر ہے' وہی لڑکی تھی' جس کی لاش کل صبح ہمیں حاجی مبارک علی کے کھیتوں سے ملی تھی۔ میں نے واقعات اور شواہد کا جائزہ لیا تو سمجھ میں یہ آیا کہ نو اگست کی صبح چھیمو اپنے گھر سے چاچا سخی کے گھر پہنچی' پھر اسی شام وہ واپس اپنے گھر آنے کے لیے چاچا کے گھر سے نکلی' لیکن اللہ رکھی کے مطابق وہ گھر نہیں پہنچی۔ وہ دونوں میاں بیوی یہی سمجھتے رہے کہ چھیمو' سخی کے گھر میں ہے اور سخی وغیرہ اس بات پر مطمئن رہے کہ لڑکی واپس اپنے گھر چلی گئی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا' کہ چھیمو کے ساتھ جو بھی واقعہ پیش آیا تھا' وہ نو اگست کی شام یا رات کو پیش آیا تھا' کیونکہ اگلی صبح یعنی دس اگست کو ہمیں مبارک علی کے کھیتوں میں سے ایک اجنبی نوجوان لڑکی کی لاش ملی تھی۔ میں نے اپنی تفتیش کو آگے بڑھانے سے پہلے ایک بات کی تصدیق کر لینا ضروری جانا۔

"اللہ رکھی!" میں نے چھیمو کی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ تمہاری دعا قبول ہو سکے گی' مجھے جس لڑکی کی لاش چک جمال کے کھیتوں سے ملی ہے' میں اس کا حلیہ بیان کرتا ہوں۔ تم توجہ سے میری بات سنو اور بتاؤ کہ

وہ تمہاری چھیمو پر کتنے فیصد فٹ بیٹھتا ہے......؟"

اس کے بعد میں نے اپنی یادداشت کو کام میں لاتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ "عمر انیس اور بیس کے درمیان' جسم دبلا پتلا' رنگت گندمی' دراز قد' بڑی بڑی ہرنی جیسی آنکھیں' چہرے کے نقش و نگار انتہائی پُرکشش اور دل کش' ناک پر بائیں طرف مسور کے دانے کے برابر ایک تل اور......"

"یہ تو ہوبہو چھیمو کا حلیہ ہے!" میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی چودھری قادر بخش بول اٹھا' پھر اضطراری لہجے میں اللہ رکھی سے مستفسر ہوا۔ "ہیں نا اللہ رکھی......؟"

اللہ رکھی نے جواب دینے کے بجائے رونا شروع کر دیا۔

بیٹھک کی فضا یک لخت ماتمی ہوگئی۔ اللہ رکھی کے ماتمی ردِعمل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حاجی مبارک علی کے کھیتوں میں سے گزشتہ صبح ہمیں جس اجنبی لڑکی کی لاش ملی تھی وہ شمیم عرف چھیمو تھی۔

میں نے افسوس ناک انداز میں سر ہلاتے ہوئے چودھری قادر بخش سے کہا۔

"چودھری صاحب! کوٹلی مراد کوئی بہت بڑا گاؤں تو نہیں۔ ایک ہی گاؤں میں رہتے ہوئے ایسی بے خبری سخی اینڈ کمپنی سمجھتے رہے' چھیمو اپنے گھر واپس چلی گئی اور چھیمو کے والدین مطمئن رہے کہ وہ اپنے چچا کے گھر میں بڑے مزے سے رہ رہی ہے......!"

"یہ ساری خرابی اس سیلاب کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے ملک صاحب!"

چودھری قادر بخش اپنی دانست میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"سیلاب کے پانی نے جو افراتفری مچائی ہے' اس نے ہر بندے کی مت مار دی ہے۔ قدرتی آفات کے نتیجے میں اس نوعیت کے سنسنی خیز واقعات تو رونما ہوتے ہی رہتے ہیں جناب!"

مجھے چودھری کی اس بات سے پوری طرح اتفاق تھا۔ زلزلہ ہو' بادی طوفان ہو یا سیلاب' جب یہ قدرتی آفات نازل ہوتی ہیں تو بڑے ہولناک اور عبرت انگیز واقعات جنم لیتے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ نو اگست کی شام چھیمو کے ساتھ کوئی ایسا خطرناک سانحہ پیش آیا تھا' جس کے نتیجے میں وہ بدنصیب لڑکی مردہ حالت میں چک جمال جا پہنچی تھی اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

......مجھے اسی سانحے کا پتا لگانا تھا۔ اس بات کے امکانات ففٹی ففٹی تھے کہ چھیمو کسی اتفاقی حادثے کا شکار ہوئی تھی یا اسے اس جان لیوا حادثے کا شکار بنایا گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ صورتِ حال کو مکمل طور پر واضح کر دے گی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور چودھری قادر بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''چودھری صاحب! اللہ رکھی تو ہر صورت میں میرے ساتھ چک جمال جائے گی تاکہ اس نامعلوم لڑکی کی لاش کو دیکھ کر' اس کے چھیمو ہونے کی تصدیق کر سکے لیکن......'' میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر لمحاتی توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن......کوٹلی مراد سے روانہ ہونے سے پہلے میں سخی اور اس کے گھر والوں سے بھی مکمل بیانات لینا چاہتا ہوں۔ ذرا پتا تو چلے' وہ لوگ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔''

''آپ کو ان لوگوں سے پوچھ تاچھ کرنے کے لیے کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں ملک صاحب!''

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''میں سخی محمد اور اس کے گھر والوں کو ادھر حویلی ہی میں بلا لیتا ہوں۔''

چودھری کا آئیڈیا مجھے پسند آیا لہٰذا میں نے اس سے اتفاق کر لیا۔

آئندہ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک میں سخی محمد' اس کی بیوی شبانہ' اور دونوں بیٹیوں رضوانہ و سلطانہ کا ''انٹرویو'' کرتا رہا۔ میں نے ان سے' مختلف زاویوں سے گھما پھرا کر درجنوں سوالات کیے' لیکن کوئی بھی نئی یا اہم بات سامنے نہ آسکی۔ ان تمام لوگوں کے بیانات کا لب لباب یہی تھا' کہ نو اگست کی شام جب چھیمو اپنے گھر واپس چلی گئی تو وہ مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے یہ تصدیق کرنا ضروری نہیں سمجھی کہ آیا وہ اپنے گھر پہنچی ہے یا نہیں! ان کے نزدیک کوئی خاص یا اہم بات نہیں تھی کیونکہ ایک ہی گاؤں میں رہتے ہوئے وہ لوگ ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے رہتے تھے لہٰذا سخی محمد اور اس کے گھر والے بھی اس حوالے سے مطمئن بیٹھے تھے۔

یہ ساری تفتیشی کارروائی چونکہ چودھری قادر بخش کی بیٹھک میں ہو رہی تھی اور وہ بہ نفسِ نفیس وہاں موجود تھا' اس لیے ایک وقفے کے دوران میں نے اس سے کہا۔ ''چودھری

صاحب! اللہ رکھی اور دیگر لوگوں سے میں نے جو کچھ پوچھنا تھا' وہ پوچھ لیا۔ میرا خیال ہے انہیں باہر بھیج دیں تاکہ ہم آپس میں چند اہم اُمور پر گفتگو کر سکیں۔'' اس نے فوراً میری فرمائش پوری کر دی۔ جب بیٹھک میں صرف ہم تینوں رہ گئے تو میں نے چودھری سے پوچھا۔

''آپ کیا کہتے ہیں جناب اس معاملے میں؟''

''ملک صاحب! حالات و واقعات کی روشنی میں تو اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ چھیمو اس شام اپنے چاچا کے گھر سے نکلی اور اپنے گھر آنے کے بجائے دریا کی سمت نکل گئی۔ آپ جانتے ہیں' آج کل یہ دریا کتنا وحشی اور خطرناک ہو رہا ہے۔ اس کے کنارے جگہ جگہ سے ٹوٹ چکے ہیں اور کناروں کے جو حصے سلامت ہیں ان کا بھی کوئی بھروسا نہیں۔ ممکن ہے' چھیمو ایسے ہی......کنارے کے کسی حصے کو ''سلامت'' سمجھ کر اس پر جا کھڑی ہوئی ہو اور پھر......اسے پتا ہی نہ چلا ہو کہ کب وہ کنارے کی مٹی کے ساتھ چیختے چنگھاڑتے دریا میں پہنچ گئی۔''

وہ سانس ہموار کرنے کے لیے رکا پھر اپنی بات کو اختتام دیتے ہوئے بولا۔ ''کوٹلی مراد اور چک جمال میں کم از کم تین میل کا فاصلہ حائل ہے۔ چھیمو بے چاری کو تیرنا ویرنا تو آتا نہیں ہو گا۔ پتا نہیں' وہ کب موت کے منہ میں چلی گئی......اور اس کی لاش دریا کے پانی کے ساتھ آپ کے علاقے میں جا پہنچی!''

''چودھری صاحب!'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''آپ نے حالات و واقعات کا جو تجزیہ فرمایا ہے اس میں چند ایک باتوں پر مجھے سخت اعتراض ہے جن میں سرفہرست تو یہی ہے کہ چھیمو مزے سے ٹہلتے ہوئے دریا کے کنارے پر پہنچی ہو گی۔ اس خونی دریا نے پچھلے چند دنوں میں جو تباہ کاری بپا کر رکھی ہے' اس کے پیش نظر کوئی لڑکی اس کے ہولناک نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ادھر کا رخ نہیں کر سکتی اور وہ بھی شام کے وقت......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے چودھری کی آنکھوں میں دیکھا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے اس لڑکی کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کرنے سے پہلے جائے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وقوعہ پر اس کا اچھی طرح معائنہ کیا تھا' اور اس کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا' کہ وہ دریا کے پانی میں ڈوب کر نہیں مری۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں چودھری صاحب! ڈوب کر مرنے والے افراد کی لاشوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس نوعیت کی موت میں مردے کے جسم میں پانی کی وافر مقدار بھر جاتی ہے' جس کے سبب اس کا پھول جانا ایک لازمی امر ہے۔ ازیں علاوہ اس کی جلد کے رنگ میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس لڑکی کی لاش کی حالت یہ تو بتاتی ہے کہ وہ دریا کے پانی کے ساتھ بہتے ہوئے چک جمال کے کھیتوں میں پہنچی ہے' لیکن یہ کہیں سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کی موت پانی میں ڈوبنے سے واقع ہوئی ہے۔ اب ایک ہی قوی امکان باقی رہ جاتا ہے......!''

میں نے بڑے سنسنی خیز انداز میں توقف کیا اور انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔ ''اور وہ یہ کہ اس لڑکی یعنی چھیمو کی لاش کو دریا برد کیا گیا ہو اور وہ لاش پانی کے ساتھ ساتھ تیرتے ہوئے کوٹلی مراد سے چک جمال جا پہنچی ہو......اور اس صورت میں یہ سوچنا لازم ہو جاتا ہے کہ چھیمو طبعی موت نہیں مری بلکہ اسے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے اور پھر مردہ حالت میں دریا میں پھینک دیا گیا ہے......آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا چودھری صاحب؟''

''ہوں......!'' اس نے گمبھیر انداز میں کہا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''چودھری صاحب! میں ایک انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تھانے دار بھی ہوں لہٰذا شک کو میرے سوچنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اسی شک کی بنا پر میں یہ سوچنے کے لیے مجبور ہوں کہ چھیمو کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد دریا میں پھینکا گیا تھا' یا دوسرے الفاظ میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ دریا میں اتری......یعنی اس کا بدن دریا میں اترا تو وہ زندگی سے خالی ہو چکا تھا......خیر!'' میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔

''بس! آج شام تک کی بات ہے۔ پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ شام سے پہلے پہلے کسی وقت بھی موصول ہو جائے گی پھر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔''

''میں آپ کی بات سے مکمل اتفاق کرتا ہوں ملک صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اور میری دلی خواہش ہے کہ واقعی چھیمو کو قتل کیا گیا ہو تو

اس کے قاتل کو آپ جلد از جلد گرفتار کر لیں۔ بتائیں! اس سلسلے میں' میں آپ سے کیا تعاون کر سکتا ہوں؟''

میں نے کہا۔ ''فی الحال' آپ صرف اتنا تعاون کریں کہ ہمارے تھانے پہنچنے کا بندوبست کر دیں۔ ہم دونوں سائیکلوں پر سوار ہو کر یہاں پہنچے تھے' لیکن واپسی میں اللہ رکھی بھی ہمارے ساتھ ہو گی لہٰذا کسی تانگے وغیرہ کا انتظام ہو جائے تو اور بھی اچھی بات ہے۔''

''حویلی میں میرے ذاتی استعمال کا تانگا موجود ہے۔'' چودھری قادر بخش نے بتایا۔ ''آپ لوگ اس تانگے میں بیٹھ کر جا سکتے ہیں' لیکن میری ایک چھوٹی سی درخواست ہے جناب!''

''جی! فرمائیں چودھری صاحب!'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کھانے کا وقت ہو گیا ہے اور کھانا بھی بالکل تیار ہے۔'' وہ خلوص بھرے لہجے میں بولا۔ ''میں آپ کو کھانا کھائے بغیر جانے نہیں دوں گا۔''

کھانے کو جی تو نہیں چاہ رہا تھا' لیکن میں چودھری قادر بخش کی پُرخلوص پیش کش کو ٹھکرا نہ سکا اور اس کی فرمائش پوری کر دی۔

* * *

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ ایک سجا سجایا تانگہ تھا۔

ظاہر ہے' چودھری قادر بخش کی ذاتی سواری کی سجاوٹ تو لازمی بات ہے۔ واپسی کے سفر میں سخی محمد بھی ضد کر کے ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ وہ متوفی چھیمو کا سگا چاچا تھا' لہٰذا میں اسے روک نہ سکا پھر یہ کہ چھیمو اس کے گھر سے نکلنے کے بعد لاپتا ہوئی تھی۔ میں نے یہ سوچ کر اسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا' کہ ضرورت پڑنے پر اس سے مزید پوچھ گچھ کروں گا۔

تانگے کی اگلی سیٹ پر میں بیٹھا تھا' اور پچھلی سیٹ پر اللہ رکھی سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ حاجی مبارک علی اپنی سائیکل پر تھا' جب کہ میری سائیکل سخی محمد نے سنبھال رکھی تھی۔ کوچوان صدیق بڑی مہارت سے دریا کے کچے کنارے کے ساتھ تانگے کو آگے بڑھا رہا تھا۔

حویلی میں پوچھ گچھ کے دوران اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ نامعلوم متوفی لڑکی چھیمو ہی ہے تو اللہ رکھی نے زور و شور سے رونا شروع کر دیا تھا' لہٰذا مجھے چودھری سے کہہ کر اسے بیٹھک سے باہر بھجوانا پڑا تھا۔ اب وہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا' کہ وہ اپنے رونے کا کوٹہ پورا کر چکی ہے یا اگر کچھ تھوڑا بہت بچا ہوا ہے تو وہ بیٹی کی لاش کو دیکھ کے رو لے گی۔ کیونکہ ابھی تو زبانی کلامی تصدیق ہوئی تھی۔ اللہ رکھی کا چھیمو کی لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا باقی تھا۔

اللہ رکھی میرے بالکل عقب میں نہیں بیٹھی تھی بلکہ وہ تانگے کی پچھلی نشست کے ایک کونے میں ٹکی ہوئی تھی۔ ہم دونوں کی پوزیشنیں ایسے زاویے کی تھیں کہ میں گردن موڑ

کر بہ آسانی اس سے گفتگو کر سکتا تھا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا پھر اللہ رکھی کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔

"شاہی سواری میں بیٹھ کر سفر کرنا کیسا لگ رہا ہے؟"

یہ ایک غیر متعلق سوال تھا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور ایک لمحے کے توقف کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اگر انسان کے دل میں سکون ہو تو پیدل چلنا بھی ہوائی گھوڑے کی سواری لگتا ہے تھانے دار صاحب...... مگر اس وقت چودھری صاحب کا یہ آرام دہ تانگا مجھے کانٹوں بھرا بستر محسوس ہو رہا ہے۔ میرے دل کی حالت کا شاید آپ کو اندازہ نہیں ہے......!"

"اچھی طرح اندازہ ہے اللہ رکھی۔" میں نے ہمدردی سے کہا۔ "میں جانتا ہوں اس وقت تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔"

وہ چادر کے پلو سے آنکھوں کے نم گوشوں کو پونچھنے کے بعد گلوگیر آواز میں بولی۔

"مجھے یقین آ گیا کہ آپ میری کیفیت کو بڑی اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔"

ہمدردی اور خلوص کے دو بول ایک انسان کو دوسرے انسان سے کتنا قریب لے جاتے ہیں' اس بات کا اندازہ عملی تجربے سے گزرنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اللہ رکھی مجھ پر بھروسا کرنے لگی ہے۔ میں نے چند لمحات کی خاموشی کے بعد اس سے پوچھا۔ "اللہ رکھی! سچ سچ بتاؤ' یہ تمہارا دیور کیسا بندہ ہے؟"

"آپ سخی محمد کی بات کر رہے ہیں نا؟"

"نن......نہیں۔" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔ "یہی ایک دیور ہے۔ پتا نہیں' میرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے...... میں اس سخی کی بات کر رہی ہوں...... میرا مطلب ہے' آپ سخی محمد کے بارے میں پوچھ رہے ہیں نا......؟"

اس کے ذہن کی حالت اچھی نہیں تھی۔ میں نے بڑی رسان سے کہا۔ "ہاں اللہ رکھی! میں اسی سخی محمد کی بات کر رہا ہوں' جو اس وقت ایک سائیکل پر سوار ہو کر ہمارے تانگے کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔" میں نے سانس لینے کی غرض سے تھوڑا توقف کیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہاری نگاہ میں یہ سخی محمد کیسا بندہ ہے؟"

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"بس! ٹھیک ہی ہے جناب۔" اس نے گول مول جواب دیا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ بات میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ چھیمو دو دن پہلے شام میں سخی محمد کے گھر سے نکلی تھی اور پھر اپنے گھر پہنچنے کے بجائے اس کی لاش چک جمال کے کھیتوں میں پہنچ گئی۔ کہیں چھیمو کو پیش آنے والے اس اندوہ ناک واقعے میں کسی طرح سخی محمد کا کوئی ہاتھ تو نہیں؟"

"نہیں جناب!" وہ بڑی قطعیت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "مجھے نہیں لگتا کہ سخی محمد کا اس معاملے میں کوئی ہاتھ ہو...... وہ اس قسم کا بندہ نہیں ہے۔"

"اور اس کے گھر والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے ٹٹولنے والے انداز میں استفسار کیا۔ "میرا اشارہ اس کی بیوی اور بیٹیوں کی طرف ہے......!"

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور مضبوط لہجے میں بولی۔ "نہیں! تھانے دار صاحب! مجھے ان میں سے کسی پر شک نہیں۔"

"ٹھیک ہے، ان پر شک نہیں۔" میں نے بڑی نرمی سے پوچھ تاچھ کا سلسلہ جاری رکھا۔

"گاؤں کے کسی اور بندے کو اس معاملے میں ملوث سمجھتی ہو تو اس کے بارے میں بتاؤ؟"

اس نے چند لمحات تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "نہیں جناب! کسی اور شخص پر بھی مجھے شک نہیں...... کوٹلی مراد میں کسی بندے سے ہماری دشمنی نہیں ہے۔"

"دیکھو اللہ رکھی!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہاری بیٹی چھیمو کسی اتفاقی حادثے کے نتیجے میں دریا میں گر گئی ہوتی اور پانی میں ڈوبنے کے سبب اس کی موت واقع ہوئی ہوتی تو اس کی لاش اتنی اچھی حالت میں نہیں مل سکتی تھی، جیسی کہ چک جمال کے کھیتوں میں پڑی ملی ہے۔ ڈوب کر مرنے والوں کی لاش عموماً پھول جایا کرتی ہے اور ان کی جلد بھی نیلی پڑنے لگتی ہے، لیکن چھیمو کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ مجھے ایک سو ایک فی صد یقین ہے کہ تمہاری بیٹی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد دریا کے حوالے کیا گیا تھا، اور...... یہ کام کوئی دوست نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی ظالمانہ کارروائی

کی توقع کسی دشمن ہی سے کی جا سکتی ہے اور مجھے اس دشمن تک پہنچنا ہے...... بتاؤ...... ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟"

"م...... میں...... کیا بتا سکتی ہوں...... تھانے دار صاحب......!" وہ ہکلاہٹ آمیز انداز میں بولی۔

ممکن ہے، اللہ رکھی کی یہ ہکلاہٹ اور ہچکچاہٹ اس پر ٹوٹنے والی افتاد کے پیش نظر ہو، لیکن مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے وہ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس احساس کا سبب یہ بھی ہو سکتا تھا، کہ میں اس معاملے میں ہر شے کو گہرے شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے ایک طویل، بوجھل سانس خارج کی اور سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے اللہ رکھی! میں تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں کہ تم اپنے کسی دشمن سے واقف نہیں ہو، لیکن میں اس دشمن تک پہنچ کر ہی رہوں گا!"

وہ کچھ نہیں بولی، خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھی رہی۔

سہ پہر چار بجے ہم بہ خیریت تھانے پہنچ گئے اور پھر خیریت نہ رہی۔ شاید آسمان کو اسی بات کا انتظار تھا، کہ میں کوٹلی مراد والی کارروائی کر کے واپس آ جاؤں کیونکہ ہم نے جیسے ہی تھانے کی عمارت میں قدم رکھا، بارش شروع ہو گئی۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار شکل اختیار کر گئی۔ ساون کی برسات کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ یہ جب چاہے، جہاں چاہے اپنا ٹھکانا خود بنا لیتی ہے۔

میں نے اللہ رکھی اور سخی محمد کو باہر برآمدے میں بٹھایا اور چودھری فرید کو اپنے پاس کمرے میں بلا لیا۔ کانسٹیبل چودھری فرید کے ساتھ اس وقت پورا عملہ تھانے میں موجود تھا۔

چودھری فرید میرے کمرے میں پہنچا، مجھے سلام کیا اور پھر میرے ہی اشارے پر ایک کرسی سنبھال لی۔ جب وہ اطمینان سے بیٹھ چکا تو میں نے اس سے پوچھا۔ "جی چودھری صاحب! کیا خبریں ہیں؟"

دوسرے لوگ تو اسے "چودھری" کہتے ہی تھے، لیکن کبھی کبھار میں بھی اسے اسی

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انداز میں مخاطب کر لیتا تھا' تو وہ فخر سے پھول جاتا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں وہ مجھے امدادی پارٹی اور اس کی کارکردگی کی رپورٹ دینے لگا۔ میں نے توجہ سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''یہ سب تو تھانے سے باہر کی سرگرمیاں ہیں۔ اب یہ بتاؤ! میری غیر موجودگی میں یہاں کیا کیا ہوتا رہا ہے؟''

''جناب! ادھر تھانے میں تو کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''نامعلوم لڑکی کی لاش گزشتہ روز صبح میں نے پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوائی تھی۔ اسپتال کی طرف سے اس بارے میں کوئی اطلاع آئی؟''

اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا۔ ''ابھی تک تو ایسی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔''

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

فرید نے پوچھا۔ ''ملک صاحب! آپ کوٹلی مراد سے جن لوگوں کو اپنے ساتھ لائے ہیں' ان کا تعلق کیا اس نامعلوم لڑکی سے ہے؟''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔'' میں نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''ان میں سے ایک لڑکی کی ماں اللہ رکھی ہے' دوسرا اس کا چاچا سخی محمد ہے اور تیسرا چودھری قادر بخش کا ملازم کوچوان محمد صدیق اور...... حاجی مبارک علی تو یہیں سے میرے ساتھ گیا تھا۔''

''یہ لوگ لڑکی کی لاش لینے آئے ہوں گے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''ہاں!'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اور اس نامعلوم لڑکی کا نام بھی معلوم ہو گیا ہے' ہمیں جس...... بدنصیب لڑکی کی لاش حاجی مبارک کے کھیتوں میں پڑی ملی تھی اس کا نام شمیم بی بی عرف چھیمو ہے۔''

''کچھ پتا چلا......!'' چودھری فرید کے انداز میں ایک خاص قسم کی کرید تھی۔ ''چھیمو کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟''

''حالات و واقعات ابھی تک تو یہی بتاتے ہیں کہ جب وہ دریا کے پانی میں شامل ہوئی تو زندگی کی بازی ہار چکی تھی۔ اس کی موت پانی میں ڈوبنے سے واقع نہیں

ہوئی۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔ ''صحیح صورتِ حال کا اندازہ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بعد ہی ہو گا۔''

''ہوں......!'' فرید نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

میں نے کہا۔ ''چودھری فرید! میں نے تمہیں ایک خاص کام کے لیے اپنے پاس بلایا ہے۔ تمہیں اسپتال تک جانا ہو گا!''

''جو حکم ملک صاحب!'' وہ فرماں برداری سے بولا۔ ''لیکن باہر کے موسم کو بھی دیکھ لیں۔''

''اگر ہم موسم کے تیور دیکھ دیکھ کر خوف زدہ ہوتے رہے تو پھر یہ معاملہ التوا کا شکار ہو جائے گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا خیال یہی تھا' کہ جب میں کوٹلی مراد سے واپس آؤں گا تو چھیمو کی لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہاں میرا انتظار کر رہی ہو گی' لیکن ایسا دیکھنے میں نہیں آیا۔ میں چاہتا ہوں' جتنی جلدی ممکن ہو' لاش کی شناخت کا مسئلہ حل ہو جائے تاکہ کسی خاص سمت میں تفتیش کی گاڑی کو ڈالا جا سکے۔''

چودھری فرید نے چونک کر میری جانب دیکھا اور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''شناخت کا مسئلہ......کیا ابھی اس لڑکی کے چھیمو ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک ہے؟''

''مجھے تو کوئی شک نہیں۔'' میں نے پُر وثوق انداز میں کہا۔ ''لیکن قانونی کارروائی کا تقاضا ہے کہ جب تک اللہ رکھی لاش کو دیکھ کر یہ تصدیق نہ کر دے کہ وہ اسی کی بیٹی ہے' اس وقت تک اس نوجوان متوفیہ لڑکی کو چھیمو نہ سمجھا جائے......تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی ہاں! بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں ملک صاحب!'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں ابھی اور اسی وقت سرکاری اسپتال کی جانب روانہ ہو جاتا ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں اس لڑکی کی لاش کو اپنے ساتھ لے کر واپس آؤں گا!''

''شاباش......مجھے تم سے یہی امید تھی۔'' میں نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''چودھری قادر بخش کا تانگہ اور تانگے کا کوچوان اس وقت تھانے میں موجود ہیں۔ تم انہیں اپنے ساتھ لے کر فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

میں نے چودھری فرید کو اسپتال روانہ کر دیا۔ اس کی مدد کے لیے میں نے احتیاطاً

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حق نواز کو بھی اس کے ہمراہ کر دیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں حاجی مبارک علی کے پاس چلا گیا' جو سخی محمد اور اللہ رکھی کے پاس بیٹھا تسلی دلاسے کی باتیں کر رہا تھا۔ میں اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

"حاجی صاحب! آپ کافی دیر سے چھیمو کی ماں اور چاچے کا انٹرویو کر رہے ہیں۔" وہ کرسی سنبھال چکا تو میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کوئی کام کی بات بھی پتا چلی کہ نہیں؟"

وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "نہیں جناب! ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی جو اس کیس میں ہماری مدد کر سکے۔"

"ان دونوں کے تاثرات اور خیالات کیا ہیں؟"

"سخی محمد اپنی بھتیجی کی اندوہ ناک موت پر بہت دکھی اور افسردہ ہے۔" حاجی مبارک نے جواب دیا۔ "غم زدہ تو اللہ رکھی بھی بہت نظر آتی ہے' لیکن وہ زیادہ بات نہیں کر رہی۔ لگتا ہے چھیمو کی موت نے اس کے ذہن پر بڑا گہرا اثر کیا ہے!"

"جوان اولاد کی موت اور وہ بھی...... حادثاتی موت!" میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "والدین کے دل اور جگر کو پھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔"

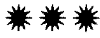
"میرے لیے کیا حکم ہے ملک صاحب؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"حاجی صاحب!" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "آپ صبح سے میرے ساتھ دربدر ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے' اب آپ اپنے گھر جا کر آرام کریں۔"

"اگر میری ضرورت ہو تو میں رک جاتا ہوں!"

"فی الحال تو ضرورت نہیں ہے۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور اگر ضرورت پیش آ بھی گئی تو میں آپ کو دوبارہ گھر سے بلا لوں گا۔" میں نے لمحے بھر کو توقف کیا پھر کمرے کے دروازے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت بارش کا زور ٹوٹا ہوا ہے۔ آپ چھتری سنبھال کے نکل جائیں۔"

اس نے میرے مشورے کو راست جانا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔



کانسٹیبل چودھری فرید مغرب کی اذان سے پہلے ہی واپس لوٹ آیا۔ وہ خالی ہاتھ نہیں لوٹا تھا' بلکہ میں نے اسے جس مقصد سے سرکاری اسپتال بھیجا تھا' وہ اس میں سرخرو ہو کر آیا تھا۔ اس کی اتنی جلدی واپسی پر مجھے حیرت بھی ہوئی پھر جب اس نے وضاحت کی تو میری حیرت جاتی رہی۔

فرید کے مطابق' ابھی وہ اسپتال نہیں پہنچا تھا' کہ راستے میں ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی جو چھیمو کی پوسٹ مارٹم شدہ لاش لے کر آ رہے تھے۔ شدید بارش نے انہیں راہ میں ایک جگہ رکنے پر مجبور کر دیا اور وہ بارش کے تھمنے یا کم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ اسپتال سے نکلے تو بارش نہیں ہو رہی تھی ورنہ وہ اپنے پروگرام کو ملتوی کر دیتے۔ بہرحال' وہ لوگ اسپتال اور تھانے کے درمیان ایک مقام پر رک کر بارش کا زور ٹوٹنے کا انتظار کرنے لگے جب بارش کی تیزی میں کمی واقع ہوئی تو چودھری فرید بھی وہاں پہنچ گیا پھر وہ سب لوگ ایک ساتھ یہاں آئے تھے۔

میں نے اسپتال کے متعلقہ عملے سے لاش اور پوسٹ مارٹم رپورٹ وصول کرنے کے بعد ضروری کاغذات پر دستخط کیے اور انہیں رخصت کر دیا۔ اس وقت تک بارش پوری طرح رک گئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا مطالعہ کرنے سے پہلے میں نے اللہ رکھی اور سخی محمد کو لاش کے دیدار کے لیے بلا لیا۔

اسپتال والوں نے موسمِ برسات کا خیال کرتے ہوئے لڑکی کی لاش کو اچھی طرح ایک صندوق میں پیک کر کے بھیجا تھا۔ اگرچہ جب وہ اسپتال سے نکلے تو بارش نہیں ہو رہی تھی' لیکن ان کی یہی احتیاط بعد میں بے حد مفید ثابت ہوئی۔ اگر انہوں نے یہ حفاظتی انتظامات نہیں کیے ہوتے تو روایتی غسل سے پہلے چھیمو کی لاش برساتی غسل ضرور کر چکی ہوتی۔

وہ منظر بڑا ہی دل دوز اور عبرت انگیز تھا' جب اللہ رکھی نے اپنی مردہ بیٹی کا منہ دیکھا۔ وہ چھیمو کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی ماتمی انداز میں زار و قطار رونے لگی' جو اس امر کا بیّن ثبوت تھا' کہ وہ نامعلوم نوجوان لڑکی اس کی بیٹی چھیمو ہی تھی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سخی محمد کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے تھے۔ ظاہر ہے' چھیمو اس کی بھتیجی تھی۔ دونوں بھائیوں میں لاکھ اختلافات رہے ہوں' اولاد تو اولاد ہی ہوتی ہے اور بھائی کی اولاد سے بہرحال محبت ضرور ہوتی ہے پھر چھیمو سخی محمد کی بیٹیوں کی ہم عمر بھی تھی۔ رضوانہ اور سلطانہ چھیمو کی گہری سہیلیاں تھیں۔

شناخت' صدمے' زیاں اور آہ و فغاں کے معاملات قدرے سنبھلے تو سخی محمد میرے کمرے میں آیا۔ میں ان دونوں دیور بھابی کو چھیمو کی لاش کے پاس چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ سخی محمد صدمے سے چور تھا۔ اس نے گلوگیر آواز میں مجھ سے کہا۔

"تھانے دار صاحب! اس وقت بارش اتفاق سے رکی ہوئی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم چھیمو کی لاش کو لے کر فوراً کوٹلی مراد روانہ ہو جاتے ہیں۔"

اس کی بات برمحل اور خاصی معقول تھی۔ اگرچہ اس وقت تک رات کا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ بارش رکی ہوئی تھی اور ان لوگوں کے پاس اپنا تانگہ بھی موجود تھا' اس لیے اگر وہ فوراً نکل جاتے تو آدھے پونے گھنٹے میں کوٹلی مراد پہنچ سکتے تھے۔ میں نے سخی محمد سے کہا۔

"تم ادھر اللہ رکھی کے پاس جاؤ اور اسے سنبھالنے کی کوشش کرو۔ میں لاش کے سلسلے میں ضروری بندوبست کرتا ہوں۔ انشاء اللہ! دس پندرہ منٹ میں آپ لوگوں کو تھانے سے روانہ کر دیا جائے گا اور آپ کے ساتھ میں اپنے عملے کے ایک بندے کو بھی بھیجوں گا تاکہ راستے میں کسی پریشانی کا سامنا نہ ہو!"

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے میرے کمرے سے نکل گیا۔

میں نے سخی محمد سے "ضروری بندوبست" کی بات بس ایسے ہی کر دی تھی۔ دراصل پے در پے مصروفیات کے باعث میں ابھی تک پوسٹ مارٹم رپورٹ کا مطالعہ نہیں کر سکا تھا۔ لاش کی آمد کے ساتھ ہی تھانے میں وہ رونا پیٹنا مچ گیا تھا' کہ مجھے ساری توجہ پہلی فرصت میں تازہ ترین صورتِ حالات کی جانب مبذول کرنی پڑی تھی۔ بہرحال' سخی محمد کے کمرے سے نکلتے ہی میں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کھول کر پڑھنی شروع کر دی۔

اس رپورٹ کے مطابق' شمیم بی بی عرف چھیمو کی موت نو اور دس اگست کی درمیانی

رات آٹھ اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اس کی موت کا سبب کوئی سریع الاثر زہر بتایا گیا تھا۔ چھیمو کے معدے کے مختلف نمونوں کے لیبارٹری ٹیسٹ نے زہرخورانی کی تصدیق کر دی تھی۔ وہ زہر چھیمو نے اپنی مرضی سے کھایا تھا' یا کسی نے دھوکے سے زہر دیکر اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا' پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہ بتانے سے قاصر تھی۔ بہرحال' میرے لیے اتنا سا اشارہ ہی کافی تھا۔ میں اپنی تحقیق و تفتیش سے حقیقت کی تہ تک پہنچ سکتا تھا۔ رپورٹ کا آخری پیراگراف انکشاف انگیز اور چونکا دینے والا تھا' اور وہ یہ کہ اپنی موت کے وقت شمیم بی بی عرف چھیمو امید سے تھی۔ اس امید کی مدت کم و بیش دو ماہ بتائی گئی تھی۔

میں نے رپورٹ کے آخری پیراگراف کو دو تین مرتبہ پڑھا' لیکن اس کے الفاظ اور مفہوم میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو سکی۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میرے پورے وجود میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ میرا ذہن الجھ کر رہ گیا۔ اس حیرت' الجھن اور تذبذب کا باعث یہ تھا' کہ اب تک چھیمو کے حوالے سے جو معلومات مجھ تک پہنچی تھیں' ان میں کہیں یہ بات موجود نہیں تھی کہ چھیمو شادی شدہ ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو اس ہنگامی صورت حال میں چھپ نہیں سکتی تھی۔ اس کے شوہر کا ذکر کہیں نہ کہیں ضرور آتا' لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

جب میرا ذہن بہت زیادہ الجھ گیا تو میں نے چھیمو کی ماں اللہ رکھی کو اپنے پاس بلا لیا۔ وہ میرے کمرے میں داخل ہوئی تو سخی محمد بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ مجھے اللہ رکھی سے تنہائی میں بات کرنی چاہیے۔ یہ اتنا نازک معاملہ تھا' کہ ممکن ہے' وہ اپنے دیور کی موجودگی میں زبان نہ کھولتی۔ حالات اچانک سنگین صورت اختیار کر گئے تھے۔

"سخی محمد! تم ادھر باہر ہی بیٹھو۔ میں اللہ رکھی سے علیحدگی میں دو چار باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ خاموشی سے واپس چلا گیا تو میں نے اللہ رکھی کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ تھوڑی دیر ہچکچاہٹ کے بعد الجھن بھرے انداز میں' میز کی دوسری جانب بچھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی اس نے تشویشناک لہجے میں استفسار کیا۔

"تھانے دار صاحب! ایسی کون سی خاص بات ہے، جو آپ نے سخی کو واپس بھیج دیا؟"

"بات بہت ہی خاص اور خطرناک ہے اللہ رکھی!" میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔ "اسپتال سے تمہاری بیٹی کی لاش کے ساتھ جو رپورٹ آئی ہے، اس میں دو باتیں ایسی لکھی ہوئی ہیں، جنہوں نے مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔ تم جانتی ہو، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ غلط نہیں ہوسکتی، اس لیے میں تنہائی میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے، تم پسند نہ کرو کہ وہ باتیں تمہارے دیور تک پہنچیں؟"

"ایسی کون سی باتیں ہیں جناب؟" وہ بے حد فکرمندی سے بولی۔

میں نے کہا۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ چھیمو کی موت زہر سے ہوئی ہے۔ یا تو اس نے خود ہی زہر کھا کر اپنی جان لی ہے اور یا پھر کسی نے دھوکے سے اسے زہر دے کر موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ جب اسے دریا میں پھینکا گیا تو اس کا وجود زندگی سے خالی تھا!"

وہ پہلے ہی صدمے سے چور بیٹھی تھی۔ میری بات نے اس کی پریشانی میں اضافہ کر دیا۔ وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تھانے دار صاحب! میں نے چھیمو کو سخی محمد کے ساتھ ان کے گھر بھیجا تھا۔ وہاں پر تو اس کا کوئی بھی دشمن نہیں۔ رضوانہ، سلطانہ اور اس کی ماں شبانہ بھی اس سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ وہ میری چھیمو کو زہر کیوں دیں گی......!"

بات ادھوری چھوڑ کر اس نے گردن جھکا لی۔ ممکن ہے، صدمے کی شدت نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو، لیکن پتا نہیں کیوں، مجھے ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے چہرے کے تاثرات کو مجھ سے چھپانے کے لیے گردن جھکائی ہے۔ میں نے اس لحاتی احساس کو نظرانداز کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"اللہ رکھی! اگر سخی کے گھر میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو دشمنی میں اسے زہر کھلا دے تو پھر دوسری صورت ہی رہ جاتی ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے زہر کھا کر خودکشی کی ہے!"

"خودکشی......!" اس نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا۔ "اللہ رکھی! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور لیبارٹری ٹیسٹ جھوٹ نہیں بولتے۔ چھیمو کے معدے سے زہر کے آثار ملے ہیں اور اس کی موت کا سبب زہر ہی کو بتایا گیا ہے۔"

"لل......لیکن......" وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "چھیمو نے خودکشی کیوں کی ہوگی؟"

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اللہ رکھی! چھیمو کے پاس خودکشی کا بڑا مضبوط جواز موجود تھا، اس لیے میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ ہوسکتا ہے، اس نے زہر کھا کر خود کو موت کے حوالے کر دیا ہو!"

"جواز......کون سا جواز تھانے دار صاحب؟" وہ پلکیں جھپکا کر بولی۔

مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے آنکھیں اس کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہیں۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم واقعی اس بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو؟"

"کس بارے میں؟" اس نے یہ کہتے ہوئے ایک مرتبہ پھر گردن جھکالی۔

اس کی جھکی ہوئی گردن اس بات کا خاموش اعلان تھی کہ میں اس سے جو کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، وہ اس بارے میں بہت کچھ جانتی ہے، لیکن اسے چھپانے کی کوشش بھی کر رہی ہے۔ میں نے تفتیش کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔ "اللہ رکھی! کیا چھیمو کی شادی ہو چکی ہے؟"

اس نے خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھا اور نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں!"

"تو پھر......؟" میں نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تاہم گہری نگاہ سے اسے بدستور گھورتا رہا۔

"پھر......پھر کیا......؟" وہ لکنت آمیز لہجے میں بولی۔

میں نے نہایت ہی جامع الفاظ میں اسے لیبارٹری ٹیسٹ اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹس کے بارے میں بتایا اور چھیمو کی امید کا تذکرہ کرتے ہوئے کریدنے والے انداز میں

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

استفسار کیا۔

"یہ کیا معاملہ ہے اللہ رکھی؟"

میری بات سن کر یک دم اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ ہراساں نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں اس کے چہرے کی تیزی سے بدلتی ہوئی کیفیت کا بہ غور جائزہ لینے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ اچانک پھٹ جائے گی۔ وہ اب تک مجھ سے جو کچھ چھپائے بیٹھی تھی، وہ بلا کسی رکاوٹ اس کی زبان سے پھسل جائے گا۔ میں اس کے بولنے کا انتظار کر ہی رہا تھا، کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں نے اسے رونے دیا۔ وہ ان لمحات میں جس نوعیت کی جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھی اس کا تقاضا تھا، کہ وہ جی بھر کر آنسو بہالے تا کہ اس کے دل کا غبار اور ذہن کا بخار ڈھل جائے۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی پھر اس ہچکی کے دوران میں اس نے کوسنے والے انداز میں کہا۔ "میں نے اس خبیث کو منع بھی کیا تھا......مگر وہ باز نہیں آئی......"

"کس خبیث کو منع کیا تھا، تم نے؟" میں نے لوہا گرم دیکھتے ہوئے چوٹ لگائی۔

وہ آنسو بہاتے ہوئے گلوگیر آواز میں بولی۔ "اسی نامراد چھیمو کی بات کر رہی ہوں۔"

"اللہ رکھی!" میں نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔ "تم نے چھیمو کو کس بات سے منع کیا تھا؟"

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے میں حقیقت سے چند ہاتھ کی دوری پر ہوں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"میں نے اسے سختی سے روکا تھا، کہ چودھری نادر سے نہ ملے، لیکن وہ باز نہیں آئی۔ آپ رپورٹ کے حوالے سے جو کچھ بتا رہے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھیمو نے میری نصیحت پر عمل نہیں کیا...... ہائے ربا! اس بدبخت نے یہ کیا کر ڈالا......میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔"

چودھری نادر کا نام سن کر میرا ماتھا، ٹھنکا۔ حاجی مبارک علی نے چودھری قادر بخش کے

ماضی کا احوال بیان کرتے ہوئے اس کے فرزند ارجمند چودھری نادر بخش کا بھی خصوصی تذکرہ کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا، کہ ایک سنگین اتفاق نے چودھری قادر بخش کو تو "بندے دا پتر" بنا دیا ہے، لیکن آج کل اس کا بیٹا نادر بخش اسی روش پر چل رہا تھا جس پر کبھی اس کا باپ دوڑا کرتا تھا۔ میں نے اپنی تصدیق کی خاطر اللہ رکھی سے پوچھا۔

"تم چھوٹے چودھری نادر بخش کی بات کر رہی ہو نا؟"

"ہاں......" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں نے چھیمو کو ہزار بار منع کیا تھا، کہ چودھری نادر سے دور رہے، لیکن وہ باز نہیں آئی۔ میں اگر اسے روک رہی تھی تو اس کی کوئی وجہ تھی نا۔ جو کچھ میں جانتی ہوں وہ اس نادان کو کیا پتا، بے وقوف کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ بڑے فخر سے مجھے بتاتی تھی کہ نادر بخش نے اس سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔ اس جھلی کو کیا پتا کہ اس کی شادی نادر بخش سے کسی قیمت پر نہیں ہو سکتی تھی...... یہ بہت بڑا گناہ ہوتا......توبہ، توبہ!۔"

اللہ رکھی کے آخری جملے نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے لفظ "گناہ" کا استعمال کر کے میرے رگ و پے میں سنسنی سی دوڑا دی تھی۔ اس وقت وہ جس جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھی اس میں اس کی زبان سے جھوٹ کے اخراج کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے ایک سو ایک فیصد یقین تھا، کہ اگر میں ہمدردی بھرے انداز میں اسے کریدتا رہا تو وہ حقیقت کو کھل کر بیان کر دے گی۔ اس کیس کے حل ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔

یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ چودھری قادر بخش کا بیٹا نادر بخش شادی شدہ تھا، اور خیر سے اس کے دو بچے بھی تھے۔ میں نے ذرا مختلف انداز میں اسے ٹٹولنے کی کوشش کی اور کہا۔ "اللہ رکھی! چودھری نادر بخش اور چھیمو کی شادی کو تم اس لیے ناممکن بتا رہی ہو نا کہ چودھری پہلے سے شادی شدہ ہے اور اس کے دو بچے بھی ہیں؟"

"یہ بات تو اپنی جگہ ہے ہی۔" وہ زخمی لہجے میں بولی۔ "لیکن اس کے علاوہ بھی ایک ایسی وجہ ہے کہ......!" وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

اس نازک موقع پر اس کے خاموش رہنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ گردن جھکا کر

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہولے ہولے سسک رہی تھی۔ میں اس کی ذہنی اور قلبی حالت کو سمجھ رہا تھا۔ وہ ایک ایسی صورتِ حال سے دوچار تھی کہ جس میں انسان کسی ہمدرد اور مہربان کے سامنے اپنا سینہ کھول کر رکھ دینے کے لیے بے قرار ہوتا ہے۔ میں نے نرم روی سے اس کا ''علاج'' جاری رکھا۔

''اللہ رکھی!'' میں نے دھیمے لہجے میں مخاطب کیا اور کہا۔ ''جب سب کچھ بتا دیا ہے تو وہ ''وجہ'' بھی بیان کردو' جس کی بنا پر چودھری اور چھیمو کی شادی کسی قیمت پر نہیں ہوسکتی تھی...... بلکہ تم نے اس شادی کے لیے ''بہت بڑا گناہ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں؟''

اس نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھائی اور ویران نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ مجھے ان آنکھوں کی ویرانی میں یہ سوال مچلتا ہوا بڑا واضح دکھائی دیا۔ آیا مجھے تھانے دار پر اعتماد کرنا چاہیے یا نہیں؟

اس کی ذہنی کیفیت کو بھانپتے ہوئے میں نے...... ہمدردانہ انداز میں کہا۔ ''اللہ رکھی! تم مجھے اپنا چھوٹا بھائی سمجھ سکتی ہو۔ مجھ سے جو کچھ بھی کہو گی' سمجھو کہ اس کمرے کے اندر ہی دفن ہو جائے گا۔ میں چھیمو کے قتل کا معمہ حل کرنا چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے' اس سلسلے میں تم اپنے چھوٹے بھائی کی ضرور مدد کروگی!''

''مم...... میں...... کیا مدد کروں...... جناب؟'' اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

''صرف اتنا بتا دو کہ چھوٹے چودھری اور چھیمو کی شادی ہو جانا کس حوالے سے گناہ کا کام تھا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''باقی سب میں سنبھال لوں گا۔''

وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ ان لمحات میں وہ آٹھ دس سالہ ایک معصوم سی بچی نظر آرہی تھی۔ بچے بڑے ہی صاف گو اور ریاکاری سے دور ہوتے ہیں۔ انہیں کسی قسم کی مصلحت یا منافقت سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ جو کہنا چاہیں' بے دھڑک کہہ دیتے ہیں۔ انہیں کسی کے خفا ہونے یا خود کو کوئی نقصان پہنچنے کی پروا نہیں ہوتی۔

اللہ رکھی نے بھی آنسو بہانے کے دوران میں ایک خطرناک حقیقت کا بے دھڑک انکشاف کر دیا' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑی سادگی سے بولی۔ ''تھانے دار

صاحب...... چھیمو اور چودھری نادر بخش میں بہن بھائی کا رشتہ ہے......!!''

بات ختم کرتے ہی اس نے گردن جھکالی۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ میں حیرت اور استعجاب سے یک ٹک اپنے سامنے بیٹھی اللہ رکھی کو دیکھتا چلا گیا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا' کہ اتنی بڑی اور تلخ حقیقت کے اظہار کے لیے اسے کتنی بڑی اذیت سے گزرنا پڑا ہوگا' لیکن یہ بھی ایک عملی سچائی ہے کہ ساری تکالیف اسی وقت تک ہوتی ہیں جب تک انسان کا دل سلامت ہو۔ دل ٹوٹ جائے تو پھر کوئی تکلیف' تکلیف نہیں رہتی۔ اللہ رکھی کا دل بھی اس بُری طرح ٹوٹ چکا تھا' کہ حقیقت کے اظہار میں اسے کسی دشواری کا احساس نہ ہوا۔

جب میں کوٹلی مراد میں چودھری قادر بخش سے ملا تھا' تو مجھے بڑی شدت سے اس بات کا احساس ہوا تھا' کہ میں نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔ اس کے خال و خط شناسا سے لگ رہے تھے' لیکن جب باوجود کوشش کے بھی' مجھے یاد نہ آیا تو میں نے اس احساس کو نظر انداز کر دیا مگر اب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی کہ میں نے چودھری کو پہلے کہاں دیکھا تھا...... یہ روشن حقیقت بڑی سنسنی خیز اور عبرت انگیز تھی۔

میں نے چودھری قادر بخش کو نہیں بلکہ ایک روز قبل شمیم بی بی عرف چھیمو کو مردہ حالت میں دیکھا تھا۔ دونوں کے نقش و نگار میں گہری مشابہت پائی جاتی تھی!

***

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اگلی صبح میں نے کانسٹیبل چودھری فرید کو اپنے ساتھ لیا اور ایک مرتبہ پھر کوٹلی مراد میں' چودھری قادر بخش کی حویلی پہنچ گیا۔ گزشتہ رات میں نے اللہ رکھی اور سخی محمد کو چھیمو کی لاش لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ میں نے تسلی تشفی کے علاوہ اس سے یہ وعدہ بھی کیا تھا' کہ اس کے ماضی کے حوالے سے اس کیس کی تفتیش کے دوران کوئی بات نہیں ہو گی۔ اس نے اگر مجھے اپنا چھوٹا بھائی سمجھتے ہوئے ماضی کے کسی خطرناک راز سے آگاہ کیا تھا' تو اس راز کی حفاظت کرنا میرا فرض بنتا تھا۔

اللہ رکھی سے کیا ہوا وعدہ اپنی جگہ' لیکن محکمہ جاتی فرائض کا تقاضا تھا' کہ میں یہ جاننے کی ضرور کوشش کروں کہ کیا چھیمو نے کسی معاملے سے دل برداشتہ ہو کر خود ہی زہر کھا کر اپنی جان لے لی تھی یا کسی نے اسے قتل کیا تھا؟

ان اہم معلومات کے حصول کے لیے چودھری نادر بخش کا ''انٹرویو'' بہت ضروری تھا......اور اس انٹرویو سے قبل چودھری قادر بخش سے ایک سنجیدہ ملاقات بھی ضروری تھی' اس لیے میں اس وقت اس کی حویلی میں موجود تھا۔ چودھری فرید کو میں نے بیٹھک سے باہر ہی رکنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ بیٹھک میں میرے اور چودھری قادر بخش کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد چودھری نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''ملک صاحب! مجھے چھیمو کی موت کا بڑا دکھ ہے۔ اللہ رکھی! رات آپ کے تھانے سے اس کی لاش لے آئی تھی۔ مارے غم کے اس کا بھی برا حال ہے۔ آج ظہر کی نماز کے بعد تدفین کا پروگرام ہے۔''

''چودھری صاحب! جوان جہان اولاد کی موت کا صدمہ واقعی بڑا جاں گسل ہوتا ہے۔'' میں نے قادر بخش کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور موت بھی ایسی کہ......؟''

میں نے اس کا ردِ عمل جاننے کے لیے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ اضطراری لہجے میں جلدی سے بولا۔

''ملک صاحب! کیا آپ نے چھیمو کی موت کا معمہ حل کر لیا ہے؟''

''پوسٹ مارٹم اور لیبارٹری ٹیسٹ کی رپورٹ نے اس معمے کے تمام تر جوابات پوری تفصیل سے واضح کر دیئے ہیں۔''

میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''چھیمو کی موت طبعی ہرگز نہیں......جب دریا کی موجوں نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹا تو وہ زندگی ایسی خوب صورت نعمت سے محروم ہو چکی تھی۔''

''ہوں......'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔ ''اس کا مطلب ہے چھیمو نے خودکشی کی ہے!''

''ہرگز نہیں!''

میں نے قطعیت سے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اگر وہ دریا میں چھلانگ لگا کر اپنی جان سے کھیلتی تو پانی میں ڈوب کر مرنے کے سبب اس کی لاش کا حشر خراب ہو چکا ہوتا۔''

میں لمحے بھر کو متوقف ہوا' پھر چند کاغذات چودھری قادر بخش کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی ذرا ان کا مطالعہ کر لیں۔''

اس نے مذکورہ کاغذات اپنے ہاتھ میں لیے اور ان پر سرسری سی نگاہ ڈالنے کے بعد میری طرف دیکھتے ہوئے مستفسر ہوا۔

''یہ کیا ہے' ملک صاحب؟''

''یہ پوسٹ مارٹم اور لیبارٹری ٹیسٹ کی رپورٹس ہیں۔''

''لیکن یہاں تو سب کچھ انگلش میں لکھا ہوا ہے۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ ''اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں انگریزی پڑھنا نہیں جانتا۔''

''تو پھر میں پڑھ کر آپ کو سنتا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیوں کہ ان رپورٹس میں درج سنگین حقائق کا جاننا آپ کے لیے ضروری ہے۔''

وہ آنکھیں سکیڑ کر متذبذب نظروں سے مجھ دیکھنے لگا تاہم منہ سے کچھ نہیں بولا۔

اس کی رضا کارانہ خاموشی کا یہی مطلب تھا' کہ وہ ہمہ تن گوش ہے' میں اسے ان رپورٹس کی تفصیلات سے آگاہ کروں۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا' وہ پوری توجہ اور انہماک سے سنے گا!

میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں یہ فریضہ ادا کر دیا۔

پوری بات سننے کے بعد وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ چھیمو اپنے گناہ کی وجہ سے شدید ترین ذہنی دباؤ کا شکار تھی' لہٰذا اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی اور پھر خود کو دریا کے حوالے کر دیا۔''

''چودھری صاحب!'' میں نے قدرے بلند آواز میں قادر بخش کو مخاطب کیا۔

''آپ تو ماشاء اللہ بڑے سمجھ دار اور عقل مند انسان ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ چھیمو نے خود ہی زہر کھا کر اپنی جان لی ہے تو پھر یہ بات ہضم نہیں ہوتی کہ ایک مردہ انسان خود کو دریا میں کیسے پھینک سکتا ہے......؟''

میں نے سانس درست کرنے کے لیے لحاتی توقف کیا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔''میرا ذہن خودکشی سے زیادہ قتل کی طرف جا رہا ہے......!''

''قتل......!''

چودھری نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''چھیمو کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟''

''وہی شخص جس کی وجہ سے وہ ایک گناہ کا بوجھ اٹھائے پھر رہی تھی!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''نو اگست کی صبح چھیمو کا چاچا سخی محمد اسے اپنے گھر لے جاتا ہے کہ چند روز وہ وہاں رہ لے۔ رضوانہ' سلطانہ' ان کی ماں شبانہ اور سخی محمد کے مطابق' اسی شام یعنی نو اگست کی شام چھیمو ان لوگوں سے یہ کہہ کر اپنے گھر واپس آ جاتی ہے کہ اس کا وہاں دل نہیں لگ

رہا۔ اللہ رکھی کا بیان ہے کہ چھیمو مذکورہ شام گھر نہیں پہنچی۔ وہ میاں بیوی یہی سمجھ رہے ہیں کہ چھیمو اپنے چاچے کے گھر میں ہے حتیٰ کہ جب گیارہ اگست کی صبح میں یہاں آ کر ایک نامعلوم نوجوان لڑکی کی لاش کے حوالے سے تفتیش کرتا ہوں تو اللہ رکھی اور سخی محمد وغیرہ کو تشویش ہوتی ہے کہ کہیں وہ نامعلوم لڑکی ان کی چھیمو تو نہیں۔ آپ غور فرمائیں چودھری صاحب......!''

میں نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا' ایک گہری سانس خارج کی اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''موجودہ حالات و واقعات میں چھیمو کی موت کا صرف ایک ہی سبب باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ......نو اگست کی شام وہ اپنے چاچا سخی محمد کے گھر سے نکل کر اس بندے کے پاس پہنچی' جو اس گناہ میں اس کا شریک کار تھا۔ چھیمو نے اس ساری صورتِ حالات بتانے کے بعد شادی کا مطالبہ کیا ہو گا۔ وہ شخص کسی بھی طور شادی کے لیے تیار نہیں ہوا ہو گا۔ چھیمو نے اسے سنگین نتائج کی دھمکی دی ہو گی۔ اس شخص نے کسی بھی خراب صورتِ حال سے محفوظ رہنے کے لیے کسی بہانے یا دھوکے سے چھیمو کو زہر کھلا دیا پھر جب سریع الاثر زہر نے چھیمو کا کام تمام کر دیا تو اس ظالم شخص نے چھیمو کی لاش کو دریا کی موجوں کے حوالے کر دیا۔ چھیمو شام کے وقت سخی محمد کے گھر سے نکلی تھی اور پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق' اس کی موت رات آٹھ اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے' اس نے مذکورہ قاتل کے پاس بہت سا وقت گزارہ تھا' لہٰذا اس قاتل کو کسی بھی خطرناک کارروائی کے لیے اچھا خاصا موقع مل گیا ہو گا۔ اس نے چھیمو کو راہ سے ہٹانے ہی میں اپنی عافیت جانی ہو گی!''

چودھری قادر بخش نے بڑی توجہ سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ملک صاحب! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں مفروضات کا بڑا عمل دخل ہے۔ یوں ہوا ہو گا......ووں ہوا ہو گا......وغیرہ وغیرہ۔ اس سے مسئلہ تو حل نہیں ہو گا نا؟''

''مسئلہ حل ہو جائے گا چودھری صاحب!''

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں نے نہایت ہی ٹھوس لہجے میں کہا۔

''جب وہ قاتل میری تفتیش کی چھری کے نیچے آئے گا نا تو میرے بیان کردہ تمام تر مفروضات حقائق میں بدل جائیں گے۔ وہ خود زبان سے اپنے جرم کا اقرار کرے گا۔''

''لیکن آپ اس شخص کو تلاش کیسے کریں گے؟''

وہ الجھن زدہ نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''اب تو چھیمو بھی زندہ نہیں رہی کہ وہ اس کی نشان دہی کر سکتی۔''

''قاتل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مجھے چھیمو کی نشان دہی کی ضرورت نہیں چودھری صاحب!'' میں نے اٹل انداز میں کہا۔ ''میں نے اس شخص کا سراغ لگا لیا ہے!''

''کون......!''

چودھری پہلو بدلتے ہوئے اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔

''کون ہے وہ شخص؟''

''آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو یقین نہیں آئے گا چودھری صاحب!''

''آپ...... بتائیں تو......؟'' اس کی بے چینی ساتویں آسمان کو چھونے لگی۔

میں نے چٹانی لہجے میں کہا۔ ''اس شخص کا نام ہے چودھری نادر بخش۔''

''کک...... کیا......!'' چودھری قادر اچھل پڑا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟''

میں نے نیم تاریکی اور ملگجے اجالے میں نشانہ باندھ کر ایک تیر چلایا تھا' جو میرے اندازے کے مطابق ٹارگٹ کے بہت قریب جا کر لگا تھا۔ حالات و واقعات کی روشنی چونکہ مجھے راہ دکھا رہی تھی لہٰذا میں اندھیرے میں تیر چھوڑنے ایسی کیفیت کا شکار نہیں تھا۔ چودھری کے بے ساختہ اچھلنے نے مجھے شیر بنا دیا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں' چودھری صاحب......اور پوری تحقیق کرنے کے بعد ہی میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی

اور کہا۔

''مجھے باوثوق ذرائع سے پتا چلا ہے کہ پچھلے کچھ عرصے سے چھیمو اور چودھری نادر بخش کے درمیان خاصا سنجیدہ تعلق رہا ہے۔ آپ اپنے بیٹے اور اس کی غیر نصابی سرگرمیوں کو مجھ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں' لہٰذا میں اس خاص زاویے سے کوئی تفصیل پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتا......'' میں رکا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''نو اگست کی شام چھیمو اپنے چاچا کے گھر سے نکلی اور اپنے گھر آنے کے بجائے وہ اس ڈیرے کی سمت چلی گئی جو دریا کے کنارے واقع ہے۔ وہ ڈیرا ایک طرح سے نادر بخش کی بیٹھک کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چھیمو نے جو سنگین بوجھ اٹھا رکھا تھا' وہ اس کے بارے میں چودھری نادر سے دوٹوک بات کرنے کے لیے ڈیرے پر گئی تھی' لیکن اسے کیا معلوم تھا......''

''آپ باوثوق ذرائع کی بات کر رہے ہیں۔'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

''کیا آپ کو یہ سب کچھ اللہ رکھی نے بتایا ہے؟''

میں نے کہا۔ ''اللہ رکھی کا ان معلومات سے کوئی تعلق نہیں!''

''پھر آپ کو کیسے خبر ہوئی۔''

''چودھری صاحب! آپ جانتے ہیں' پولیس کے اپنے خفیہ ذرائع ہوتے ہیں۔ ہمارے مخبر ہر جگہ' ہر علاقے میں......''

میں نے اچانک جملہ ادھورا چھوڑ کر بیٹھک کے بند دروازے کی سمت دیکھا۔ دروازے کے کواڑ بھڑے ہوئے تھے تاہم کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی۔ اپنے بیان کے دوران مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شخص اس بند دروازے کے پیچھے موجود ہے اور نہایت ہی خفیہ طریقے سے ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ احساس اتنا فوری اور طاقت ور تھا' کہ میں اپنی بات کو نامکمل چھوڑ کر دروازے کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''کیا ہوا......؟''

چودھری قادر بخش نے الجھن بھرے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"کوئی ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے!" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

وہ بیزاری سے بولا۔

"آپ کو وہم ہوا ہے!"

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر اس سے پہلے کہ میں بیٹھک کے دروازے کی طرف پیش قدمی کرتا' دروازے کی دوسری جانب کچھ اس نوعیت کی آوازیں ابھریں جیسے کوئی افراتفری میں وہاں سے رخصت ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے کسی چیتے کی مانند' بند دروازے کی سمت جست لگا دی۔

میں نہیں جانتا تھا' کہ چودھری قادر بخش اپنی نشست پر بیٹھا رہا تھا' یا وہ بھی میرے پیچھے ہی صورتِ حال جاننے کے لیے بیٹھک سے نکل آیا تھا۔ جب میں نے بیٹھک سے باہر قدم رکھا تو ایک پست قامت شخص کو حویلی کے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر تقریباً دوڑتے ہوئے گیٹ کے اس طرف چلا گیا تھا۔ میں نے ایک لمحہ سوچے بغیر اس پست قامت شخص کے تعاقب میں دوڑ لگا دی۔ یقیناً یہی شخص بیٹھک کے دروازے سے لگا کھڑا تھا۔

میں مذکورہ شخص کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا' لیکن میں جیسے ہی حویلی کے گیٹ سے باہر نکلا وہ مجھے نظر آ گیا۔ وہ شخص اسی ہڑبونگ میں بھاگا تھا' کہ سامنے سے آتا ہوا کانسٹیبل بھی اسے دکھائی نہ دیا اور وہ سیدھا اس سے جا ٹکرایا۔ اسی لمحے میں نے تحکمانہ انداز میں کانسٹیبل سے کہا۔ "چودھری فرید پکڑو اس کو...... جانے نہ پائے......!"

چودھری فرید کانسٹیبل پکڑے دھکڑتے' دبوچنے جھپٹنے کا ماہر تھا۔ میرا تحکمانہ اشارہ پاتے ہی اس نے مذکورہ پست قامت شخص کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیا۔

اس شخص کی عمر اٹھائیس انتیس سال ہو گی۔ وہ دبلا پتلا اور پھرتیلا انسان تھا' لیکن چودھری فرید بھی ایسی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے پلک جھپکتے میں پست قامت شخص کی پھرتی تمام کر دی۔

اس لمحے مجھے اپنے عقب میں چودھری قادر بخش کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"یہ تو وارثی ہے......نادر کا خاص آدمی......!"

"اب تو ساری بات آپ کی سمجھ میں آ گئی نا چودھری صاحب؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے تحکمانہ انداز میں اس پست قامت شخص سے کہا۔ "وارثی......بیٹھک میں آ جاؤ!"

تھوڑی ہی دیر کے بعد میں ایک مرتبہ پھر چودھری قادر بخش کی عالی شان بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا' لیکن اس بار میرے اور چودھری کے علاوہ وارث علی عرف وارثی بھی وہاں موجود تھا۔ وہ سر جھکائے ایک جانب کھڑا تھا۔ بیٹھک میں اس دفعہ قدم رکھنے سے قبل میں نے چودھری فرید کو ایک طرف لے جا کر یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ فوراً ڈیرے پر پہنچے اور نہایت ہی خفیہ انداز میں چھوٹے چودھری نادر بخش کی نگرانی شروع کر دے۔ وہ میری بات سمجھ گیا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے حویلی کے گیٹ کی سمت بڑھ گیا تھا۔ تھانے سے روانہ ہوتے وقت میں نے اسے چودھری نادر کے حوالے سے اچھی طرح بریف کر دیا تھا' لہٰذا وہ خاصا چوکنا اور چاق چوبند تھا۔

چودھری کے اور میرے درمیان تھوڑی دیر پہلے جس نوعیت کی گفتگو ہو رہی تھی اس نے چودھری کو اپنے بیٹے کے حوالے سے بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ وہ کسی بھی طور میرے پیش کردہ حقائق پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا' لیکن وارثی کے "کردار" اور "گرفتاری" نے چودھری کی پریشانی میں بے حد اضافہ کر دیا' لہٰذا وارثی سے پوچھ گچھ کا آغاز اسی نے کیا۔

"وارثی! تم ادھر بیٹھک کے بند دروازے کے پیچھے چھپ کر کیا کر رہے تھے!"

وارثی رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا' لہٰذا بوکھلاہٹ میں وہ ڈھنگ کا کوئی بہانہ بھی نہ کر سکا' جب اس نے آئیں بائیں شائیں شروع کی تو میں نے گرج دار آواز میں کہا۔

"چودھری صاحب! یہ پاپی شرافت کی زبان نہیں سمجھے گا۔ میں اسے باندھ کر اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ جب وہاں اس کی تشریف پر نو' چار کے چھتروں کی بارش ہو گی تو اس کی زبان کسی ریکارڈ کی طرح بولنے لگی...... کئی دنوں تک یہ تشریف کے بل بیٹھنے کے قابل نہیں رہے گا......اور نہ ہی کسی کو بتا سکے گا کہ آخر وہ بیٹھے بٹھائے اچانک کس مرض میں مبتلا ہو

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گیا ہے!''

وارثی نے سراسیمہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔ چودھری قادر بخش نے غصیلے لہجے میں اس سے پوچھا۔ ''سچ سچ بتاؤ! کیا تم دروازے کے باہر کھڑے ہو کر ہماری باتیں سن رہے تھے؟''

''نن......نہیں چودھری جی......'' وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے چودھری سے بولا۔ ''بس جی! میں تو ادھر سے گزر رہا تھا......تھانے دار صاحب کو خوامخواہ مجھ پر شک ہو گیا ہے......''

''اوئے خوامخواہ کی اولاد!'' میں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا اور سخت لہجے میں کہا۔ ''اگر تم بس ایسے ہی ادھر سے گزر رہے تھے' تو پھر مجھے دیکھ کر بھاگے کیوں......تم ایسی افراتفری میں حویلی سے باہر نکلے تھے' کہ جیسے باؤلے کتوں کا ایک غول تمہاری بوٹیاں جھنجھوڑنے کے لیے تعاقب کر رہا ہو......یا جہنمی بلائیں تمہارا پیچھا کر رہی ہوں اور...... اسی بوکھلاہٹ میں تم میرے سپاہی سے بھی جا ٹکرائے......'' بس ایسے ہی ''گزرنے والوں کے بھلا یہ کرتوت ہوتے ہیں؟''

چودھری نے وارثی کی مجرمانہ کیفیت دیکھی' تو غصیلے لہجے میں بولا۔ ''بتاؤ وارثی تم کس کے کہنے پر ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو میں تمہاری کھال کھنچوا لوں گا!''

وہ سہمی ہوئی رحم طلب نظروں سے چودھری نادر بخش کو دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''چودھری صاحب! آپ یہ ''کھال کھنچوانے'' کی زحمت نہ کریں۔ میرے تھانے میں اس نوعیت کے کاموں کے لیے بڑا شاندار بندوبست موجود ہے۔''

پھر میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور وارثی کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔

''میں اسے اپنے ساتھ تھانے لے کر جا رہا ہوں۔ صرف ایک گھنٹے کی ''خاطر تواضع'' سے اس کے بدن کا ایک ایک اعضا بولنے کے قابل ہو جائے گا۔ اس کے اندر سے طرف ایک ہی آواز نکلے گی...... مجھے آپ لوگوں کی باتیں سننے کے لیے چودھری قادر بخش نے حکم دیا......!''

''قادر بخش نہیں' نادر بخش......!''

وہ بولتے بولتے یک لخت خاموش ہو گیا' اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی مجھے اور کبھی بڑے چودھری کو تکنے لگا۔ میرا نفسیاتی حربہ بڑا کارگر ثابت ہوا تھا۔ میں نے دانستہ اپنے بیان میں نادر کے بجائے قادر کا لفظ استعمال کیا تھا' تاکہ وارثی کو ٹریپ کر سکوں' اور اس نے بڑی آسانی سے میرے پھیلائے ہوئے جال میں قدم رکھا تھا۔

ان لمحات میں پست قامت' فتنہ پرور وارثی اس قدر خوف زدہ اور سہما ہوا تھا' کہ اس کے حواس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' کہ وہ کیا کہے اور کیا نہیں کہے۔ ایک طرف چودھری قادر بخش اسے کھال کھنچوانے کی دھمکی دے رہا تھا' اور دوسری جانب میں اس کی تشریف کو چند دنوں کے لیے ناقابلِ استعمال بنانے کی بات کر رہا تھا' اور اس کی سراسیمہ آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اسے یقین ہے' ہم میں سے کوئی بھی اسے خالی خولی دھمکیاں نہیں دے رہا' بلکہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ کر بھی گزریں گے۔

چودھری قادر بخش نے خوں خوار لہجے میں دریافت کیا۔ ''کیا چودھری نادر نے تمہیں اس کام پر مامور کیا تھا؟''

''چودھری صاحب! سچ اس کی زبان سے پھسل چکا ہے۔'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔

وہ میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وارثی سے مستفسر ہوا۔ ''تم گونگے کیوں ہو گئے ہو۔ بدبخت! میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے۔ کیا میں تمہیں کرم دین لوہار کی دکان میں لے جاؤں اور اس کے آگ میں انگارا زنبور سے پکڑ کر تمہاری زبان پر بولنے پر مجبور کروں۔ تم مجھے جانتے ہو نا......؟''

انسان سب سے زیادہ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے' اور جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ ساری وفاداریوں کو پس پشت ڈال کر خود کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ وارثی' چودھری قادر بخش کے جلال اور غضب سے بہ خوبی واقف تھا' لہٰذا اس نے اپنی جان کی امان چاہتے ہوئے بڑے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔ ''جی چودھری صاحب! اس کام کے لیے مجھے چھوٹے چودھری صاحب نے ہی حکم دیا تھا۔ چھوٹے چودھری صاحب ادھر ڈیرے پر

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں انہیں رپورٹ دینے جا رہا تھا' کہ......!'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا اور معاندانہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں قادر بخش سے کہا۔'' چودھری صاحب! دیکھ لیں' میں نے کہا تھا' نا' میرے مفروضات بہت جلد سنگین اور تلخ حقائق میں بدل جائیں گے۔ مجرم میری تفتیش کی چھری تلے آ چکا ہے اور آپ جانتے ہیں' چودھری نادر سے اس کے جرم کا اقبال کروانا میرے لیے مشکل نہیں ہوگا؟''

چودھری قادر بخش نے تشویش بھری نظروں سے مجھے دیکھا' پھر وارثی کی طرف رخ کر کے جارحانہ انداز میں بولا۔'' اوئے بدبخت! تم باہر جا کر بیٹھو۔''

میں سمجھ گیا کہ چودھری قادر بخش تنہائی میں مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے' اور مجھے یہ بھی اندازہ تھا' کہ وہ کس قسم کی بات کرے گا۔ چودھری کے اشارے پر وارثی بیٹھک سے نکلنے لگا' تو میں نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔'' چودھری صاحب نے باہر جا کر بیٹھنے کو کہا ہے' تو ادھر بیٹھے بھی رہنا' تمہاری حیثیت ایک اہم گواہ جیسی ہے...... اگر تم نے ادھر ادھر ہونے کی کوشش کی تو یاد رکھو' جسم پر شہد مل کر...... سمجھ رہے ہو نا' میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟''

'' جی...... میں سمجھ رہا ہوں'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔'' میں کہیں نہیں جا رہا۔ ادھر ہی موجود رہوں گا۔''

وارثی کے جانے کے بعد چودھری قادر بخش نے نرم لہجے میں حسبِ توقع مجھ سے کہا۔'' ملک صاحب! کہانی سمجھ میں آ رہی ہے' لیکن اگر آپ چاہیں تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔''

'' مثلاً...... میں کیا چاہوں تو؟'' میں نے خاصے روکھے لہجے میں پوچھا۔

وہ عاجزی سے بولا۔'' میں نادر کو ادھر ہی بلا لیتا ہوں۔ اس سے جو بھی پوچھ گچھ کرنا ہے یہاں بیٹھک ہی میں کر لیں۔ میرا خیال ہے' گھر کا معاملہ گھر ہی میں نمٹ جائے تو اچھا ہے۔''

'' چودھری صاحب! آپ یا تو حالات کی سنگینی کو سمجھے نہیں اور یا پھر آپ یہ سوچ

رہے ہیں کہ مجھ سے کوئی ڈیل وغیرہ ہو جائے گی!'' میں نے بڑے واضح الفاظ میں کہا۔ '' میرا نام ملک صفدر حیات ہے چودھری صاحب! میں ایک سال سے اس علاقے میں تھانے داری کر رہا ہوں۔ آپ کو میرے مزاج' اسٹائل اور اصول پسندی کے بارے میں تو اچھی طرح معلوم ہوگا؟''

'' جناب! آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش تو کریں......!'' چودھری قادر بخش لجاجت بھرے لہجے میں بولا۔

'' میں بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں چودھری صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔'' آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ یہ گھر کا معاملہ ہے' گھر ہی میں نمٹ جائے گا۔ ایک انسان کی زندگی ضائع ہوئی ہے۔ اسے زہر دے کر مارا گیا ہے۔ یہ قتل کی ایک سنگین اور سفاک واردات ہے!''

چودھری قادر بخش حالات کی نزاکت کا بخوبی اندازہ لگا چکا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے مذموم کرتوتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ کسی زمانے میں وہ......خود بھی اس میدان کا ایک بڑا کھلاڑی رہا تھا۔ چھیمو جن حالات سے گزر کر موت کے منہ میں گئی تھی' چودھری کو اس کا احساس ہو چکا تھا۔ یہ عین ممکن تھا' کہ وہ چھیمو اور نادر کے تعلقات سے بھی واقف ہو' لیکن اس وقت چونکہ اس کے بیٹے کی زندگی پر بن آئی تھی' اس لیے وہ مجھے شیشے میں اتار کر اپنے بیٹے کو بچانے کا خواہاں تھا۔

اس نے مجھ سے کہا۔'' ملک صاحب! آپ بادشاہ ہیں۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

'' میں بادشاہ نہیں ہوں چودھری صاحب!'' میں نے دوٹوک انداز میں اس پر واضح کرنے کی کوشش کی۔'' میں صرف عوام کا خادم ہوں۔ بادشاہ واقعی بڑے بااختیار ہوتے ہیں۔ انسان کی نسلیں ختم کر دیں' انہیں کوئی پوچھتا نہیں۔ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے' لیکن میں......'' میں لمحے بھر کو متوقف ہوا' ایک گہری سانس خارج کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔'' میں اتنا بااختیار نہیں ہوں چودھری صاحب کہ چٹکی بجاتے میں سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر ڈالوں۔ ایک بات نوٹ کر لیں آپ' یہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

معاملہ گھر میں نہیں نمٹ سکے گا۔ چودھری نادر سے جو بھی پوچھ گچھ ہو گی' وہ ادھر تھانے میں ہو گی۔"

"چھیمو دوبارہ زندہ تو نہیں ہو سکتی' اس کے......!"

میں نے فوراً اس کی بات کاٹی اور تلخی بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر چھیمو دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتی' تو آپ کا کیا مطلب ہے' اس کے قاتل کو آزاد چھوڑ دیا جائے؟"

وہ بڑے واضح الفاظ میں بولا۔ "اگر آپ چھیمو کی موت کو ایک حادثہ قرار دے کر اس کیس کی فائل بند کر دیں' تو میں ہرجانے کے طور پر آپ کو منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے چودھری صاحب!" میں یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہو گیا۔ "شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ پوسٹ مارٹم اور لیبارٹری ٹیسٹ وغیرہ کی رپورٹ کی تین کاپیاں تیار کی جاتی ہیں۔ ایک کاپی اسپتال کے ریکارڈ میں رہتی ہے' دوسری کاپی پوسٹ مارٹم شدہ لاش کے ساتھ متعلقہ تھانہ انچارج کو بھیجی جاتی ہے' اور تیسری کاپی ایس پی علاقہ یا ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر والوں کو روانہ کر دی جاتی ہے' لہٰذا اس واقعے کو ایک اتفاقیہ حادثہ قرار دینے کے بارے میں تو آپ سوچیں بھی نہیں۔"

وہ بہت دور کی کوڑی لایا۔ "چھیمو کی موت کو خودکشی کے خانے میں باآسانی فٹ کیا جا سکتا ہے...... اگر تھوڑا سا تعاون آپ کر دیں تو؟"

وہ اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے ہر راستہ اپنانے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن میں نے بھی سوچ لیا تھا' کہ اس کی کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ چودھری قادر بخش لاکھ ایک معقول انسان سہی' لیکن اس کے فرزندِ ناخلف نے جو کارنامہ انجام دیا تھا' وہ انتہائی نامعقول اور قابلِ مذمت تھا۔

میری دیکھا دیکھی چودھری قادر بخش بھی اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی حویلی سے نکلنے سے پہلے اس سے کہا۔ "چودھری صاحب! مجھ سے آپ کسی نوعیت کے تعاون کی امید نہ رکھیں۔"

میرے لہجے میں ایسی قطعیت تھی کہ اسے اندازہ ہو گیا' ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔

لہٰذا وہ مجھے گھورتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔ "ٹھیک ہے ملک صاحب! آپ میرا دوستی والا ہاتھ جھٹک کر جا رہے ہیں' تو آپ کی مرضی ہے۔ اب میں اوپر ہی بات کروں گا۔ آپ ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر کی بات کرتے ہیں نا...... آپ کو شاید پتا نہیں' میری رسائی آئی جی صاحب تک ہے۔ میں کسی بھی طرح اپنے بیٹے کو بچا ہی لوں گا۔"

"یہ آپ کی بھول ہے چودھری صاحب!" میں نے دروازے کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے' میں مانتا ہوں' آپ کی پہنچ پولیس کے اعلیٰ افسران تک ہو گی' مگر شاید آپ یہ بات نہیں جانتے کہ مظلوم کی آہ کی رسائی اس قادرِ مطلق تک ہوتی ہے' جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے...... کیا آپ نے اپنی مثال سے بھی کوئی سبق نہیں دیکھا۔ آپ کا ماضی بھی تو......!"

میں جملہ نامکمل چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ میری بات پوری ہوتی' چودھری قادر بخش کے آنسو نکل آئے' پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ زاروقطار رونے لگا۔ میں ہکابکا اس کی برستی آنکھوں کو دیکھتا چلا گیا۔

چودھری قادر بخش ماضی میں جن حالات سے گزرا تھا' اس کی تفصیل حاجی مبارک علی مجھے سنا چکا تھا۔ وہ اپنی تمام خرمستیوں سے تائب ہو کر ایک اچھا انسان بن گیا تھا' لیکن چودھری نادر نے تاریخ کو دہرا کر اسے ایک امتحان میں ڈال دیا تھا۔ کہتے ہیں اس دنیا میں انسان کے لیے سب سے بڑے امتحانات صرف دو ہیں۔ نمبر ایک' مال کی محبت۔ نمبر دو' اولاد کی محبت۔ ان دونوں محبتوں کے لیے وہ جائز و ناجائز کی پہچان بھی بھول جاتا ہے۔

چودھری قادر بخش کو بھی بیٹے کی محبت نے مجبور کر دیا تھا' جو وہ ماضی کے ہر سبق کو فراموش کر کے نادر کو بچانے کے لیے مجھ سے سودے بازی پر اتر آیا تھا' بہرحال اس کی موجودہ بھیگی ہوئی کیفیت نے مجھے کافی متاثر کیا۔ اس کی غم ناک حالت اس بات کا بیّن ثبوت تھی' کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ آنسوؤں کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے' اپنا ایک بیان ہوتا ہے اور...... میں چودھری قادر بخش کے آنسوؤں کی زبان و بیان کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا' لہٰذا اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اس کے بعد کے تمام مراحل بغیر کسی رکاوٹ کے طے ہو گئے۔ چودھری قادر بخش

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے پولیس کارروائی میں کوئی روڑا اٹکایا اور نہ ہی دوبارہ میری منت سماجت کی کوشش کی۔ اس کی معاملہ فہمی، فطرت شناسی اور معقول روی نے میرا کام آسان کر دیا۔

چودھری قادر بخش کی افسردہ دلی کو دیکھ کر مجھے افسوس بھی ہو رہا تھا، لیکن اسی افسردگی کے بیچم بیچ اس کے چہرے پر ایک سکون اور اطمینان بھی ٹھہرا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ایسا سکون اور اطمینان صرف ان لوگوں میں نظر آتا ہے، جو راضی برضا ہوتے ہیں۔

قادر بخش نے قدرت کے فیصلے کے سامنے گردن جھکا لی تھی!



